بعوض صنائع مکین و مکان و فضل خلاق زمین و زمان

قصۂ شیریں داستان رنگیں

یعنی

افسوں ہے فسانہ قصہ خوانوں سے سنا
جادو ہے بیان خوش بیانوں سے سنا

فسانۂ عجائب

باتصویر اب چھپا ہے موجب
آنکھوں سے بھی دیکھ لو جو کانوں سے سنا

از

مرزا رجب علی بیگ صاحب سرور لکھنوی

ناشران

رحمٰن برادرس تاجران کتب فریئر روڈ کراچی ۱

سپر آرٹ پریس کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا و صہرا و کان ربک قدیرا سزاوار حمد و ثنا خالق ارض و سما
جل و علی صانع بیچون و چرا ہے جس نے رنگ بے ثباتی سے بایں رنگا رنگی تختۂ چمن دنیا پر از لالہ و گل و
جز و کل بنایا اور باوجود ترس باغبان و بیم صیاد ولولۂ شرح گل و بلبل کو دیکر دام محبت میں پھنسایا
اور عاشق باوفا و معشوق پر دغا کو ایک آب و گل سے خمیر کر کے پردۂ غیب سے بعرصۂ شہود لایا ایک خلقت
سے دو طرح کا جلوہ دکھایا اور انسان ضعیف البنیان کو اشرف المخلوقات فرمایا جلوۂ حسن بتان
بجز آشفتگی کا بہانہ ہے نالۂ بلبل شیدا گوش گل رعنا کا ترانہ ہے اس کی نیرنگیوں کے مشہور فسانے
ہیں ہم اس کی قدرت کاملہ کے دیوانے ہیں صفت اس کی محال ہے زبان اس تقریر سے لال
ہے جس کی شان میں مخبر صادق یہ فرمائے دوسرا اس عہدے سے کب بر آئے ما عرفناک حق معرفتک

نعت سرور کائنات محبوب خدا برگزیدۂ انبیا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

بعد حمد خالق جن و بشر حاکم قضا و قدر مبدا ارشام طالع سحر نعت سید کائنات خلاصۂ موجودات بہترین
عالم برگزیدۂ نوع بنی آدم کی ہے جس کے چراغ ہدایت کی روشنی سحر تیرہ بخت گم گشتہ کوچۂ ضلالت
راہ راست پر آئے بتوفیق رفیق اور مدارج تحقیق کیا کیا مرتبہ بلند پائے اور منحرف کور باطنوں کو
فہم ناقص کی کجی اور زعم فاسد نے کیسے کیسے روز سیہ دکھائے ان کے حق میں یہ حکم آیا ہے بچشم غور دیکھو

تو اور کسی نے بھی یہ مرتبہ پایا ہے لولاک لما خلقت الافلاک سرحلقۂ اولین خاتم المرسلین مظہر صنعت
کریم احمد بے میم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ الطاہرین واصحابہ المکرمین وسلم کوئی شاعر اس کی شان میں
کہتا ہے لا اعلم پیش ازہمہ شاہان غیور آمدۂ ؂ ہرچند کہ آخر بظہور آمدۂ ؂ اے ختم رسل قرب تو معلوم
شد ؂ دیر آمدۂ نزراہ دور آمدۂ ؂ اس مشت خاک کا کیا فہم وادراک جو شمۂ صفات ذات بابرکات
زبان پر لائے جو عجز میں نہ دم آئے کام زبان ناکامی سے فوراً جل جائے اور منقبت امیر المومنین
امام المتقین یکہ تاز میدان لافتیٰ خلاصۂ مضمون سورۂ ہل اتیٰ یہی کافی ہے جیسے پیمبر نے کہا لحمک
لحمی ودمک دمی علی منی وانا منہ اور مدح اہلبیت رسالت کہ ولا انکی ایمان کی دلیل ہے اور
محبت انکی ہر فرد بشر کو واجب بایں حدیث جلیل ہے مثل اہل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبہا نجی ومن تخلف عنہا غرق دھوئے

مذکورہ شاہ غیور قباد شوکت نوشیروان معدلت غازی الدین حیدر شاہ بادشاہ غازی ارث دودمان سعادت



پس از حمد خدا ونعت سرور انبیا لازم وضرور ہے کہ مدح والی ملک بیان کرے قولہ تعالیٰ اطیعوا اللہ
واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اگرچہ صفت شاہ زمان گدا کو بیان کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے مگر
نام نامی وتوصیف ذات گرامی اسکی وسیلۂ توقیر اس تحریر اور مفتاح باب اس پریشان تقریر کا جان
کر شمۂ از شمائل وذرۂ از خورشید فضائل رقم کرتا ہوں شاہ کیوان بارگاہ بلند مرتبہ عالی جاہ سرحلقۂ

شاہان والا تبار جم شوکت فریدون فر سلیمان اقتدار کشور گیر ملک ستان خدیو کیہان ابو المظفر معز الدین شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و ایدہ اللہ بالنصر و الظفر جل جلالہٗ معرکہ رزم یا صحبت بزم اسکی انشا کروں صفحۂ دنیا پر نہ لکھ سکوں دم رزم رستم و سام و نریمان مثل پیر زال لرزاں اور وقت سخا اور عطائے زر و مال حاتم کے ہاتھ میں کاسۂ سوال بزم و طرب میں زہرہ و مشتری سرگرم نغمہ پردازی و عربدہ سازی ہنگام عتاب و خشم مریخ مستعد جلادی و بیدادی یہ ادنیٰ عنایت ہے۔ بیت چناں بموسم سرما دوشالہا بخشید ۞ کہ گرم شد ہمہ بنگالہ سرو شد کشمیر ۞ بسکہ سحاب بخشش اس بحر عطا کا روز و شب مزرعۂ کہ و مہ پر بارش رکھتا ہے شہر میں سالہا کان مشتاق سائل کی صدا کا اور دیدہ ندیدہ صورت گدا کا عدل یہ کہ ہاتھی چیونٹی سے ڈرتا ہے شیر بکری کی اطاعت کا دم بھرتا ہے بچشم اس کے عہد دولت میں ہزاروں نے دیکھا بکری شیر کے بچے کو دودھ پلاتی تھی کنار میں شفقت سے سلاتی تھی باز تیز پرواز بچۂ کنجشک کا دمساز اور نگہبان بلّی کی عادت جبلی یہ کہ کبوتر سے ہراسان دونوں دل اندوہناک روزن ہر خانہ سے مسدود شحنۂ وار رخنہ بندی فساد کو موجود اللہ تعالیٰ اس امیدگاہ عالم و عالمیان کو اپنے حفظ و امان میں سلامت رکھے دولت خواہ اس والا جاہ کے بعیش و شادی مدام اور دشمن روسیاہ بر نج نامرادی گرفتار آلام رہیں بحق رب ذو المنن بہ تصدق پنجتن

بیان مؤلف دربارۂ لکھنؤ و ذکر صنعت مردمان خجستہ رو و تذکرہ ہر صاحب علم و کمال عالی قدر حیا و نمونہ ہائے نکات شہر

یہ ہیچمدان ہیچمدان محرر داستان مقلد گذشتگان سراپا قصور رجب علی بیگ تخلص سرور متوطن حال خطۂ بے نظیر دلپذیر رشک گلشن جنان مسکن حور و غلمان جائے مردم خیز باشندے یہاں کے ذکی فہیم عقل کے تیز اگر دیدۂ انصاف و نظر غور سے اس شہر کو دیکھے تو جہان کی دید کی حسرت نہ رہے آنکھ بند کر لے شعر سنا رضوان بھی جس کا خوشہ چین ہے ۞ وہ بیشک لکھنؤ کی سرزمین ہے ۞ سبحان اللہ و بحمدہٖ عجب شہر گلزار ہے ہر گلی کوچہ دلچسپ باغ و بہار ہے ہر شخص اپنے طور پہ باوضع قطعدار ہے دو رویہ بازار کس انداز کا ہے ہر دوکان میں سرمایہ ناز و نیاز کا ہے ہر چند ہر محلے میں جہان کا ساز و سامان مہیا ہے پر اکبری دروازے سے جلو خانے اور پکے پل تک کیا صراط مستقیم ہے کیا جلسہ ہے

نان بائی خوش سلیقہ شیرمال گاؤ دیدہ نان نہاری جہان کی نعمت اس آبداری کی کہ جس کی بو باس سے
دل طاقت پائے دماغ معطر ہو جائے فرشتہ گذرے تو سونگھے کیسا ہی سیر ہو فوراً دیر ہو دیکھے سے
بھوک لگ آئے وہ سرخ سرخ پیازہ سے نہاری کا بگھار سُریلی جھنکار شیرمال شنگرف کے رنگ کی
خستہ بھربھری ایک بار کھائے نان نعمت کا مزہ پائے تمام عمر ہونٹ چاٹتا رہے ہمارے کباب
اس آب و تاب کے کہ مرغ و ماہی کا دل سیخ آہ پر حسرت محرومی سے کباب اورک کا لچھا میاں خیر اللہ کی دوکان
کا بال سے باریک کترا ہاضم نایاب حسینی کے حلوا سوہن پر عجیب جوبن اُس کی شیرینی کی گفتگو میں لب بند
جہان کو پسند پٹری و بیزلیسی لبساتی لذیذ ہونٹ سے کھائے دانت کا اُس پر تمام عمر دانت رہے
دانت لگانے کی نوبت نہ آئے حوزی خوب حبشی اہل ہند کو مرغوب دودھیا شیرخوارہ نوش کر جائے
ہر کنجڑن کی وہ تیکھی چتون آدمی صورت دیکھتا رہے رُعب حُسن سے بات نہ کر سکے سُن کر
نین پریزاد سرو قامت رشک شمشاد دوکانوں میں انواع و اقسام کے میوے قرینے سے چنے
روزمرّے محاورے اُنکے دیکھے نہ سُنے کبھی کوئی پکار اُٹھی میاں ٹکے کو ڈھیر لگا دیا ہے،
کوئی موزون طبیعت یہ فقرہ سُناتی مزہ انگور کا ہے رنگتروں میں کسی طرف یہ صدا آتی ہے گنڈیریاں
ہیں پونڈے کی ایک طرف تنبولی سرخروئی سے یہ رمز کنایہ کرتے بولی ٹھولی میں چبا چبا کر ہر دم
یہ دم بھرتے مگھئے کا مُنہ کالا ہو باگرد کر ڈالا عبیر ہے نہ گلال ہے کتھے چونے سے ادھی میں
مکھڑا لال ہے گلیوں میں گجر دم یہ آواز آتی ہے شیرمال ہے گھی اور دودھ کی مفلس کا دل اچاٹ
ہے ٹکوں کی چاٹ ہے کدھر لینے والے ہیں مشق کی تغلیاں اور کھیر کے پیالے ہیں کیا خوب
بھُنے بھربھرے ہیں چنے پرمل اور مُرمُرے ہیں جیٹھ بیساکھ کی وہ گرمی جس میں چیل انڈا چھوڑتی
ہے دو پیسے کی برف کی قلفی جمی دو کھائے بدن تھرائے زیادہ ہو کا کرے لقوے و فالج میں
مرے سیر جوک ہمیشہ سُلنے سے شانہ چھلا نسیم و صبا کو سپید معارتہ نہ لا شیخ کولی کی مٹھائی جس
نے کھائی جہان کی شیرینی سے دل کھٹا ہوا بنارس کا کھجلا بھولا متھرا کے پیڑے کا کھٹا
ہوا برفی کی نفاست بو باس در در اپن نقرئی ورق کا جوبن کسی اور شہر کار کا بدار اگر دیکھ
پائے یا ذائقہ لب پہ آئے زندگی تلخ ہو ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے امرتی مسلسل کا ہر پیچ ذائقہ
کو پیچ و تاب دیتا یا قوتی مفرح کا مزہ جب منہ میں رکھا اصل توبہ ہے عسل مصفیٰ جنّت کی

نہر کا حلق سے اُترا پراچیوں کی گلی کی کھجور لذّت ٹپکتی ذائقے میں چور بہتر از انگور نہایت آب و تاب ہم خرما و ہم ثواب بالائی لوزا کی دوکان پر جب نظر آئی بے قند و شکر شکر کر نور علیٰ نور کہہ کر چھری سے کاٹ کر کھائی مدار یئے حقّے وہ ایجاد ہوئے کسگر ایسے استاد ہوئے کہ جب نڑا قا اُن کا سُنا پیچوان کا دم بند ہوا پچھانا کا تمبا کو مشک و عنبر کی خوشبو جس نے ایک گھونٹ کھینچا اُسی کا دم بھرنے لگا علی الخصوص مرد تماش بین کے واسطے یہ شہر خداد ہے یہاں ہر فن کا استاد ہے سینکڑوں گھامڑ بدشکل کندہ ناتراش اطراف و جوانب سے آ ہفتے عشرے میں چھل چھلا وضع دار ہو گئے جب ابو تراب خاں کے کٹڑے میں جامیاں خیراتی سے کسی کی خیرات میں خط بنوایا بارہ برس کے سِن کا گالوں سے مزہ آیا چار پہر کھونٹی ٹٹولی پتہ نہ پایا کاتب قدرت کا لکھا مٹاتا ہے ایسا خط بناتا ہے سیّد حسین خاں کے دروازے پر عبداللہ عطر فروش کی دوکان جائے نشست ہر وضعدار جوان ہی دو پیسے میں بیلے چمیلی کا تیل ریل پیل فتنہ بہ پا کرنے والا ایسا ملا کہ سہاگ کا عطر گرد ہوا جو نچوڑ سے دل سرد ہوا عطر کی روئی رکھی کان میں پھر جا بیٹھا کسی افیونی کی دوکان میں سفید سفید چینی کی پیالیاں خوبصورت رنگتیں نرالیاں افیون فیض آبادی لالے کی وہ رنگین جس نے تریاک مصر کے نشئے کر کرے کیئے زیادہ پی جانے والے کو جان کے لالے ہوئے ایسے متوالے ہوئے جھمکڑا بادۂ ارغوانی و زعفرانی کا پیدا تبدیل ذائقہ کو فرنی کے خوانچے نقرئی ورق جمے لپستے کی ہوائی چھڑکی ہوئی مہیّا چسکی پی ایک دم کے بعد دم حقّے کا کھینچا آنکھوں میں سرور موجود ہوا وہاں سے بڑھا کان میں آواز آئی بیلے کے ہار ہیں شوقین البیلے کو پہن لے چلا جا فرنگی محل کے میلے کو جب یہ بیج بنی بگڑا پنچوں کے بل چلا یہ بھولا کہ وطن کی چال ڈھال راہ و رسم بھولا اکثر باہر سے آ یہ دھج بنا جونپور کے قاضی ہونے کو مفتی بنی راضی ہو گئے برسات کا اگر موسم ہے شہر کا یہ عالم ہے ادھر مینہ برسا پانی جا بجا بہہ گیا گلی کوچہ صاف رہ گیا ساون بھادوں میں زردوزی جوتا پہن کر پھریئے کیچڑ تو کیا مٹی نہ بھرے فصل بہار کی صنعت پروردگار کی قدرت رضوان جن کا شائق دیکھنے کے لائق روز عیش باغ میں تماشے کا میلہ ہر وقت چمن کا جلسہ موتی جھیل کا پانی چشمۂ زندگانی کی آب و تاب نے کھاتا پیاسوں کا دل لہراتا سڑک کے درختوں کی فضا جدا کھجوا موجیں مارتا بارسنگھے کے جنگل میں لوگوں کا جمگھٹا زنگار رنگ کی پوشاک آپس کی جھانک تاک تختۂ لالہ و نافرمان چمن پہ

قربان بندہ ہائے خاص کی سبک روی خرام نازہر قدم پر کبک دری چال بھولکہ جبیں نیاز رگڑتی شاخ سرو اُن کے روبرو نہ اکڑتی شائق ہزار در ہزار شمع پر پروانوں کا عالم غول کے غول باہم آم کے درختوں میں ٹپکا لگا خاص جھولا وہیں پڑا جھولنے والوں پر دل ٹپکا پڑتا محبت کے پینگ بڑھتے دیکھنے والے درود پڑھتے باغ میں کوئل پپیہے مور کا شور جھولے پر گھٹا رہی وہ بھی گھنگھور ساون بھادوں کے جھالے وہ رنگین جھولنے والے دشت غربت میں یہ جلسہ جو یاد آجاتا ہے دل پاش پاش ہو جاتا ہے کلیجہ منہ کو آتا ہے نہ کہ کانپور کی برسات ہیہات ہیہات دخل کیا دروازے سے باہر قدم دھرے اور پھسل نہ پڑے گلی میں پاؤں رکھا کیچڑ کا چھپکا سر پر پہونچا دو اس فصل میں باہم نہ دیکھے مگر چہلے کے پھنسے اور جنہیں سواری کا مقدور نہیں دخل کیا جو وہ جائیں کہیں اُن کے حق میں برسات حوالات گھر جیل خانہ نہ کہیں جانا نہ آنا اگر خواب میں کہیں نکل گئے تو چونک پڑے کہ پھسل گئے اور جو یانساری کا رو باری ہیں اُن کا یہ نقشہ دیکھا ہاتھ میں جوتیاں پائنچا چڑھا کیچڑ میں لت پت یہاں گرے وہاں گرے خدا خدا کر جیتے گھر پھرے اور جو شیخی کے مارے ننگے پاؤں نکلے تو سفر دیکھی ہے یہ رسم اِس نگر میں ؛ جوتا ہے گلی میں آپ گھر میں ؛ پھر بر سر مطلب آیا خاص بازار کہ شہر وسیع و خوش قطع ہے اُسکے نقشے سے مانی و بہزاد نے خار کھایا شبیہہ کشی تو کیا خاکہ نہ کھینچا ہاتھ تھرایا کوٹھیاں فرح بخش و دلکشا برج ہر ایک جہاں نما سلطان منزل اور استری منجن نشاط افزا نوبہ شکن اِنسان کو دیکھ کر سکتہ ہو جائے کام اُن کا وہم و قیاس میں نہ آئے سر راہ کہ بارہ دری جواہر سے جڑی پری کی صورت قریب نہر جاری تکلف کی تیاری پائیں باغ اُس کا جس نے دیکھا باغ ارم سمجھا سوسن صفت ہزار زبانیں بہم پہونچیں تعریف نہ کرسکا گونگے کا سپنا ہوا رومی دروازہ اس رفعت و شان کا ہے گذرگاہ ایک جہان کا ہے اگر اُس پر چڑھ جائے بام فلک پست معلوم ہو فرشتوں کا مشورہ کان میں آئے سہرا و لین اس کی زمین ہے شش جہت میں دوسرا نہیں ہے مسجد انتخاب ہے امام باڑہ لاجواب ہے مقبرے عالیشان وہ نادر مکان کہ فلک بدیدہ انجم نگران ہے اُن کے نظیر کی جستجو میں مشعل مہ و خورشید روز و شب روشن کیئے کو بکو سرگردان ہے اگر پاؤں پھیلانے کی جگہ ان میں ہاتھ آئے سرو ست مر جانے کو جی چاہے گومتی کے انداز سے نہر کی کیفیت نظر آتی ہے طبیعت لہراتی ہے دو رویہ آبادی عمارت کہیں رمنے کسی جا باغ بنے صبح و شام وہ بہار نظر آتی ہے کہ

شام اودھ اور بنارس کی سحر بھول جاتی ہے شہر نفیس مجمع رئیس ہر فن کا کامل یہاں حاصل ہے
خوشنویس حافظ ابراہیم صاحب اس قطع کا قطعہ لکھا جو میر علی یا آغا جیتے ہوتے اپنے لکھے کو
روتے اشک حسرت سے وصلیاں دھوتے مرزائی صاحب کا یہ حال تھا کہ کوئی پرچہ اُن کا اُن
کی نظر پڑجاتا نیز نریہ برنہ کہتا یاقوت رقم ہیرا کھاتا مرثیہ خوان جناب میر علی صاحب نے وہ طرز
نو مرثیہ خوانی کا ایجاد کیا کہ چرخ کہن نے مسلم الثبوت استاد کیا علم موسیقی میں یہ کمال بہم پہونچایا
اس طرح کا دھرپت خیال پٹہ گایا اور بتایا کہ کبھی کسی نائک کے وہم و خیال میں نہ آیا تھا ایک
رنگین احاطہ کھینچا ہے جو اُس میں آیا پھولا پھلا وہ اُن کا پیرو ہوا اور جس نے ڈھنگ جدا کیا
وہ ٹکسال باہر بد رنگ ہوا اگر تان سین جیتا ہوتا اُن کے نام پر کان پکڑتا بھیک مانگ کھاتا
مگر نہ گاتا ہزاروں شاگرد جگت اُستاد ہوا مولوی سب میں پرزادہ ہوا امیروں میں حسین علی خاں
بلبل ہزار داستان خوش الحان مرثیہ گو بے نظیر میاں دلگیر صاحب باطن نیک ضمیر خلیق فصیح مرد
مسکین مکروہات زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا اللہ کے کرم سے ناظم خوب دبیر مرغوب سکندر طالع لبصورت
گدا بار احسان اہل دول کا نہ اُٹھایا عرصہ قلیل میں مرثیہ سلام کا دیوان کثیر فرمایا طبیب ہر ایک
مسیحائی کرتا ہے قُم باذنی کا دم بھرتا ہے جسے دیکھا بقراط سقراط جالینوس زمان ہے اس معنی میں یہ خطہ
رشک زمین یونان ہے میرک جان صاحب پر نیکے فن سے ایسے آشنا ہوئے کہ مردم بحر و بر گرم ثنا ہوئے شاعر زبان
دان ایسے کہ عرفی اور خاقانی کی غلطی بتائی فردوسی و انوری کی یاد بھلائی شیخ امام بخش ناسخ نے بہ ہندی
کی چندی کی اور روزمرے کو فصیح و بلیغ کیا کہ کلام سابقین منسوخ ہوا فصحائے شیراز و اصفہان
اس سیف زبان کا لوہا مان گئے اپنے قبح پر منفعل ہوئے اس زبان کا حُسن جان گئے زمین شعر کو آسمان پر
پہونچایا سینکڑوں کو استاد بنایا خواجہ حیدر علی آتش کی آتش بیانی شرر افشانی سے دل جلوں کے سینے
میں سوز و گداز ہے مرد قانع شاعر ممتاز ہے فرنگی محل کا حال کیا لکھوں کہاں زبان دوست کا یارا
جو شمہ لکھتا مولوی فاضل عدیم المثال ہر شخص جمیع علوم کا استاد کتب درسی ابتدا سے انتہا تک
یاد منقول و معقول میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا ریاضی کے ریاض سے آسمان کو زمین کر دیا مولوی انوار
کا پرتو فیض جہان میں روشن مولوی مبین دوربین سراج انجمن مولوی ظہور اللہ سبحان اللہ ایسے
فقیہہ محقق کہاں ہوتے ہیں یہی لوگ نادر الزمان ہوتے ہیں ادھر رکن دین بلا کد میر سید محمد مجتہد

جانشن

مستند مرزا کاظم علی متقی اخوند محمد رضا رضائے خدا کا جویا حاملِ قرآن ہمہ دان کسی علم میں عاری نہیں
روئے زمین پر آقا محمد تبریزی سا قاری نہیں مگر وہ جو مثل ہے نیک اندر بدیہ اصل ہے لب معشوق
مولویوں سے وہ رنڈیاں پری شمائل زہرہ پیکر مشتری خصائل اس نازو انداز سحر کرامات غمزہ عشوہ
ادا گات بانکی کہ ہاروت و ماروت تو کیا معاذ اللہ اگر سب فرشتے عرش سے فرش خاک پر آئیں اُنکی
چاہ میں لکھنؤ کے کنوئیں بھر جائیں گھڑی بھر اُنسے زانو بزانو بیٹھے توبہ نصوحا ٹوٹے انکا دروازہ نہ
چھوٹے لولی چرخ اُن پر نثار ہے ہر ایک حور کردار ہے خوش مزاج مردم شناس روزمرہ شستہ دم
تقریر رمز و کنایہ اس کوچہ کے فیض سے انسان آدمیت بہم پہونچاتا ہے تراش خراش اثر صحبت سے
کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے کلاونت قوال بیمثال چھجو خاں غلام رسول سب کو موسیقی میں کمال حصول شوری
کی منہ زوری کی دھوم ہے ٹپے کا موجد ہوا سب کو معلوم ہے بخشو اور سلاری نے طبلہ ایسا بجایا کہ
کہ پکھاوج کو شرمایا پتنگ ایسا بنایا ایسا لڑا کہ نزدیک و دور مشہور ہے ستر چھتر تار ڈور کا پتنگ خیراتی
یا چھنگا کے ہاتھ کا لڑائی کی گھات کا رستم کی عافیت تنگ کرنیوالا منجھی ہاتھ پاؤں پر مولوی عمدو نے
ایسا لڑایا عمدا اتنا بڑھایا کہ کروبیوں سے عبادت چھوٹی دفعتہً دوڑ کر ڈور لوٹی آنکھ بچا کر پیٹا توڑا
فرشتے خاں کا پتنگ نہ چھوڑا مرداں بیگ کا مانجھا دینے والا دیکھا نہ سنا غرضکہ جو چیزیں یہاں نئی
بنیں اور ایجاد طبیعت سے کاریگروں نے نکالیں سلف سے آج تک نہ ہوئی تھیں اوگی زردوزی ایسی
ہی ایسی باریکی چھپی کہ باہر نہ دوا اُسکے پنے جو پائیں بجائے جیغہ و سرپیچ سر پہ لگائیں جو تا خُرد نوک کا
ببر علی نے اس نوک جھونک کا بنایا کہ جہاں کو پسند آیا آرام پائی جسکے ہاتھ آئی دل نے چین پایا —
چالیس سال دیکھ بھال کی ایسا شہر یہ لوگ نظر سے نہ گذرے اور تو اور شہدا پیر بخارا کا تماشا بیۃ الشہدا
کا شہدا برس روز میں جو پیدا کیا عشرۂ محرم میں محتاجوں کو نذر حسین کھلا دیا یہ یکرنگی مزاج میں سمائی
تمام سن جوا کھیلا دوے کے داؤں پر ادھی نہ لگائی ایکروپیہ ہوا خواہ سو کہہ دیا پر سینکڑوں داؤں
منجے گئے منہ سے نہ پنجے گئے وہاں بھی ایک چوک لگا رہتا ہے آدمی کے چھکے چھٹ جاتے ہیں جب
وہ لوگ نظر آتے ہیں مشائخ فقیر دنیکے مزار خوب خواب لحد میں آسودہ سالک و مجذوب شاہ میناشاہ پیر محمد شاہ
خیر اللہ ایک سے ایک سبحان اللہ ظاہر مردہ حقیقت میں جیتے ہیں اشیائے لطیف کھاتے پیتے ہیں مولوی
عبدالرحمن برگزیدہ یزدان عالم باعمل درویش اکمل خواجہ باسط اور میر نصیر جنکا عدیل نہ نظیر خواجہ حسین و حسن

سرگروہ انجمن طبیعت بسکہ مصروف باختصار ہے ایک ایک فقرہ لکھا ہے وگرنہ ان بزرگواروں کی صفت
میں کتابیں تحریر کرے تو بجا ہے شعر کار دنیا کسے تمام نکرد ؛ ہر چہ گیرید مختصر گیرید ؛ اس پر عمل کیا منصف
سے انصاف طلب ہیں ہٹ دھرم سے کیا کہیں جھوٹے کے روبرو سچا رو دیتا ہے نہ بالفرض معترض کہے
یہ لوگ کہاں کے تھے تو یہ جواب شافی کافی ہے کہ یہ شہر ایسا تھا جیتے جی یہاں سے نکلے مر گئے پر یہیں رہے
اور یوں تو مصرع کس نگوید کہ دوغ من ترش است ؛ جو گفتگو لکھنؤ میں کو بکو ہے کسی نے کبھی سنی ہو
سنائے لکھی دیکھی ہو دکھائے عہد دولت بابر بادشاہ سے تا سلطنت اکبر ثانی کہ مثل مشہور ہے
نہ چولہے میں آگ نہ گھڑے میں پانی دہلی کی آبادی ویران تھی سب بادشاہوں کے عصر کے روزمرے
لہجے اردوے معلیٰ کی فصاحت تصنیف شعراء سے معلوم ہوئی یہ لطافت اور فصاحت و بلاغت
کبھی نہ تھی نہ اب تک وہاں ہے قطع نظر اس سے لوگ اس خلقت کے گرہ سے کھوئیں اور جلسہ
کریں چنانچہ ایک بندہ کے شفیق جگت آشنا مرزا محمد رضا مجمع خوبی از پا تا فرق تخلص برق فی الحقیقت
کلام بلاغت نظام اُن کا صاعقہ خرمن ہستی حاسد ہے بجائی بند شاعروں کا بازار اُن کے
روبرو کاسد ہے جوان خوش رو بہادر آشنائے با مزہ نیک خو شب ماہ صحبت مشاعرہ بدولت خانہ
مرزا معین ہے رئیس امیر صغیر و کبیر تشریف لاتے ہیں اس مکان وسیع میں آدمیوں کی کثرت سے جگہ کی
قلت ہوتی ہے ہوا کشمکش سے بار پاتی ہے جب پنکھے کی سعی اٹھاتی ہے سخن سنج بیرنج خوش گو
نازک فہم باریک بین نیکخو جمع ہوتے ہیں لوگ اُن سے وہ لوگوں سے حظ اُٹھاتے ہیں تلامذہ مرزائے
ممدوح خدمت کو حاضر کورے کورے مدارئیے دمبدم گلوریاں ورق لگی کتھا بسا چونا سنگ مرمر
کا متواتر قبل از غزل خوانی افیون کا چرچا ہو جاتا ہے کوئی پیتا ہے کوئی کھاتا ہے اگر چاہ کسی کو
چائے کی ہوئی دودھ پیتے بچے تک کو شیر چائے موجود کر دی ہمیشہ صبح اس شام کے جلسے
کی ہو جاتی ہے طبیعت نہیں گھبراتی ہے گھر جانے والوں کو صدائے مرغ سحر ندائے اللہ اکبر
آتی ہے ہر چند سب لوگ یہاں کے قہر ہیں مگر یہ بزرگوار زینت شہر ہیں اور لکھنؤ کے جیسے
بازاری ہیں کسی شہر کے ایسے ہفت ہزاری ہیں دلال مرفہ حال خوش پوشاک چمکے چمکائے
اور ملکوں کے سیٹھ کروڑپتی چوتڑیں لنگوٹی یا دھوتی جب بڑا تکلف کیا گاڑھے کا مرزائی پہن لیا
کلمہ حق کہنے والے کا مدار دار پر ہوتا ہے منصور نگر اسکا محلہ ہے یہ نکتہ بگوش دل جان الحق مر حاسد ونکے

خوف سے یہ مذکور مختصر کیا اگر زیادہ لکھتا قصہ ہوتا کوتاہ بین لکھنؤ کے نام سے چڑھ جاتے ہیں
رشک کھاتے ہیں افترا پردازی کرتے ہیں جل مرتے ہیں اچھے آغاز کا انجام بخیر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مشقت
کسی کی بیکار نہیں کھوتا ہے یہ فسانہ بعہد دولت شاہ غازی الدین حیدر شروع ہوا تھا اور تمام بعصر
سلطان بن سلطان ابو المنصر نصیر الدین حیدر دام ملکہ ہو اللہ اللہ یہ عجب شاہ جمجاہ ازیکہ نشین ہوا کہ
حاتم کا نام صفحۂ سخا سے مثل حرف غلط مٹا دیا فقیروں کو امیر بنا دیا عیش و نشاط کی طرف طبیعت
جو آئی ایک ایک ادنیٰ کنجڑن ہفت ہزاریوں سے اعلیٰ بنائی محمد شاہ کی گور بھر آئی شہزادوں کو کہاریوں
پر رشک آیا خواصوں کو صاحب نوبت کیا چنڈول سکھپال میں چڑھایا ہزار بارہ سو جلسے والی —
حور وش برق کردار کبک رفتار نغز گفتار ازپا تا فرق دریائے جواہر میں غرق دست بستہ روبرو کھڑی رہی
جہاں کی نعمت انکے سامنے پڑی رہی اصیلوں کو کروڑوں روپے دئے پیش خدمتوں نے بادشاہت کے
چین کئے قدسیہ محل پر طبیعت جو آئی معاً رفعت شان فلک ہفتم پر پہونچائی کئی کروڑ روپے اس منظورِ نظر
نے صرف کئے خزانے خالی کر محتاجوں کے گھر بھر دئے ہر وقت راجہ اندر کا جلسہ تھا نہروں میں عطر بہا مکان
اس طرح کے بنوائے کہ فلک گردان نے صدقے ہو کر چکر کھائے اندراسن گلشن ارم کہ ایسا باغ اور
اس طرح کی کوٹھی چشم گوش عالم نے دیکھی نہ سنی دوازدہ امام کی درگاہ ایسی بنائی کہ چرخ گردان کو
خواب میں نظر نہ آئی اندراسن میں عطر کا حوض چھلکتا رہا تمام شہر مہکتا رہا مغلانیوں نے گوٹے کناری
کی کترنوں سے چاندی سونے کے محل اٹھائے خاصے والیوں نے لونگ الائچی زعفران کے اپنے گھروں
میں خاصے ڈھیر لگائے مکا خیاط مال دنیا سے مالامال ہے استغنا کا دم بھرتا ہے سنیا تو کیا ٹانکا
کم بھرتا ہے بجز غم حسینؑ شہریار کو اندوہ غم نہیں کون ہے جو اس زمانہ میں شاد و خرم نہیں اربعین
تک عزاداری ہوتی ہے خلق خدا ماتم حسین میں روتی ہے لاکھوں روپیہ اس راہ میں صرف ہوتا
ہے چالیسؑ شب نہیں سوتا ہے تخم عمل نیک مزرعہ آخرت میں بوتا ہے روز تولد ہر امام و شب
وفات جگر بندان خیر الانام لاکھ لاکھ روپیہ کا صرف ہے اس کی ہمت کے آگے فیاضان گذشتہ
پر حرف ہے حسن صورت و شوکت و حشمت جاہ و ثروت جتنی دنیا کی خوبیاں ہیں اللہ نے سب دی
ہیں ہر شب شب برات روز عیدین کی ہیں سیر دریا کی دفعتاً جو لہر آئی گنگا سے نہر منگائی اس میں
بھی غربا نہال کار ندے مالا مال ہو گئے بس کہ خامہ موکد اختصار رقم ہے جتنا اس کے

صفت میں لکھئے بہت کم ہے لہذا اس غزل پر اختتام کیا یہ جملہ تمام کیا

تصویر نصیر الدین حیدر بادشاہ



غزل

تا ابد قائم رہے فرماں روائے لکھنؤ
گو ملے جنت بھی رہنے کو بجائے لکھنؤ
رشک کھا کھا گو فلک مجھ سے چھڑائے لکھنؤ
یا تو ہم پھرتے تھے اُن میں یا ہوا یہ انقلاب
اُنکی استغنا سے کیا کیا آرزو کرتی ہے رشک
کیوں گمان زاغ بلبل کے ترانے پر نہ ہو
ہر محلے سے بچا ناجی ہے عیسیٰ کو محال
جن وانس و وحش وطائر کیوں نہ سب محکوم ہوں
دشت غربت میں کیا برباد وحشت نے تو کیا
یہ رہے آباد یارب تا بہ دور مشتری

یہ نصیر الدین حیدر بادشائے لکھنؤ
چونک اٹھتا ہوں میں ہردم کہکے ہائے لکھنؤ
تب میں جانوں دل سہی جب میرے بھلائے لکھنؤ
پھرتے ہیں آنکھوں میں ہردم کوچہ ہائے لکھنؤ
جام جم پر تف نہیں کرتے گدائے لکھنؤ
یاد آجاتیں جو وہ نغمہ سرائے لکھنؤ
چھوڑ تے جیتا نہیں معجز نمائے لکھنؤ
ہے سلیماں اِن دنوں فرماں روائے لکھنؤ
دل سے اڑتی ہے کوئی اپنے ہوائے لکھنؤ
میں کہیں ہوں مانگتا ہوں پر دعائے لکھنؤ

بلبل شیراز کو ہے رشک ناسخ کا سرور		اصفہان اُس نے کیے ہیں کوچہ ہائے لکھنؤ

الٰہی بحرمت سید ابرار احمد مختار و بہ تصدق آئمہ اطہار لکھنؤ کو آباد رکھ والی ملک کو یہاں کے کارفرما رعیت پرور مسند حکومت پر دلشاد رکھ جب تک گنگا جمنا میں پانی رہے یہ خطۂ دلچسپ فرح افزا آباد رہے فرد الٰہی لکھنؤ بستا رہے دور قیامت تک ؛ سرور دشت پیما کو کبھی وہ شہر مسکن تھا اور مقلدی ہیں یہاں کے لوگ صاحب کمال ہیں باریک بیں دقیقہ رس زود فہم نازک خیال ہیں یہ عجب ان صاحبوں کا لیکھا ہے مقلدی میں موجد سے بہتر ہو جاتے انہیں کو دیکھا ہی اس شہر میں کئی مطبع سنگی ہیں نمونۂ نیرنگی ہیں لیکن ایک ہمارے عنایت فرما ہیں جناب میر حسن صاحب صاحب حسن و جمال جاق خوش رو صاحب باطن حمیدہ خصال حسن خلق اُن کا خلق میں مشہور ہے، عجب و نخوت اُن کے نزدیک سے دُور ہے موسم شباب ہے چہرے پر جوانی کی آب و تاب ہے بیت ابرو کا کل مشکبو صفحۂ رخسار گل بے خار از سر تا پا ہر شئے دیوان وجاہت میں انتخاب ہے محمود نگر میں اُن کا چھاپہ خانہ جدید ہے عیاذاً باللہ پھولا گلشن بیخزاں ہے کہ دیدہ شنید ہے عقل دنگ ہی کارخانہ کیا ہے تختۂ دارشرنگ ہے ایک سمت خوشنویس ثانی آغا میر عنت قلم ایک طرف فاضل صاحب درس و تدریس ہر ایک بے نظیر شیر و شکر کی طرح باہم ایک جاد لایتی کل جسے دیکھ کر جی بیکل ہو گیا ہے کیسا ہی جوان قوی ہیکل ہو اگر چاہے پہاڑ اٹھائے مگر ایک کاپی میں ہاتھ کانپے کیا دخل ہے جو بے دریافت دس فرمے نکالے اُس کی ہر کمانی کو اگر کارسانی کہوں بدگمانی ہے بہزاد کی عقل کو حیرانی ہے پرنسے پرنسے پر جلا ہے جو صفحہ ہے یدبحر کا ڈھلا ہے کہیں پتھر صاف شفاف جسکے سنگ کا فرسنگوں نظر نہ آئے مردم دیدۂ اگر اس کی صفا کو نظر بند کریں آنکھ پھسل جائے ہر پتھر یمنیّا کوہ طور ہے کسی پر جلی لکھا کوئی قلم مُو سے مسطور ہے کاریگر ہر ایک سرگرم فرمانروائی ہے کتب کہن از سر نو زندہ ہوتی ہیں ثبوت اعجاز مسیحائی ہے۔ سبکدست چست و چالاک استاد ہیں طبع بلند اُن کا مطبوع دلپسند اپنے کام میں ذی استعداد ہیں بے لن ترانی کہتا ہوں نئی تشبیہ ہاتھ آئی ہے بلین کی سیاہی میں صاف کیفیت روشنائی ہے فرمہ ہر ایک مرقع کی تصویر ہے لکھا مٹتا نہیں گویا خط تقدیر ہے الٰہی جب تک فلک کی کل چلتی رہے اور خانہ چرخ زنگاری رہے یہ کارفرما سلامت رہے کارخانہ جاری رہے بندہ کمترین تلامذہ اور خوشہ چین خرمن سخن جناب قبلہ کعبہ استاد شاگرد نواز و ممتاز مجمع فضل و کمال نیک سیرت

[1] واضح ہو کہ یہ مطبع فی الحقیقت ایسا ہی تھا مگر مدت سے بہ سبب نامساعدت زمانہ کے بالکل بند ہو گیا۔

فرخندہ خصال خرد آگاہ دانش آموز و یادگار جناب میر سوز عرفی عصر سعدی زبان رشک انوری
و خاقانی نوازش حسین خانصاحب عرف مرزا خاقانی تخلص نوازش کا ہے حقیقت حال یہ مقام ہے
طرز ریختہ اور روزمرہ اردو کا اُن پر اختتام ہے شعر اُنکے واسطے وہ شعر کی خاطر موضوع ہیں کہنے کے
علاوہ پڑھنے کا یہ رنگ ڈھنگ ہے اگر طفل مکتب کا شعر زبان معجز بیان سے ارشاد کریں فیض دہان
تاثیر بیان سے پسند طبع سحبان وائل ہو فی زمانہ تو کیا سابقین جو موجد کلام کوس لمن الملکی بجاتے
تھے اُن کے دیوانوں میں دس پانچ شعر تناسب لفظی یا صنائع بدائع کے ہوں گے وہ اُن پر نازاں
تھے اور متاخرین فخریہ سند گردانتے ہیں لہذا جس شخص کو فہم کامل یا اس فن میں مرتبہ کمال حاصل ہو
اور طبع بھی عالی ہو آپ کا دیوان بچشم انصاف و نظر غور سے دیکھے کوئی غزل نہ ہوگی جو ان کیفیتوں
سے خالی ہو ہر مصرع گواہ ہزار صنعت ہر شعر شاہد لاکھ صفت مطلع سے مقطع تک ہر غزل مرقع کی صورت اکثر اشعار
آپ کے تبرکاً و تیمناً بطریق یادگار بندے نے لکھے ہیں جہاں لفظ استاد ہے وہ آپکا شعر ہے

باعث تحریر اجزائے پریشان و سرگذشت مجمع دوستان مکلف ہونا محجوب کا بیان داستان مرغوب کا

حسب اتفاق ایک روز مع چند دوست صادق و محبان صفاکیش و موافق باہم بیٹھا تھا مگر نیرنگی
زمانہ ناہنجار و کجروی فلک سفلہ پرور دوں نواز جفا شعار سے سب بادل حزیں و زار اور ہجوم اندوہ
و یاس سے اور کثرت حرمان و افکار سے کہ ہر دم یہ پاس تھے دل گرفتہ سینہ ریش اور اداس تھے انہوں نے
کہا شعبدہ بازی چرخ مکار از آدم تا ایندم یوں ہی چلی آئی ہے اور تفرقہ پردازی اُسکی سوائے رنج و محن
زیادہ مشہور ہے یہ اور برائی ہے اب یہی غنیمت جانیئے اور لازم ہے کہ اُس کا بھی احسان مانیئے کہ تم ہم
اسدم باہم تو بیٹھے ہیں استاد ؏ جو ہم تم پاس بیٹھے ہیں سو تو یہ دم غنیمت ہے ٭ یہ ہنسنا بولنا رہجائے تو کیا کم غنیمت ہے
اور واقعی ہے اگر شدت رنج و الم میں دوست صادق یار موافق ہمنشیں ہو تو الم خیال میں نہیں آتا ہے
دور صحبت غیر جنس میں اگر تخت سلطنت میسر آئے تو تختۂ تابوت کی طرح کاٹے کھاتا ہے سعدی
پائے در زنجیر پیش دوستاں ٭ بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں ٭ لیکن زمانے کی عادت یہی ہے کہ باوجود
کثرت غم و شدت اندوہ و الم دو شخص کو باہم نہیں دیکھ سکتا ہے مرزا پھینکے ہے منجنیق چرخ تاک کے سنگ تفرقہ
بیٹھ کر اک دم کہیں ہو ویں جو ہم کلام دو ٭ جب سلسلہ کلام یہاں تک پہونچا اس زمرے میں ایک آشنائے

باصفا پر مزہ بندے کے تھے اُنہوں نے فرمایا اس وقت کوئی قصہ یا کہانی بہ شیریں زبانی ایسا بیان کر
کہ رفع کدورت و جمعیت پریشانی طبیعت ہو اور غنچہ بستہ دل باہتزاز نسیم تکلم کھل جائے فرمانبرداری
بجز اقرار اُن کا مناسب وقت نہ جانا چند کلمے گوش گذار کیے اگرچہ گریہ کردن راہم دل خوش میباید مگر
این نظر سے مصرع ہرچہ از دوست میرسد نیکوست ؛ یہ فسانہ انہیں بہت پسند آیا کہا اگر بدل جمعی تمام
تو اس قصہ پراگندہ کو از آغاز تا انجام زبان اُردو میں فراہم اور تحریر کرے تو نہایت منظور نظر
اہل بصر ہو لیکن تقصیر معاف ہو لغت سے صاف ہو بندے نے کہا طبیعت ابنائے روزگار بیشتر متوجہ
عیب جوئی و ہنر پوشی ہے بقول دلگیر ؎ قبح کے دیکھنے والے تو بہت ہیں دلگیر ؛ اور یہاں حسن شناسان
سخن تھوڑے ہیں ؛ وہ بوئے چشم داشت صلہ طلب اجرت کسی سے متصور نہیں فقط ہماری خوشی
مدنظر رکھ جیسا رطب و یابس کہے گا ہمیں پسند ہے بشرطیکہ جو روزمرہ اور گفتگو ہماری
تمہاری ہے یہی ہو ایسا نہ ہو کہ آپ رنگینی عبارت کے واسطے وقت طلبی اور نکتہ چینی کریں ہم ہر فقرے
کے معنی فرنگی محل کی گلیوں میں پوچھتے پھریں بندے نے کہا یہ تو مقدمہ تحریر ہے کہ اگر سرکار کے
کام آئے جائے تقریر نہیں مگر جلدی نہ کرنا بوقت فرصت لکھونگا وہ تو یار شاطر نہ بار خاطر تھے کہا
اچھا فقیر کو اسی دن سے ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا عدم فرصت سے نہ کہتا تھا آخر الامر بمقتضائے عادت
تلاش معاش کے حیلے میں فلک تفرقہ پرداز گردوں عربدہ ساز نے صورت مفارقت کی دکھائی
مہاجرت استقبال کو آئی ؎ بوقت لقمہ خوردن اے سرت گفت لہیم ؛ کہ روزی میکند از ہم
جدا یاران ہمدم را ؛ ربیع الثانی کے مہینے میں کہ سن ہجری نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بارہ سو
چالیس تھے آنے کا اتفاق مجبور کو روہ کانپور میں ہوا بلکہ یہ بستی پوچ و لچر ہے اشراف یہاں عنقا صفت
ناپید ہیں احیاناً جو ہونگے تو گوشہ نشین عزلت گزین مگر چھوٹی امت کی بڑی کثرت دیکھی یہ طور دیکھ کر
دل وحشت منزل سخت گھبرایا کلیجہ منہ کو آیا قریب تھا جنون ہو جائے تیرہ بختی سے روسیاہ پیش آئے
لیکن بہ شربت عنایت و معجون شفقت ارسطو فطرت بقراط حکمت حکیم سید اسد علی صاحب
شیر بیشہ علم و کمال سخن فہم ظریف خوش حال طبع سودا خیز اور سر جنوں انگیز کو آرام و تسکین حاصل ہوئی
وہ حال فقیر دستگیر پر الطاف و کرم فرماتے تھے تدبیریں نیک و احسن دافع رنج و محن بتاتے تھے
ایک روز ان سے بعد اظہار حال مکلف فسانہ دوستانہ یہ بھی کہا کہ ایک کہانی لکھا چاہتا ہوں

سُنکر فرمایا بیکار مباش کچھ کیا کر میر ضاحب نہیں پیر تم کاہلی اللہ رے ؎ نام خدا ہو جوان کچھ تو کیا چاہیئے
اس وقت یہ کلمہ توسن طبع کو تازیانہ ہوا اگرچہ اس ہیچ میرز کو یہ یارا نہیں کہ دعویٰ اردو زبان پر
لائے یا اس فسانہ کو بہ نظر نثاری کسی کو سُنائے اگر شاہجہان آباد کہ مسکن اہل زبان کبھی بیت السلطنت
ہندوستان تھا وہاں چندے بود و باش کرتا فصیحوں کو تلاش کرتا تو فصاحت کا دم بھرتا جیسا میر امن
صاحب نے چار درویش کے قصے میں بکھیڑا کیا ہے کہ ہم لوگوں کے ذہن و حصے میں یہ زبان آئی
ہے دلی کے روڑے ہیں محاورے کے ہاتھ منہ توڑے ہیں پتھر پڑیں ایسی سمجھ پر یہی خیال
انسان کا خام ہوتا ہے مفت میں نیک بدنام ہوتا ہے بشر کو دعویٰ کب سزاوار ہے کاملوں
کو بیہودہ گوئی سے انکار بلکہ ننگ و عار ہے ؎ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید
وہی مثل سلنے میں آئی کہ اپنے منہ سے دھناباتی لیکن تحریر اس کی الفائے تقریر ہے یہ قصہ
دلچسپ بے نظیر ہے امید ناظرین پر تمکین سے یہ ہے کہ بچشم عیب پوشی و بہ نظر اصلاح ملاحظہ
فرما کر جہاں سہو یا غلطی پائیں بہ اصلاح مزین فرمائیں کیسی ہی طبیعت عالی ہو ممکن نہیں جو بشر خطا
سے خالی ہو اس کے مطالعہ سے خاطر عاطر شاد کریں عاصی کو دعائے خیر سے یاد کریں نیاز مند کو
تحریر سے نمود نظم و نثر و جودت طبع کا خیال نہ تھا شاعری کا احتمال نہ تھا بلکہ نظر ثانی میں جو لفظ وقت
طلب غیر مستعمل عربی و فارسی کا مشکل تھا اپنے نزدیک اُسے دور کیا اور جو کلمہ سہل ممتنع محاورے کا تھا وہ
رہنے دیا دوست کی خوشی سے کام رکھا فسانہ عجائب اسکا نام رکھا انہ المبدء والیہ المآب عنایت ایزدی سے تمام ہوئی کتاب

آغاز داستان نادر بیان صاحب سریر سلطانی مالک اورنگ کامرانی زینت تاج و تخت شاہنشاہ گردون بارگاہ شاہ فیروز بخت کا پیدا ہونا شاہزادہ جان عالم کا اور شادی ماہ طلعت سے

استاد سے مثل ہی سے نہ الفاظ تلازم ہے یہ خالی ہی ؎ ہر اک فقرہ کہانی کا گواہ بے مثالی ہے لا اعلم یادگار
زمانہ ہیں ہم لوگ ؎ سُن رکھو تم فسانہ ہیں ہم لوگ ؎ گرہ کشایان سلسلہ سخن و تازہ کنندگان فسانہ کہن
یعنی محرران رنگین تحریر و مورخان جادو تقریر نے اشہب جہندہ قلم کو میدان وسیع بیان میں با کرشمہ
سحر سازو لطیفہائے حیرت پرداز گرم عنان و جولان یوں کیا ہے کہ سرزمین ختن میں ایک شہر تھا
مینو سواد بہشت نژاد پسند خاطر محبوبان جہاں قابل بود و باش خوبان زمان شمیم صفت اُس کی

معطر کن دماغ جاں مُسکن التہاب قلب و دافع خفقان زمین اس کی رشکِ چرخِ بریں رفعت و شان چشمک زن بلندی فلک ہفت ہیں گلی کوچہ خجلت دہ گلشن آبادی گلزار لبانِ تختۂ چمن بازار ہر ایک بے آزار مصفّا ہموار دوکانیں نفیس مکان نازک پائدار خلق خدا با خاطر شاد اُسے قسمت آباد کہتے تھے سب طرح کی خلقت رغبت سے اس میں رہتی تھی والی ملک وہاں کا شاہ گردوں وقار پر تمکین با افتخار سکندر سے ہزار خادم اسے لاکھ فرمانبردار قبا و شوکت کاؤس حشم مالک تاج و تخت والا مرتبت عالی مقام شہنشاہ فیروز بخت نام موجِ بخشش سے اِس بحر جود و عطا کے سائلان لب تشنہ سیراب اور نائرہ غضب کے شعلہ سے دشمن بدباطن جگر سوختہ بیتاب دبدبۂ دادو دہش و غلغلۂ عدالت سے دشمن و دوست جانی چور مسافر کے مال کا نگہبان ڈکیتوں کو عہدۂ پاسبانی ملک و افر سپاہ افزوں از قیاس خزانہ لا انتہا وزیر دانا مدبر جاں فشاں تاج بخش و باج ستاں محتاج اور فقیر کا شہر میں نام نہیں داد فریاد آہ و نالہ سے کسی کو کام نہیں رعیت راضی سپاہ جاں نثار دوست شاداں دشمن خائف شمع کا چور سر محفل لرزاں امن تمام سے یہ ننگ تھا کہ امیروں کا چور محل نہ ہونے پاتا تھا و زدحنا کا رنگ نہ جمتا تھا سر دست ہاتھ باندھا جاتا تھا آنکھ چرانے سے ہم چشم چشمک کرتے تھے کار خیر سے اگر کوئی جی چراتا تو نامردی کی تہمت اس پر دھرتے تھے لیکن باایں حکومت و ثروت کاشانۂ اُمید کا چراغ گل اولاد بالکل نہ تھی خواہش فرزند درد دل اور نہ ہونے کی کاہش منفعل حسرت لپر میں لَاتَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ ہر ساعت بر زبان رَبِّ ہَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ولیًا وظیفہ وہاں لڑکے کی تمنا میں بادشاہ مثل گدا دست دراز ایسا لاپروا بے نیاز کی قدرت سے بانیاز آخرش جناب باری میں تضرع و زاری اُس کی منظور ہوئی لاولدی کی بدنامی دور ہوئی ساٹھ برس کے سن میں گوہر آبدار دُرِّ شاہوار صدف بطن بانوئے خجستہ اطوار سے پیدا ہوا چھوٹا بڑا اس کی صورت کا شیدا ہوا اس روح افزا کا فیروز بخت نے جان عالم نام رکھا شب و روز پرورش سے کام رکھا حسن اللہ نے یہ عطا کیا کہ نیرّ اعظم چرخ چہارم پر رعب جمال سے تھرایا اور ماہ باوجود داغ غلامی تاب مشاہدہ نہ لایا اُس نقش قدرت پہ تصوّر مانی و بہزاد حیران اور صناعی آذر کی ایسے لعبت حقیقت کے روبرو پشیمان کاسہ سراسر شور جوانی زور شباب سے معمور آنکھیں جھپکانے والی دیدۂ غزال ختن کی شراب عشق کے نشہ سے چکنا چور چہرے پر جلال شاہی شوکت جہاں پناہی نمایاں حسن درخشندہ کی تڑپ بہ از انجم و اختر تاباں مصحفی ؎

اسے دیکھ طفلی میں کہتی تھی دایہ ؛ یہ لڑکا طرحدار پیدا ہوا ہے ہر زہ اقبلیل ع پارہ خواہد شد
ازیں دست گریبانی چند ؛ لکھا ہے کہ جب وہ مہر سپہر سلطنت برج حمل سے جلوہ افزا ہوا زینت بخش
کنار مادر زیب وہ آغوش دایہ خزانہ و مجلس کھلا ہزار ہا قیدی رہا ہوا اپنے گھر آیا اور سیکڑوں لونڈی
غلام نے فرمان آزادی پایا شہر میں محتاج ناپید تھا مگر اشرفی روپیہ حاجیوں کے واسطے مکۂ معظم اور
زائرونکی خاطر کربلائے معلیٰ میں بھیجا ایک سال کا خراج رعیت محتاج کو معاف ہوا شہزادے کے نام
کے گنج آباد ہوئے مسجدیں مدرسے مہمان سرا مسافر خانے تعمیر ہوئے اہل شہر دلشاد ہوئے نجومی پنڈت
جفر دان حاضر ہوئے بہت سوچ بچار کر برہمنوں نے عرض کی مہاراج کا بول بالا جاہ و حشم مرتبہ دوبالا
اعلیٰ رہے ہماری پوتھی کہتی ہے بھگوان کی دیا سے شہزادے کا چندرمان بلی ہے چھٹا سورج ہے جو
گرہ ہے وہ بھلی ہے دیگ تیگ کا مالک رہے دھرم مورت یہ بالک رہے جلد ساج پر براجے پر تھوی میں
دھوم مچے ایسی شادی رچے مگر پندرہویں برس مشتری بارہویں آئیگی سنیچر پاؤں پڑیگا ایک پنچھیرو
دشوے کے برن میں ہاتھ آئیگا تریا کے کھٹ پٹ سے وہ بچن سنائے گا کہ راج پاٹ چھوڑ ادیس
بدیس لے جائیگا ڈگر میں شہزادہ بھٹکے کوئی پاس نہ پھٹکے جھٹپن اپنے ڈیل سے ڈانواں ڈول پھر
ایک ٹھکر کا سیوک کرپا کر کے راہ لگائے کوئی کلنگن لوبھی ہو کشٹ دکھائے وہاں سے جب
چھٹے رانی ملے مہا سندر وہ چرن پر پران وارے پتا اس کا گیانی گن کی تکھتی دے اس سے کئی ملچھ
مارے دکھ میں آڑے آئے بگڑے کاج بنائے جب اُس نگر پہونچے جس کے چت میں گھر چھوٹے
تو لاب بہت ہو درب گھنے ہاتھ آئیں دور سب کلیس ہو جائیں پر ایک ہتی من کا کپٹی استری
پر دو چپ ہو کھٹائی کرے جُھ پڑیں نرناری لڑیں اور کچھ جل میں بھی ہل چل پڑے پر تھی
لوگ چھٹ جائیں نگر نگر کھوج میں پھر آئیں سب بچھڑے مل جائیں ماتا پتا کے ڈھک آئیں استری
تین ہو دو کا پرمان رہے ایک کی ہین ہو بڑا راج کرے دیا دھرم کے کاج کرے گسیاں
کی کرپا سے جان کی کھیر ہے بڑی بڑی دھرتی کی سیر ہے یہ سُن کر بادشاہ گونہ ملول ہوا پھر
مستقل مزاجی سے یہ کلمہ فرمایا فِعْلُ الْحَکِیْم لَا یَخْلُو عَنِ الْحِکْمَۃ اُن سب کو بقدر حال فراخور کمال
مالامال کیا خلعت و انعام دیا بہ بشاشت تمام سرگرم پرورش صبح و شام رہا کوئی برسوں میں بڑھتا
ہے وہ نہال دمیدۂ لبستان سلطنت گھڑیوں بلند بالا ہوتا تھا چند عرصہ میں بحول و قوت

الٰہی وہ ہاتھ پاؤں نکالے دس برس کے سن میں اُس غزال چشم نے ہرن کے سینگ چیر ڈالے
دست و بازو میں یہ طاقت ہوئی کہ درندہ نیل مست ہوا جوان رعنا چہرۂ زیبا رستم شوکت
اسفندیار سے زبردست ہوا جو اُس کا روئے منور دیکھتا یہ کہتا لا اعلم منہ دیکھوں آئینہ کا
تری تاب لا سکے :: خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے :: تصویر تیری کھینچے مصور تو کیا مجال ::
دست قضا تو پھر کوئی تجھ سا بنا سکے :: تحصیل علم و فضل میں شہرۂ آفاق ہوا جتنے فن سپہ گری
ہیں اُن کا مشتاق جمیع علوم ہر فن میں طاق ہوا جل جلالہ باپ ولیا بیٹا ایسا محبوب محبت میں
لبانِ یوسفؑ و یعقوب جب وہ ہلال سپہر شہر یاری بدر کامل ہوا اور چودھواں برس بھر گیا
جوانوں میں شامل ہوا بصلاح و صوابدید ارکان سلطنت و ترقی خواہاں دولت شادی کی تجویز
ہوئی بتلاش بے شمار و تجسس بسیار ایک شاہزادی پری پیکر خوب صورت نیک سیرت حور نژاد
گل اندام سیمیں بر رشک شمشاد ماہ طلعت نام دودمان والا سے مقرر ہوئی وہ جو آئین بادشاہی
طریق فرمانروائی ہے اُسی طرح اسکے ساتھ اُس اختر تابندہ کو ہمقران کیا

ترانہ سنجی عندلیب خامۂ گلشن بیان سواری شہزادۂ جانعالم میں اور خریدنا طوطے کا اور کج بحثی ماہ طلعت کی طوطے سے اور مذکور حسن انجمن آرا اور شہزادے کا عاشق ہونا

بلبل نوا سنج ہزار داستان طوطی خامہ زمزمہ ریز خوش بیان گلشن تقریر میں یوں چہکا ہے کہ بعد رسم
شادی سیر و شکار کی اجازت سواری کا حکم شاہ ذوی الاقتدار سے حاصل ہوا گاہ گاہ شام و پگاہ جانعالم
سوار ہونے لگا ایک روز گذر اُس کا گدڑی میں ہوا انبوہ کثیر جم غفیر نظر آیا اور غلغلۂ تحسین و آفرین
از زمین تا چرخ بریں بلند پایا شہزادہ ادھر متوجہ ہوا دیکھا ایک مرد پیر نحیف نزار اسّی برس کا سن نہایت
ضعیف پنجرہ ہاتھ میں لئے کھڑا ہے اُس میں ایک جانور مانند ساکنان جنان سبز پوش طائر ہمہ وقت
خانہ بدوش با منقار گلنار لطیفہ لطیف رنگین اور نکتے قابل تعریف تمکین مثال طوطی پس آئینہ
بیان کرتا ہے لا اعلم درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند :: آنچہ استاد ازل گفت ہماں مے گویم ::
شہزادے کے دیکھتے ہی طوطا اپنے مالک سے بولا اے شخص کوکب بخت تیرا افلاس کے برج تیرہ
سے نکلا نصیب چمکا طالع برسر یاری زمانہ آمادہ مددگاری ہوا دیکھ لیا شہزادۂ حاتم شعار ابر گہر بار متوجہ



تصویر شہزادہ اور پیرمرد کی مع پنجرے والے طوطے کے

اس منت پر ذرّہ بمقدار پر ہوا ہے وہ بیکار شے کارگاہ بے ثبات میں ہوں جس کا طالب نہیں کہیں بجدیکہ جانور ہوں اور بلّی کھا جا مگر یہ جو نظر عنایت کرے ابھی تیرا ہاتھ پُر زر ہو دامن گہر سے بھرے جانِ عالم نے جو یہ سخن ہوش رُبا کلمہ حیرت افزا سُنے طوطے عقل کے اُڑے پنجرہ اس طائرِ ہمہ دان جانور سحر بیان کا ہاتھ میں لیکے مالک سے قیمت پوچھی طوطے نے کہا مؤلف کب لگاتا ہے کوئی اس دلِ بیمار کا مول ؛ سب گھٹا دیتے ہیں مفلس کے غرض مال کا مول ؛ مگر جو حضور کی مرضی جانِ عالم نے لاکھ روپے خلعت کے سوا عنایت کئے اور پنجرہ ہاتھ میں لئے دولت سرا کو روانہ ہوا گھر میں جا ماہِ طلعت کو طوطا دکھایا یہ مصرع انشا کا پڑھا انشاؔ بازار ہم گئے تھے اک چوٹ مول لائے۔ طوطے نے شہزادے کو سخنانِ دلچسپ قصص عجیب حکایات غریب شعر خوب خمسہائے مرغوب سنا اپنے دامِ محبت میں اسیر کیا یہ نوبت پہونچی کہ سوتے جاگتے دربار کے سوا جدا نہ ہوتا جب دربار جاتا پنجرہ بتاکید حفاظت ماہ طلعت کو سونپ جاتا اور دربار سے دیوانہ وار بشوق گفتار بیقرار جلد پھر آتا ایک دن شہزادہ دربار گیا طوطا محل میں رہا اس روز ماہ طلعت نے غسل کیا اور لباس مکلّف سے جسم آراستہ زیور پر تکلّف سے پیراستہ ہو جواہر نگار کرسی پر بیٹھی ہوا جو لگی آئینہ میں صورت دیکھ خود محوِ تماشا ہوئی بحرِ عجب و نخوت میں آشنا ہوئی خواصوں سے جلیسوں جو جو دمساز محرمِ راز تھیں اپنے حسن کی داد چاہی ہر ایک نے موافق عقل و شعور تعریف کی کسی نے کہا ہلالِ عید ہو

کوئی بولی خدا جانتا ہے دیدہ ہو نہ شنیدہ ہو اللہ تعالیٰ نے بایں کثرت مخلوقات تمہارا ہمسراز قسم جن و بشر بنایا ہی نہیں پری نے یہ قد بالا حور نے یہ حسن کا جھمکڑا پایا ہی نہیں جب وہ کہہ چکیں ماہ طلعت نے کہا طوطا بہت عقل مند ذی شعور سیاح نزدیک و دُور ہے اس سے بھی پوچھنا ضرور ہے مخاطب ہوتی کہ اے مُرغ خوش خو وطائر زمرد لباس سرخرو بذلہ سنج بیرنج سچ کہنا اس سج دھج کی صورت کبھی تیرے طائر وہم و خیال کی نظر سے گذری ہو نیرنگی چرخ کجرفتار فتنہ پردازی گردون واژون عیاں ہے

تصویر ماہ طلعت و جان عالم مع طوطے اور خواصوں کے



آگاہ سب جہان ہے اُسوقت طوطا رنجیدہ دل کبیدہ خاطر مضمحل بیٹھا تھا چپ ہو رہا شہزادی نے پھر پوچھا طوطے نے بے اعتنائی سے کہا ایسا ہی ہو یہ رنڈی معشوق مزاج طرہ یہ کہ شہزادے کی جورو شوہر مالک تخت و تاج برہم ہو کے بولی میاں مٹھو جینے سے خفا ہو جو ہمارے روبرو چبا چبا کر گفتگو کرتے ہو طوطے نے کہا سوال و جواب اور دھمکانا اور حکومت سے ڈرانا اور غصے کی آنکھ دکھانا اور ہے کیوں الجھتی ہو شاید تمہیں سچی ہو پھر تو شعلہ غضب کانون سینۂ شہزادی میں مشتعل ہوا کہا کیوں جانور بے تمیز ناچیز تیری موت آئی ہے کیا بیہودہ ٹیں ٹیں مچائی ہے واہی بک رہا ہے ہمارا مرتبہ نہیں سمجھتا ہے طوطے کے منہ سے نکلا کیوں اتنی خفا ہوتی ہو اپنا منہ ملاحظہ کرو صاحب تم بڑی خوبصورت ہو یہاں تو یہ چیں بچیں تھی کہ جان عالم تشریف فرما ہوا عجب صحبت دیکھی کہ

شہزادی بچشم پر آب و با دل کباب غیظ میں آ کر بھرا طوطے سے بحث رہی ہے شہزادے نے فرمایا خیر باشد طوطا بولا آج نرا شر ہے خیر بخیر مگر چندے حیات مستعار اس وحشی کی اور آب و دانہ قفس میں پینا کھانا باقی تھا اگر آپ اور گھڑی بھر دیر لگاتے تشریف نہ لاتے تو میرا طائر روح گربہ غضب شہزادی سے مجروح ہو کر پرواز کر جاتا ہرگز جیتا نہ پاتے مگر پنجرہ خالی دیکھ مزاج عالی پریشان ہوتا بحسرت و افسوس یہ فرماتے **النشاط** طوطا ہمارا مر گیا کیا بولتا ہوا ؛ ماہ طلعت ان باتوں سے زیادہ مکدر ہوئی شہزادے سے کہا کہ اگر میری بات کا طوطا صاف جواب نہ دیگا تو اس نگوڑے کی گردن مروڑ اپنے تلووں سے اس کی آنکھیں ملوں گی جب دانہ پانی کھاؤں پیونگی، جانعالم نے کہا کچھ حال تو کہو طوطے نے گذارش کی کہ حضور یہ مقدمہ غلام سے سنئیے آج شہزادی صاحبہ اپنی دانست میں بہت نکھر لقا دیکھ آیئنہ کو کہتی تھی کہ اللّٰہ ری میں ؛ مجھ سے پھر فرمایا طوطے ایسی صورت کبھی دیکھی ہے مجھ اجل رسیدہ کے منہ سے نکلا خدا نہ کرے اس جرم قبیح پر شہزادی کے نزدیک گشتنی سوختنی گردن زدنی ہوں بقول میر تقی ؎ بے جرم تہہ تیغ ہی رکھا تھا گلے کو ؛ کچھ بات بری منہ سے نہ نکلی تھی بھلے کو ؛ جانعالم نے کہا تم بھی کتنی عقل سے خالی حمق سے بھری ہو تم تو پری ہو جانور کی بات پر اتنا آزردہ ہو گو گویا ہے پھر طائر میاں مٹھو کو ان باتوں کی تاب نہ آئی آنکھ بدلکر روکھی صورت بنائی اور ٹیں سے بولا خداوند نعمت جھوٹ جھوٹ ہے سچ سچ ہے ہمسر جس کا کوئی نہیں ہے وہ ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ہے اس کے سوا ایک سے ایک بہتر اور برتر ہے وہ خود فرماتا ہے فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ میں نے جھوٹ اور سچ دونوں سے بچ کر ایک کلمہ کہا تھا اگر راستی پر ہوتا گردن کج گئے سیدھا گور میں سوتا یہ سن کر وہ اور رنجور ہوئی مثل مشہور ہے راج ہٹ تریا ہٹ بالک ہٹ جانعالم نے مجبور ہو کر کہا جو ہو سو ہو مٹھو پیارے سچ کہدو طوطے نے بہ منت عرض کی دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز مجھ سے سچ نہ بلوائیے میرا منہ نہ کھلوائیے، نہیں انجام راستی حضور کے دشمنوں کو دشت نوردی بادیہ پیمائی غریب الوطنی کوچہ گردی نصیب ہوگی شہزادے نے کہا یہ جملہ تم نے اور نیا سنایا اب جو کچھ کہنا ہے کہا چاہیئے باتیں بہت نہ بنائیے اس نے کہا میں نے ہر چند چاہا آپ رنج سفر مصائب شہر بشہر ایذائے غربت سے باز رہیں کہ سفر اور سقر کی صورت ایک ہے اس سے بچنا نیک ہے مگر معلوم ہوا کہ حضور کے مقدر میں

یہ امر لکھا ہے میرا اس میں قصور کیا ہے۔ تیغ سودا سے چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کہ نارفو ؛ سوزن تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے ؛ سُنئیے قبلۂ عالم یہاں سے برس دن کی راہ شمال میں ایک ملک ہے عجائب زرنگار ایسا خطہ ہے کہ مُرقع خیال مانی و بہزاد میں نہ کھنچا ہوگا اور پیر دہقان فلک نے مزرعۂ عالم میں نہ دیکھا ہوگا شہر خوب آبادی مرغوب رنڈی مرد حسین طرحدار مکان بلور کے بلکہ نور کے جواہر نگار عقل باریک بینان مشاہدے سے دنگ ہو خلقت اس کثرت سے بستی ہے کہ اُس بستی میں وہم و فکر کو عرصہ تنگ ہو خورشید ہر سحر اُسکے دروازے سے ضیا پاتا ہے بدر کامل اس شہر میں غیرت سے کاہیدہ ہو ہلال نظر آتا ہے وہاں کی شہزادی ہے انجمن آرا اس کا تو کیا کہنا کہاں میری زبان میں طاقت اور دہان میں طلاقت جو شمۂ مذکور شکل و شمائل اُس زہرہ جبین فخر لعبتان لندن و چین کا سناؤں استاد ایک ہیں کیا خوب گرد یکھے اُسے حُسن آفرین ؛ اپنی صناعی پہ حیران خود وہ صورت گر رہے ؛ لیکن سات سو خواص زرین کمر تاج دلبری برسر ماہر و عنبرین مو سر گروہ خوبان جہان جان آرام دل مشتاقان اس کی خدمت میں شب و روز سرگرم خدمتگذاری تابعداری سے رہتی ہیں اگر اُن کی لونڈیوں کو شہزادی صاحبہ بنظر انصاف دیکھیں اور کچھ غیرت کو بھی کام فرمائیں یقین تو ہے چلو بھر پانی میں محجوب ہو کر ڈوب جائیں ماہ طلعت یہ سُن کے سُن ہوئی سر جھکا لیا جانعالم نے پنجرہ اُٹھا لیا دیوان خانہ میں لیجا مفصل حال دریافت کرنے لگا ہر دم سرد بھرنے لگا مولانا جامی نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ؛ بسا کین دولت از گفتار خیزد ؛ در آید جلوۂ حُسن از در گوش ؛ ز جان آرام برباید ز دل ہوش ؛ ز دیدن ہیچ اثر در میانہ ؛ کند عاشق کسانرا غائبانہ ؛ طوطے کو شہزادے کی طرز گفتگو رنگ رو آنکھ کی تری ہونٹ کی خشکی دِل کی دھڑک کلیجے کی پھڑک سے کہ یہ نشان عشق گمان خبط سب ہیں ثابت ہوا کہ شہزادے کا دل پُرزے پُرزے اور دماغ عقل سے خالی ہوا خیال محال وصال انجمن آرا بھرا سخت نادم و خجل ہوا دِل سے کہا کمبخت زبان نے حسن بیان کے نے غضب کیا منتر کارگر ہوا پڑھا جن سر پہ چڑھا حضرت عشق کا گذر ہوا چاہا کہ بہ لطائف الحیل اِس عزم بے جا سے باز رکھے کہا اے نادان دشمن جان یہ قصد لاحاصل ہے عمداً اس کوچہ میں پاؤں دھر اپنے خون سے ہاتھ نہ بھر بقول مؤلف خدا کو مان نہ لے نام عاشقی کا سرور ؛ کہ منفعت میں بھی اُسکے ہیں سو ضرر پیدا بیان اُس کا محال ہے مگر مختصر سا یہ حال ہے عقل اس کام میں دنگ ہو جاتی ہے وحشت نزدیک آتی ہے لب خشک

چشم تر چہرہ زرد دل خون ہوتا ہے بھوک پیاس مرجاتی ہے خواب میں نیند نہیں آتی ہے جان شیریں تلخ ہو کلیجے میں درد آخر کو جنون ہوتا ہے لخت جگر کھاتا ہے خون دل پیتا ہے مر مر کے جیتا ہے رقیبوں کے طعنوں سے سینہ فگار ہوتا ہے لڑکوں کے پتھروں سے سر گلنار ہوتا ہے دن کو ذلت و خواری شب کو انتظار میں اختر شماری بیقراری سے قرار سب کی نظر میں ذلیل و خوار جنگل میں جی لگتا ہے بستی اجاڑ معلوم ہوتی ہے دربدر پھرنے میں دن تو کٹ جاتا ہے تنہائی کی رات پہاڑ معلوم ہوتی ہے دل جلتا ہے دیدہ سے دریا اُبلتا ہے شجر تمنا بے برگ و بار رہتا ہے پھولتا ہے نہ پھلتا ہے جوانی کا گھن پیری تک اُدھیڑ بن رہتی ہے گونگا بہرا بن جاتا ہے طبیعت سُن رہتی ہے ابھی پہلی بسم اللہ ہے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہو لب پر آہ ہے دیکھا نہ بھالا ہے سینے کے پار عشق کا بھالا ہے آئینہ ہاتھ میں لے منہ تو دیکھو نقشہ کیا ہے معشوق باوفا گوگرد سُرخ لال سپید سے نایاب ہوا ہے کہاں ملتا ہے خاک میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے خواہاں ملتا ہے یہ جو زمانہ میں مشہور با مہر و وفا ہیں بانی صد جور و جفا ہیں عشق کمبخت بے پیر ہے او نوجوان یہی ٹیڑھی کھیر ہے سنا نہیں کوہکن نے جان شیریں کس تلخی سے کھوئی یوسف کی چاہ میں زلیخا نے کیسے کنوئیں جھانکے کیا کیا روئی مجنوں کو اس دشت میں جنون ہوا لیلیٰ کا کیا بگڑا پرویز کا اس کوچے میں خون ہوا شیریں نے کیا کیا افسوس تو یہ ہے کہ اتنا بھی کوئی نہ سمجھا جامی رحمہ اللہ علیہ غم چیزے رگ جاں را خراشد :: کہ گاہے باشد و گاہے نباشد :: ذلت اس کام میں عزت ہے درد کا نام یہاں راحت ہے دل اس کشمکش میں لوٹ جاتا ہے رستم کا اس معرکہ میں جی چھوٹ جاتا ہے اسفندیار سا روئیں تن ہو تو موم کی طرح پگھل کر بہہ جائے حسرت ہی حسرت رہ جائے لوگوں نے ہزاروں رنج و صدمے اس کام میں اٹھائے بعد خرابی بسیار بھی ناتجربہ کار کہلائے لیکن یہ وہ بُرا کام ہے کہ اس میں مشاق اور مبتدی کی رائے ایک سی ہے اس کا آغاز ہے نہ انجام ہے مرض عشق میں کوئی دوست گرفتار نہ ہو مؤلف ع دوست تو دوست ہے دشمن کو یہ آزار نہ ہو

مسدس

کیا میں اس کافرِ بدکیش کا احوال کہوں
زار کر دیتا ہے انسان کو یہ اور زبوں
یہی خونخوار پیا کرتا ہے عاشق کا خوں
رفتہ رفتہ یہی پہونچاتا ہے نوبت بہ جنوں
یہی خونریز تو خونخوار ہے انسانوں کا
دین کھوتا یہی کافر ہے مسلمانوں کا
یہی کرتا ہے ہر اک شخص کو رسوا ظالم
یہی کرتا ہے ہر اک چشم کو دریا ظالم

کوہ دکھلاتا ہے گاہے گہے صحرا ظالم
کیا بتاؤں ہمیں کرتا ہے یہ کیا کیا ظالم

در بدر خاک بسر چاک گریباں کر کے
جان لیتا ہے ولے بے سر و ساماں کر کے

یہی بانیٔ تو زلیخا کی بھی تھا خواری کا
یہی فرہاد کا حامی تھا تبر داری کا
یہی باعث دمن و نل کی ہوا یاری کا
عشق کہیئے نہ اِسے قہر ہے یہ باری کا

تلخ کامی ہوئی شیریں کو اسی سے حاصل
کیے بے پردہ وہ برباد ہزاروں محمل

اس نے مجنوں سے بنائے ہیں بہت دیوانے
گو کہ مشہور جہاں اس کے ہیں سب افسانے
اس نے خود رفتگی میں اپنے کیے بیگانے
پر جو اس کام کا مشّاق ہو وہی جانے

کبھی معشوق کے پردے میں نہاں ہوتا ہے
کبھی سر چڑھ کے یہ عاشق کے عیاں ہوتا ہے

ناقۂ لیلیٰ مضطر کا شتربان یہ تھا
چاہ میں ڈال کے یوسف کا نگہبان یہ تھا
نجد میں قیس سے پہلے ہی حدی خوان یہ تھا
جان ہر شیریں کی لینے کو نیستان یہ تھا

حسن بن جاتا ہے انداز کہیں ناز کہیں
درد دل ہے یہ کہیں سوز کہیں ساز کہیں

مثل فرہاد بہت مر گئے سر پھوڑ حزیں
پاس عذرا کے گیا اور کبھی وامق کے قریں
دی ہے شیریں کی طرح کتنوں نے جانِ شیریں
اس سے آوارہ بچا اور نہ بچا گوشہ نشیں

اس سے ملتا ہے جسے رنج و محن ملتا ہے
گور ملتی ہے کسی کو نہ کفن ملتا ہے

طور کو نور کے جلوے میں جلایا اس نے
جان چھوڑی نہیں جلتا جسے پایا اس نے
کبھی آتش کو ہے گلزار بنایا اس نے
اور نیرنگ جہاں اپنا دکھایا اس نے

کام مردوں سے لیا ندو نکو ناکام رکھا
درد کا نام کبھی بیدرد نے آرام رکھا

اس کے افسانے ہیں دنیا میں بہت طول و طویل
اس کا بیمار پڑا رہتا ہے بستر پہ علیل
جس کا ہمدم یہ ہوا ہو گیا وہ خوار و ذلیل
دھونس دیدے کے بجا دیتا ہے یہ کوس رحیل

رنج و ماتم کے سوا اور یہ کیا دیتا ہے
وصل کی شب سحرِ ہجر دکھا دیتا ہے

یہی اخفا ہے بصد زیب رگِ ہر گل میں
یہی ہے جزو میں گر دیکھو یہی ہے کل میں
سوز و نالہ یہ اسی کا ہے دلِ بلبل میں
گر فرشتہ ہو تو آ جاتا ہے اس کے جل میں

خونِ بے جرم زمانے کا بہاتے دیکھا
میل جنوں پہ کبھی اس کے نہ آتے دیکھا

ایک شمّہ ہے لکھا حال جو میں نے اس کا
دشت غربت میں وہ آوارہ و سرگشتہ ہوا
پاس جیسے یہ گیا خلق سے وہ دور ہوا

جس پہ اس دیو نے الطاف کا سایہ ڈالا
دوست بھی چھوٹتے ہیں شہر بھی چھوٹے اپنا
کونسا شیشۂ دل تھا کہ نہ وہ چور ہوا

ہجر کے رنج میں کتنوں کا ہوا اس میں وصال
اس کی گردش سے ہر اک ماہ ہوا بدر ہلال
زیست کرنا غم ہجراں سے ہے سب کو شاق

لے گئے سینے میں فرقت کا سبھی درد و ملال
کس کی طاقت ہے جو تحریر کرے اس کا حال
جان دیتے ہیں کہہ کہہ کے یہی ہائے فراق"

وصل میں یہ مزہ ہے ہجر کا رنج ولے جانگزا ہے چاہ کنوئیں جھکواتی ہے یہ وہ بیماری ہے جو جان کیسا تھ جاتی ہے ہمیشہ سے اِس کام والے آہ و نالہ بر لب خاک بسر چاک گریباں سب رہے ہیں اگر عاشق کی عزت و توقیر ہوتی تو دنیا میں اس سے بہتر کوئی شے نہ تھی کچھ کچھ ان لوگوں کے مرتبہ شناس قدرداں ہیں مگر ہر جگہ کہاں ہیں اور یہ قصہ جو میں نے کہا فقطیات کی بیچ کا جھگڑا تھا ورنہ کہاں ملک زرنگار کجا شہزادی عالی تبار جانعالم نے کہا استغفراللہ اگر وہ جھوٹ تھا تو یہ فقرہ کب بیچ ہے یہ تو نری کھرپچ ہے سوز خدا ہی کی قسم ناصح نہ مانوں گا کہا اب تو: نہ چھوٹیگا ترے کہنے سے میرا دل لگا اب تو: اسی تقریر میں یہ حال ہوا کہ دل میں درد چہرہ زرد ہونے لگا لب پر آہ سرد گرفتار رنج و تعب عشق کے آثار سب ظاہر ہوئے ضبط کا پردہ درمیان سے اٹھا شور و فغان سے اٹھا جنون پیرامون عقل بے چارہ تو گرفتار سلسلۂ محبت میں اسیر بقول میر ہو گیا میر طبع نے اک جنوں کیا پیدا: اشک نے رنگ خوں کیا پیدا: ہاتھ جانے لگا گریباں تک: چاک کے پاؤں پھیلے داماں تک: بیقراری نے کج ادائی کی: تاب و طاقت نے بے وفائی کی طوطا یہ حال دیکھ کر بہت محجوب ہوا کہ ناحق زنڈی کی کج بحثی سے شہزادے کو مرگ کا مستعد کیا بیٹھے بٹھائے خون بے گناہ اپنی گردن پہ لیا اب اس طرح کا سمجھانا مانع ہونا ابھارنا بھڑکانا بلکہ نرا جلانا ہے گھبرا کر تسکین و تشفی کرنے لگا اور زخم شمشیر عشق کو مژدۂ وصال سے بھرنے لگا کہا آپ ہوش و حواس بجا رکھیے اگر مجھے ایسا سچا جانا کہ میرا جھوٹ سچ مانا اس شرط سے آپ کو لیچلوں گا جو میرا کہا نہ مانو گے زک اٹھاؤ گے دھوکا کھاؤ گے پھر مجھ کو نہ پاؤ گے پچھتاؤ گے جانعالم نے فرمایا اے رہبر کامل رنج کے غمگسار راحت کے شامل تیرے جادۂ اطاعت سے ہرگز قدم باہر نہ دھرونگا

جو تو کہے گا وہی کروں گا مگر جلد حال مفصّل اور بُعد منازل و سمت شہر دوست سے نشان کامل دے وگرنہ یہ دلِ بیتاب خجلت دہ بیقراری سیماب کے قطرۂ خون سے فزوں نہیں تڑپ کر از راہِ چشم نادیدہ روئے دوست نکل جائے گا پھر بجز حسرت و افسوس تیرے ہاتھ کیا آئیگا۔ میر دل تڑپتا ہے متصل میرا ؛ مُرغ بسمل ہے یا کہ دل میرا ؛ طوطے نے کہا اضطراب کا کام خراب ہوتا ہے اتنی جلدی موقوف ہے آج کی رات اس شہر میں کاٹ صبح ادھر کی راہ لیجئے اگر کشش صادق اور طالع بھی موافق ہے انشاء اللہ منزل مقصود کو پہونچیں گے عزم بالجزم درکار ہے اور شہر پناہ پر خانۂ یار ہے جانعالم یہ خوشخبری سنکر بشاش ہوا پھر کہا انشاد: مژدۂ وصل ہے کل رات کی نیت ہو حرام ؛ دے اگر طالع برگشتہ نہ تدبیر الٹ ؛ اُس رات کی بیقراری گریہ و زاری اختر شماری شہزادے کی کیا کہوں ہر گھڑی بحال پریشاں سوئے آسمان مضطر نگراں تھا کہ رات بسر ہو جلد سحر ہو تا عزم سفر ہو اور یہ کہتا تھا سعدی: سعدیا نوبت امشب دہلِ صبح نہ کوفت ؛ یا مگر صبح نباشد شب تنہائی را ؛ آخرش تاثیر دعائے سحری و اثر نالۂ نیم شبی سے ظلمت شب نور روز منور ہوئی وزیر زادے کو باوجود خود فراموشی یاد فرمایا لڑکپن سے تا زمانۂ عشق انجمن آرا اُس سے بھی الفت رکھتا تھا جب وہ حاضر ہوا حکم کیا دو گھوڑے صبا رفتار برق کردار جنکی جھپٹ نسیم تندرو کو گُھندلا ڈالے اُنکے قدم سے کمیت صرصر کی ڈپٹ پاؤں آگے نکالے جلد لا بمجرد ارشاد اصطبل خاص میں جا گھوڑے لایا کچھ اسباب ضروری وہ بھی مجبوری لیکے وہ دونو خستہ تن بقول میر حسن چل نکلے میر حسن

نہ سُدھ بُدھ کی لی اور نہ منگل کی لی	نکل شہر سے راہ جنگل کی لی

پہلا سفر عازم شہر دلدار کا مع وزیر زادہ اور رہبر ہونے طوطے کا ہرن کا ملنا اور تفرقہ باہم کا ملاقات مرشد کامل کی پھر حوض میں کودنا شہزادے کا طلسم کی گرفتاری جانعالم کی بیقراری پھر بدولت نقش سلیمانی رہائی پائی۔

بادیہ پیمایان مراحل محبت و صحرا نوردانِ منازل مؤدت رہ روان دشت اشتیاق و طے کنندگان جادہ و فراق مسافران بار ناکامی بر دوش بجز راہ کوچۂ یار دین و دنیا فراموش عشق سر پر سوار خود پیادہ زیست سے دل سیر مرگ کے آمادہ لکھتے ہیں کہ جب باین ہیئت کذائی وہ پروردۂ دامن ناز و آغوش شاہی گھر سے نکلا اور در شہر پناہ پر پہونچا پھر کر عمارات سلطانی شہر کی آبادانی دیکھ آہ سرد کھینچی غریب الوطنی پر

کمر حسرت کی اور فراق یاران وطن میں دل کھول کے خوب رویا پھر فاتحۂ خیر پڑھ کر آگے بڑھ طوطے
کو پنجرے سے کھول دیا گھوڑوں پر شہزادہ اور وزیر زادہ سمند صبا پر میاں مٹھو پیادہ نیا دانہ کھاتے
نیا پانی پیتے روانہ ہوتے بعد طے منازل و قطع مراحل اُن کا گذر ایک دشت عجیب صحرائے غربت میں
ہوا ہر تختہ جنگل کا بروش باغ تھا جو پھول پھل تازہ کن دل معطر نمائے دماغ تھا جہاں تک پیک نگاہ
جاتا بجز گل ہائے رنگین و یاسمین و نسرین اور کچھ نظر نہ آتا شہزادہ شگفتہ خاطری سے صناعی باغبان
قضا و قدر کی دیکھتا جاتا تھا ناگاہ ایک سمت سے دو ہرن برق وش صبا کردار شبک چُست تیز رفتار
سامنے آئے زربفت کی جھولیں پڑیں جڑاؤ سنگوٹیاں جڑیں گلے میں مغرق ہیکلیں مثل طاؤس ان طناز عربدہ
ساز سرگرم خرام ناز چھم چھم کرتے چوکڑیاں بھرتے جانعالم بے چین ہوا وزیر زادے سے کہا کسی طرح انکو جیتا گرفتار
کیجئے اس سعی میں گھوڑے ڈالے یا تو وہ اپنی وضع پر چلے جاتے تھے جب گھوڑوں کی آمد دیکھی سنبھل کنوتیاں بدل
چوکڑی با جست و خیز بھرنے لگے اُنہوں نے گھوڑے ڈپٹائے اُنکے گھوڑے دوڑانا وہ طائر فرزانہ چوکڑی
بھول کے پکارا ہاں ہاں اے نوجوان کیا غضب کرتا ہے یہ دشت پر سحر ہے بیہودہ کیوں قدم دھرتا
ہے ہر چند پکارا سر دے مارا مگر سنتے ہیں کسی نے نہ سُنا طوطے نے لاکھ سر دھنا آخر مجبور ایک
درخت پر بیٹھ رہا وہ چلے گئے دو چار کوس دونوں ہرن ساتھ بھاگے پھر ایک اور سمت دوسرا
اور طرف چلا ایک کے ساتھ شہزادہ دوسرے کے تعاقب میں وزیر زادہ یہ بھی جدا ہوئے

تصویر جانعالم مع وزیر زادہ اور دو ہرن بھاگتے ہوئے اور طوطا بالائے سر تران



القصہ تا غروب آفتاب وہ شمع بزم سلطنت گھوڑا بگٹٹ پھینکے گیا وفعتہً ہرن نظر سے غائب ہوا
اُس نے باگ روکی گھوڑا عرق عرق خود پسینے میں غرق سر سے پا تک بحال مضطر حیران و پریشان
دیکھا تو نہ وزیرزادہ نہ طوطا آپ یا دشت پرخطر گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا بوئے انسان حیوان
مشام جان تک نہ آئی طبیعت سخت گھبرائی جب کسی کو نہ دیکھا یہ کہا شعر اڑے یہ ترنگ دانی
کی کیا جسنے مجھ کو جلا وطن ؛ ہوا ایسا پیش ازیں کاہیکو میں نکل کے گھر سے خراب تھا ؛ اور کبھی یاد
یاران ہمراہی جی میں آتی تو یہ شعر دردناک میر سوزؔ بادل صد چاک آہ جگر دوز پڑھتا میر سوزؔ
کہیو اے بادِ صبا بچھڑے ہوئے یاروں کو ؛ راہ ملتی ہی نہیں دشت کے آواروں کو ؛ کچھ آگے
بڑھا چشمۂ آب نظر پڑا گھوڑے سے کودا ہاتھ منہ دھویا اپنی تنہائی پر خوب رویا اسی حال
گریہ و زاری میں دست دعا بجناب باری اٹھا کر پکارا کہ اے کسِ بیکساں و اے مددگار رہِ
گم کردگان مجھ خستہ و پریشان دور از یار انکی رہبری کو تیرے بھروسے پر سلطنت کو خاک میں
ملا گھر سے ہاتھ اٹھا آوارہ صحرائے غربت مبتلائے رنج و مصیبت ہوا ہوں لا اعلم نہ مونسے رفیقے نہ ہمدمے
دارم ؛ حدیث دل بکہ گویم عجب غمی دارم ؛ تیری ذات ہے یا یہ جنگل وحشت انگیز بلاخیز جہاں بوئے
عمرانات نہیں آتی یہ کہکے زار زار مانند ابر نوبہار رونے لگا فریاد و زاری تڑپ پھڑک اُسکی بدرگاہ مجیب الدعوات قبول
ہوئی تیر دعا ہدف اجابت سے لب معشوق ہوا ایک پیر مرد سفید ڈاڑھی والے سبز عمامہ سر پر عبائے عنابی کندھے پر ڈالے

تصویر شہزادے کا چشمہ پر بیٹھنا اور پیر مرد کا وہاں آنا



ہاتھ میں عصا خضر صورت بزرگ سیرت پارسا وارد ہو، پکارا السلام علیک اے نوبادۂ چمن سلطنت
وائے گرفتار محنت و محبت شہزادے نے آنسو پونچھ سلام کا جواب دیا پیر مرد نے فرمایا اے عزیز کیا
حاجت رکھتا ہے بیان کر یہ سُنکے ایسا خوش ہوا کہ رنج راہ بھولنے کا بھولا وزیر زادہ اور طوطے
کی جدائی بھی یاد نہ آئی کہا آپ کو قسم اُسی کی جس نے میری رہبری کو بھیجا ہے جلد نشان ملک زرنگار کا
دکھا دیجئے یا درِ دلدار تک پہونچا دیجئے وہ ستودہ صفات ہنسا اور کہا اللہ ری بیخودی ابھی بلائے
ناگہانی آفتِ آسمانی جس میں آپ پھنسے ہیں اُس سے نجات نہیں پائی معشوقہ یاد آئی جانعالم نے کہا
کوئی آفت و ستم و بلا ہجر جاناں اور مفارقت دوست سے سوا نہیں ہے میر سوز نہ لگے دردِ جدائی کو
قیامت کا رنج ؛ روزِ محشر کو نہ میری شبِ ہجراں سے ملا ؛ اُس صاف باطن نے فرمایا صاحبزادے
یہ صحرائے غضب دشت پر تعب ہے ہر تختہ اس کا دامِ ستم گل اور بوٹا زخار غم و الم ہے یہاں کا پھنسا الجھا حشر
تک نہیں چھوٹتا یہ سب کارخانہ طلسم ہے شہزادے نے کہا ہم بحر محبت میں گرفتار ہیں ہمیں جینا مرنے
سے فزوں ہے دل کا حال دگرگوں ہے شیفتہ ہمیشہ آگ نکلتی ہے مرے سینے سے ؛ الٰہی
موت دے گذرا میں ایسے جینے سے ؛ اس کریم النفس کو اُسکے حال پر رحم آیا فرمایا بدحواس ہو
نظر بخدا رکھ کہ وہ چارہ ساز عالمین جامع المتفرقین ہے شہزادے نے کہا فی الحقیقت مگر برائے خدا
ایک نظر ملک زرنگار اور وہ معشوقہ طرحدار اگر نظر آئے جان نثار ہو جائے زیست کا کیا اعتبار ہے
مرگ ہر دم ہمکنار ہے حسرتِ دید تو نکل جائے اس خدا پرست نے فرمایا کہ آنکھ بند کر پلک سے پلک
شہزادے کی لگی ملک زرنگار میں گذر ہوا اور صورت اس حور کردار کی نظر پڑی بجز دنگاہ دل سے
آہ کی بیہوشی ساری غشی طاری ہوئی مرد نیک رگ نے سمجھایا اس امر لاطائل سے کیا حاصل زندگی درکار
ہے ایک روز دوست بھی ہمکنار ہے سمجھانے سے اتنی تسکین ہوئی کہ آنکھ کھولی رات ہو گئی تھی پیر مرد
نے کچھ کھلا لبِ چشمہ سُلایا جس وقت اُفق چرخ سے راہ گم کردہ مسافر مغرب یعنی آفتاب عالم تاب
جلوہ افروز ہو کر حصہ چہارم آسمان پر آیا شہزادے کی آنکھ کھلی وہاں آپ کو پایا جہاں سے ہرن
کے پیچھے گھوڑا اٹھایا تھا سجدۂ شکر ادا کر سرگرم راہِ دوست ہوا راہ کا پتا اس رہبر خیل سبز پوشان
سے پوچھ لیا تھا قدم بڑھایا جاتے جاتے ایک روز آفتاب کی تمازت بدرجہ اتم تھی پیاس کی
شدت ہوئی آب وہاں گوہر نایاب تھا خضر تک اُس دشت میں لاعلاج پانی کا محتاج تھا

زبان میں کانٹے پڑے ریتا کی گرمی سے تلوے جلتے تھے دوگام قدم نہ چلتے تھے لون کا شعلہ یہ سرگرم
آزار جگر سوختگان تھا کہ پرندے پتوں میں منہ چھپاتے تھے درندے نظر نہ آتے تھے دشت کرہ آہنگران
تھا ہر طرف شعلہ جوالہ دوان تھا ریگ صحرا کیفیت دریا دکھاتی تھی پیاسوں کی دوڑ
دھوپ میں جان جاتی تھی صدائے زاغ وزغن سے سناٹا دھوپ کا تڑاقا دشت کا پتھر تپنے
سے انگارہ تھا جانور ہر ایک پیاس کا مارا تھا وہ تابش شمس جس سے ہرن کالا ہو نمکورہ سے زبان
میں چھالا ہو باد سموم سے وحشیوں کے منہ پر سیہ تاب تھا لون سے گاؤ زمین کا جگر کباب تھا
مچھلیاں پانی میں گھلتی تھیں جل جل کر کنارے پر سر دھنتی تھیں سرطان فلک جلتا تھا کیکڑا لب
دریا ابلتا تھا ایسے موسم کے سفر میں مفر کیونکر ہو مسافر خواب میں براتے چلو بھر پانی دو درخت خشک
سوکھے پتے کھڑکھڑاتے تھے جانور پر کھولے پھڑپھڑاتے تھے چارپائے ایک سمت ہانپتے تھے
گرمی کے خوف سے کانپتے تھے یہ حالت مستولی تھی کہ دوستوں کی گرمی سے جی جلتا تھا مسافر وہم یا گمان سے
راہ نہ چلتا تھا خورشید حشر کی طرح آفتاب تابان تھا صحرائے قیامت دہ بیان تھا اسی حال خراب میں شہزادہ
سرگشتہ دل برشتہ حیران و پریشان ایک درخت گنجان سایہ دار دیکھ کر آیا تو وہاں حوض مصفا پانی سے ملبب بھرا پایا پانی
دیکھ کر جان رفتہ تن میں آئی آنکھوں نے لہروں سے ٹھنڈک پائی گھوڑے سے اترا پانی پینے کو جھکا چرخ نے نیرنگی دکھائی

تصویر جانعالم کے حوض میں کودنے کی



وہی معشوقۂ مرغوبہ مطلوبہ جس کے میل تلاش میں غریقِ محیطِ الم گرفتارِ طعمۂ نہنگِ عشق یکہ و تنہا پھرتا تھا
حوض میں نظر آئی آنکھ چار ہوتے ہی وہ بولی اے شناورِ بحرِ محبت والے غواصِ چشمۂ الفت دیدہ سے
تیری منتظر تھی الحمدللہ تو جلد پہونچا تامل نہ کر کود پڑ اُسے تو وہ آنکھ بند کرنے کا نقشہ ہر پل مدِ نظر تھا
بے تامل نہنگِ آفت کے منہ میں کود پڑا از لیست سے سیراب ہو کر یہ کہتا شعر کود اکوئی یوں گھر میں ترے
دھم سے نہ ہوگا ؛ جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہوگا ؛ کودتے ہی سر تلے ٹانگیں اوپر غلطاں پیچاں
تحت الثریٰ کو چلا گھڑی بھر میں پاؤں تہ کو لگا آنکھ کھولی نہ حوض نظر آیا نہ اُس درِ شہوار کو
پایا مگر صحرائے لق و دق جیسے دیکھ رستم و اسفندیار کا رنگ فق ہو دیکھا اس وقت سمجھا یہ دوسری
زک اُٹھائی طوطے کی بات آگے آئی ع واے بر باد گرفتاری ما ؛ یہ کہہ کر آگے چلا دور سے
چار دیواری معلوم ہوئی جب قریب آیا باغ و عمارت مفصّل دیکھی درِ باغ لبِ نان آغوشش
مشتاق وا سر دہر و ہوا یہ تو گرمی کا مارا تھا بے تکلّف قدم اندر رکھا باغ میں آیا قطعہ دلچسپ پایا
تختہ بندی معقول پیٹریاں خوش قطع خوبصورت پھول روشیں صاف نہریں شفاف چشمے ہر سمت جاری تیاری
درختوں پر جانوران نغمہ سرا برگ و بارِ گل سے بالکل باغ بھرا باغبانیاں پری وش ہر روش پر بروِشش
دلبری خراماں شاخوں پر بلبلیں غزلخواں بیچ میں بارہ دری عالیشان سب تکلّف کا سامان اُس کے
متصل چبوترہ سنگِ مرمر کا بادلے کا سائبان کھنچا مسند مغرق بچھی ایک عورت خوبصورت عجیب آن
بان سے بیٹھی خواصین گرد و پیش وہ مغرورِ حُسن و جمال خویش شہزادے کو دیکھ کر ایک خواص پکاری
اے صاحب تم کون ہو جان نہ پہچان بے دھڑک پرائے مکان میں چلے آئے یہ تو زلیست سے
بیزار مرگ کا طلبگار تھا اسے جواب نہ دیا بے تامل مسند پر برابر جا بیٹھا یہ شعر پڑھتا تھا
استاد پھر بیٹھے ہم دو زانو وضع مؤدب اُس سے ؛ وضعی جو تھا تو ہم کو داب ادب نہ آیا ؛
وہ تو فریفتۂ قدیم تھی ہنس کے چپکی ہو رہی پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں شہزادہ متحیر باغ
کو دیکھ رہا تھا جو پیڑ تھا پر دار جانور کی صورت پھل لگے پھول پر بہار آپس میں سرگرم گفتار
جس میوے پر رغبت ہو اُس درخت کا جانور سامنے آ رقص کرے پھل بے ہاتھ لگائے
منہ کے پاس آئے جتنا اُسے کھاؤ ثابت پاؤ جب طبیعت سیر ہو اُسے درخت میں دیکھ لو
یہ حرکتیں اُس کی خواصین شہزادے کے دکھانے کو درپردہ ڈرانے کو کرتی تھیں اس قرینے سے

جانعالم کو یقین ہوا کہ سب جادو کا ڈھکوسلا ہے پیر مرد سچ فرماتا تھا افسوس بُرے پھنسے یہ
تو ان خیالوں میں تھا اُس نے مکرر پوچھا شہزادے نے جواب دیا کہ ہمارا آنا جانا تمہیں خوب
جانتی ہوا جنبی ہیں لیکن تم پہچانتی ہو وہ مسکرائی خواصوں سے کہا آپ مہمان ہیں مروّت شرط
ہے انہوں نے کچھ اشارہ کیا کشتیاں شراب کی قابیں گزک وکباب کی مع جام وصراحی خود
بخود آئیں اور مینائے بے زبان پنبہ دہان رقصاں یہ بولی حافظ اگر شراب خوری جرعہ
فشاں بر خاک ؂ ازاں گناہ کہ نفعی رسد بغیر چہ باک ؂ پھر دفعتاً جام لبریز بریز بریز کہتا خندہ
زناں جانعالم کے قریب آکر بولا حافظ بنوش بادہ کہ ایام غم نخواہد ماند ؂ چناں نماند و چنیں
نیز ہم نخواہد ماند ؂ شہزادے نے انکار میں مصلحت نہ دیکھی ڈرا کہ اگر عذر کروں اور اسی طرح
شراب حلق میں اترے تو کیا لطف رہے یہ کہا لا اعلم بالسے ہے لطف مے کا آہ بیہودہ نہو ؂
یہ کوئی صحبت ہے ساقی واہ بیہودہ نہو ؂ پھر اُس جام کو ناکام ہاتھ میں لے کر لہو کے سے گھونٹ
گلا گھونٹ گھونٹ پیئے وہ دور بے سر انجام بہ آلام گردش میں آیا جب دو چار ساغر متواتر

تصویر اختلاط جانعالم اور جادوگرنی کی مع سامان مسہری



جادوگرنی نے پئے کاسۂ دماغ عقل سے دور ولولہ مستی سے معمور ہوا چھیڑ چھاڑ کرنے لگی شہزادہ
اس کا اختلاط کج بحثی سے بدتر جانتا تھا مجبور گردش گردون دون دیکھ کر سرنگون ہو کچھ ہاں
ہوں کر دیتا سچ ہے جسے جی پیار کرتا ہے اُس کی گالی بدرجہا بوس وکنار سے زیادہ مزہ دیتی ہے
اسی صحبت میں آدھی رات گذری خاصہ طلب کیا دو چار نوالے جانعالم نے بجبر پانی کے سہارے
اُگل اُگل حلق کے نیچے اُتارے اُس مُربھکی نے قرار واقعی ہتھے مالے کھانا زہر مار کر شہزادے
کا ہاتھ پکڑ بارہ دری میں لے گئی جواہر نگار مسہری پر بٹھایا ایک تو شراب کا نشہ دوسرے عالم تنہائی
بیٹھتے ہی شرم وحجاب کا پردہ اُٹھا لیٹ گئی وہ سرکا پھر تو خفیف ہو کر بولی تُو نے سُنا ہوگا شہپال
جادو شہنشاہ ساحران جہاں فخری سامری وجیپال کا نام میں اُس کی بیٹی ہوں تمام باغ بلکہ
نواح اس کا سب سحر کا بنا ہے برسوں سے تیری فریفتہ اور شیدا ہوں بتمنائے وصال خراب حال
جیتی تھی بجز لخت جگر اور خون دل کچھ نہ کھاتی نہ پیتی تھی آج لات ومنات کی مدد سے تو میرے
اختیار میں آیا دل کا مطلب بھر پایا جس چیز کا شائق وطلب گار ہو جو شے تجھے درکار ہو بجز ملاقات
انجمن آرا جہان کا سامان مہیا ہے بشرط اطاعت واظہار محبت جانعالم پہلے ڈرا پھر جی مضبوط کر
کے بولا یہ سب سچ ہے جو تو نے کہا مگر تیری تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ تو راہ ورسم محبت سے آشنا
ہے نوش وصل نیش فصل کا مزہ چکھا ہے انصاف کر جس کے واسطے خانماں آوارۂ غربت کا مارا
سرگرداں ہوا ہوں تو اسی کے نام کی دشمن ہے میں تیری دوستی پر کیونکر اعتماد کروں دنیا میں تین طرح
کے دشمن ہوتے ہیں ایک تو وہ جو صریح اپنا عدو ہو دوسرا دشمن کا دوست تیسرا دوست کا دشمن
یہ سب سے برا ہے اُس سے کنارہ اچھا ہے یا یہی شرط محبت ہے کہ ایک شخص کا نام خراب کرکے
جہاں آسائش ملے وہاں بیٹھ رہے فکر سلطنت جستجوئے دولت میں سر بسر انہیں ہوا ہوں جو تیرے
جاہ وثروت پر اکتفا کروں تجھے معلوم ہوگا اللہ کی عنایت سے گھر کی سلطنت حکومت کرنے کو کافی
تھی مگر میرا تو یہ حال ہے میر تقی ایک مُدّت پائے چنار رہے ایک مدّت گلخن تابی کی ؏ برسوں ہوئے
ہیں گھر سے نکلے عشق نے خانہ خرابی کی ؏ یہ سُنکے وہ کھسیانی کتیا سی جھنجھلائی کہا قدرت سحر
میری سُن لے مغرب ومشرق کا فاصلہ گردش چشم ہے زرنگار جانا کیا لشم ہے ادھر پلک جھپکائی
اتنے عرصے میں زرنگار گئی اور آئی خیر اگر میری ہم صحبتی کریہ جانتا ہے تیری اُمید بھی قطع کر دیتی ہوں

ابھی انجمن آرا کو لاتیرے روبرو جلا اپنا دل ٹھنڈا کرتی ہوں جانعالم بدحواس ہوا کہ رنڈی کے غصّے سے ڈرا چاہیے سخت غضب میں گرفتار ہوئے انکار میں قتل معشوق مدِ نظر اور اقرار کرنے میں اپنی جان کا ضرر دونوں طرح مشکل ہے حیران ہو مآل کار سوچنے لگا منہ نوچنے لگا۔ واقعی یہ مقدمہ بہت بیچدار ہے جس پر گذرا ہو وہ جانے دل کا یہ حال ہوتا ہے جدھر آیا جس سے پھر اپھرا اور یہ کہا عذاب عظیم ہے فراق محبوب وصال نامرغوب آخر کار شہزادے کو بجز اطاعت مصلحت نہ بن پڑی دل کو تسکین دیکر کہا اگر اس سے موافقت کروگے انجمن آرا کی اور اپنی زندگی ہوگی خالق رحمۃ للعالمین جامع المتفرقین ہے کوئی صورت نکل آئیگی کہ اس بلا سے رہائی دریدِ دلدار تک رسائی ہوجائیگی الاحیاء شرط ہے یہ خیال کر ساحرہ سے کہا ظالم ہم تیرا جی دیکھتے تھے ہم نے سُنا تھا کہ عاشق معشوق کے ناز بردار ہوتے ہیں مگر یہ جھوٹ تھا دھمکاتے ہیں ڈراتے ہیں عاشقی میں حکومت کسی نے کانوں سے نہ سُنی ہوگی ہم نے آنکھوں سے دیکھی توبہ نہ سمجھی ایسا کون احمق ہوگا جو تجھ سا معشوق عاشق حصال اور یہ سلطنت لازوال چھوڑ کے امر نادیدہ کی جستجو کرے اُمید موہوم پر جنگل جنگل ڈھونڈتا پھرے یہ فقط اختلاط تھا یہ کہہ کے گردن میں ہاتھ ڈال دیا وہ قحبہ تو انار کھولے بیٹھی تھی لپٹ گئی ناچار باخاطر افکار اُس تیرہ بخت کا منہ کالا کر ہاتھ منہ دھو اُسکے ساتھ سو رہا وہ مُردار بدمست لیٹتے ہی جہنم واصل ہوئی یہاں نیند کہاں جی سینے میں بیقرار پہلو میں وہ خار ہر دم آہ سرد دل پر درد سے بلند چشمہ چشم جاری فریاد وزاری دوچند جگر میں سوز فراق نہاں لب پر درد نہاں عیاں یہ رباعی بزبان حال کہ کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے ؛ کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے ؛ ہماری یہ شب کیسی شب ہے الٰہی ؛ نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے ؛ مگر جب وہ کروٹ لیتی اُس کی جان نکلتی خوف سے دم بخود ہو جاتا جھوٹ موٹ سو جاتا اسی حال سے بہزار خرابی و مشاہدہ بیتابی جانعالم گریبان سحر چاک ہوا جب دو گھڑی اُٹھی شہزادے کو حمام میں لے گئی وہاں اور عجائبات سحر دکھائے نہا کر دونوں باہر آئے خاصہ چنا گیا بعد فراغت صحبت طعام اُس نے یہ کلام کیا کہ میرا معمول ہے اس وقت سے پہر دن رہے تک شہپال کے دربار میں رہتی ہوں تیری اجازت پاؤں تو جاؤں جانعالم نے دل میں کہا للہ الحمد جو دم تیری صورت پر کدورت نہ دکھائی دے غنیمت ہے مگر ظاہر میں زمانہ سازی سے کہا فرقت گوارا نہیں رو گئے کا یارا نہیں جس طور بنے جلد آنا ساحرہ اس کلمہ سے بہت خوش ہو چل نکلی اُس کے جاتے ہی باغ سنسان ویران

وحشت انگیز ہو کا مکان ہوا تھا شہزادہ با خیال دلبر ہجر تو بے تکلف ہو کر جی کھول کر رویا میر غم
دل کو زبان پر لایا ؎ آفت تازہ جان پر لایا ؛ کہا ہم سا بھی بدنصیب دور از حبیب دوسرا نہ ہوگا جس کا
یار نہ مددگار کس سے دل کا درد کہیئے تا تسکین ہو صحبت ان کی ملی ہے جنہیں دیکھ چپ ہو رہیئے کہ عشق اور کا
نہ انکے ذہن نشین ہو ایک جانور جو ہمدم تھا یوں اڑا دوسرا وزیرزادہ جو لڑکپن سے جاں نثار اور یا ور تھا
وہ یوں چھٹا ہوش سوائے اندوہ و یاس حرماں ہوا نہ حاصل جہاں سے ہمکو ؎ اٹھائیں کاندھے پہ بار ہستی سفر ہے بہتر
یہاں سے ہمکو ؛ اسی سوچ میں چھ گھڑی دن باقی رہا جادوگرنی چمکی چمکاتی آئی جانعالم کو اسکی صورت دیکھ کر
رونا آیا لیکن ڈر کے مارے جو ہنسنے لگا نالہ گلے میں پھنسنے لگا پھر وہی اکل و شرب کا چرچا مچا جب نصف شب
گذری تو وہ سو رہی ان کو بیداری اختر شماری نصیب ہوئی فرد شاہد رہیو تو اے شب ہجر ؛ جھپکی
نہیں آنکھ مصحفی کی ؛ اسی انداز سے دو مہینے گذرے جانعالم کا روز کی کوفت سے یہ عالم ہوا
کہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا بدن ڈھانچہ ہو گیا استاد ہوں کاہ سے کاہیدہ بس زار اسے کہتے ہیں ؛
عیسیٰ سے نہ ہو اچھا بیمار اسے کہتے ہیں ؛ بن ہاتھ لگے دس کے جا سے نہیں ہلتا ہیں ؛ لاغر اسے کہتے
ہیں تیار اسے کہتے ہیں ؛ تصویر مرقع ہوں سکتہ کا سا عالم ہے ؛ جنبش ہی نہیں نقش دیوار اسے
کہتے ہیں ؛ قضارا ایک روز وقت رخصت ساحرہ بولی جانعالم تیری تنہائی کا اکثر خیال بلکہ مجھے
ملال رہتا ہے تو اکیلا تمام دن گھبراتا ہوگا باغ خالی کاٹے کھاتا ہوگا مجبور ہوں کوئی تیرے دل
بہلانے کی گون نہیں جسے چھوڑ جاؤں یہ رنڈیاں بدسلیقہ ہیں ان کو کہاں تک آدمیت سکھاؤں ہنوز
انہیں نشست و برخواست کا قرینہ نہیں آیا ان سے تو اور برخاستہ خاطر ہوگا شہزادے نے کہا ہم
کیا گھبرائیں گے تنہا پیدا ہوئے تمام عمر اکیلے رہے ہماری قسمت میں دوسرا لکھا نہیں ہم صحبت ہمارا خدا نے
خلق کیا نہیں لیکن یہ اندیشہ ہمیشہ رہتا ہے کوئی ہمیں مار ڈالے تو دن بھر مفت مٹی خراب رہے تم سے کون جا
کر کہے ہنسنے کی جا ہے رونیوالا ناپیدا ہے وہ بولی یہ مکان طلسم ہے باد مخالف کا گذر محال ہے تیرا کدھر خیال
ہے شہزادے نے کہا اگر کوئی جادوگر یہ قصد کرے اسے کون روکے وہ فریفتہ لشدت تھی بند ہو تی وہم یہ
ہوا کہ میرے بعد کوئی جادوگرنی آئے اور اس پر عاشق ہو جائے مار ڈالا گیا یہاں سے لے اڑے تو تو
کہاں ہے پائے سب محنت برباد ہو جائے فرط محبت انتہائے لفت میں انجام کار نہ سوچی بے تامل نقش سلیمانی صندوق
سے نکال اس کے بازو پر باندھا کہا اب نہ تاثیر سحر نہ دیو کا گذر نہ پری سے ضرر ہوگا

دل کا کھٹکا مٹا مزے اڑا یہ کہکے وہ تو بدستور چلی گئی جانعالم کے سر پر خرابی آئی وہی بلبلانا سوز مچانا باغ کو سر پہ اٹھانا اور گاہ انجمن آرا کے تصور سے یہ کہنا مؤلف لکھا ہوا یہی قسمت کا تھا سو جان ملا ؛ کہ میری خاک میں محنت دے آسمان ملا ؛ ہزار صدمے یہ دل نے ہمارے اف بھی نہ کی ؛ جو اک رفیق ملا وہ بھی بے زبان ملا ؛ نہ ہم نے چین بزیر فلک کبھی پایا ؛ عنایت ازلی سے عجب مکان ملا ؛ تری تلاش میں در در بھٹکتے پھرتے ہیں ؛ ملا نہ تو ہی جو جوتی سے گو جہان ملا ؛ نہ کہہ تو پیر فلک پہ کہیگی ساری خلق ؛ کہ خاک میں ترے جوروں سے کیا جوان ملا ؛ بہت جہان کی کی سیر اے سرور حزیں ؛ یہ بے خزاں نہ ہمیں کوئی بوستان ملا ؛ ایک دن عالم تنہائی میں جانعالم کو یہ خیال آیا کہ اس نقش کی تعریف اس نے بہت کی تھی کھولو تو شاید عقدہ کار بستہ کھلے یہ سوچ کے اسے کھولا اس کا یہ نقشہ تھا لبست در لبست کا نقش ہر خانے میں اسمائے الٰہی مع ترکیب و تاثیر تحریر تھے دیکھتے دیکھتے خانہ مطلب میں نظر پڑی لکھا تھا کہ کوئی شخص کسی ساحر کی قید میں اگر ہو یہ اسم پڑھے نجات پائے یا مکان طلسم میں پھنسا ہو اسے پڑھتا جدھر چاہے چلا جائے اور جو کوئی سحر کرتا ہو اس پر دم کر پھونکدے اسی دم اسکی برکت سے ساحر کو پھونکدے یہ سانحہ اس میں دیکھ کے قریب تھا کہ شہزادے کو شادی مرگ ہو جلد جلد وہ سب اسم یاد کر نقش بازو پر باندھا اس عرصہ میں جادوگرنی موجود ہوئی جانعالم کے تیور برے دیکھے پوچھا آج مزاج کیسا ہے وہ بولا الحمد للہ بہت اچھا ہے دیر سے ترا منتظر تھا لے تجھے شیطان علیہ اللعن کو سونپا ہمارا اللہ نگہبان ہے یہ سنتے ہی روح قالب سے نکل گئی سمجھی پیچ پڑا جانعالم چل نکلا سحر سے روکنے لگی تاثیر نہ کی سر پیٹ کر کہا سعدی کس نیاموخت علم تیر از من ؛ کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد ؛ یہ کہہ کر ناریل زمین پر مارا وہ پھٹا ہزارہا اژدہا شعلہ فشان پیدا ہوا شہزادے نے کچھ پڑھا وہ سب پانی ہو گئے فانی ہو گئے پھر تو منت کرنے لگی پاؤں پر سر دھرنے لگی جادوگرنیاں سمجھانے لگیں کہ یہ شرط مروت نہیں جو اپنا والہ و شیدا ہو اس سے دغا کیجیے شہزادے نے کہا گریبان منہ میں ڈالو سوچو تو ہم بھی کسی کے عشق میں عزیزوں سے جدا مصیبت کے مبتلا سر بصحرا ہوئے تھے ہمیں جبر سے قید کیا ہزار طرح کا الم مفارقت دیا یہ احسان کچھ کم ہے ہم نے طلسم درہم برہم نہ کیا وہ بھی یہ نہ سمجھی کہ لگا تماشقی کام نصیحت و پند و قید و بند سے نہیں ہوتا اور جبر کا کام حباب آسا ناپائیدار ہے اس کا کیا اعتبار ہے حسن سدا ناؤ کاغذ کی چلتی نہیں ؛

اور یہ قضیۂ اتفاق ہے ع ہر روز عید نیست کہ حلوہ خورد کسے ؞ حسن کبھی یوں بھی ہے گردش روزگار
؞ کہ معشوق عاشق کے ہوا اختیار ؞ لیکن سوچ تو لاکھ طرح کا راحت و آرام ہو جو جی لگے تو کیا کرے
استاد دولت کونین حاصل ہو تو اٹھ کے لات مارے ؞ پھر نہیں لگتا ہے جی جس جا سے ہو جس کا اچاٹ
الغرض وہ سر پیٹتی رہی جان عالم نے بہ برکت اسمائے الٰہی اس طلسم سے رہائی پائی اپنی راہ
لی چند روز میں پھر اس حوض پہ وارد ہوا دیکھا اسپ وفادار پتھر سے سر مار مار مر گیا
تھا اس کی لاش دیکھ دل پاش پاش ہوا خوب رویا اب اور رنج پیادہ پائی کا قدمبوس ہوا
سبحان اللہ کہاں وہ شہزادہ پروردہ ناز و نعم کہاں یہ سفر پیادہ پائی کا دور و دراز تنہائی کا درد و الم
ہر قدم خار ہر گام آزار مگر تصویر یار پیش نظر ہر قطرۂ اشک میں سو سو لخت جگر آہ و نالہ ورد زبان یہ شعر ہر ساعت
بر زبان ناسخ مانع صحرا نوردی پاؤں کی ایذا نہیں ؞ دل دکھا دیتا ہے لیکن ٹوٹ جانا خار کا ؞ کیوں آج کل
آسمان کو رات و دن ہیں ناتوان ؞ آبلے کی شکل اس میں مجھ میں عالم خار کا ؞ رنگ رونق دل میں قلق
سینہ فگار پا آبلہ دار چھاتی غم دوری سے شق کبھی حکایت شکایت بیزار گاہ یہ غزل مؤلف کی درد آمیز
پڑھتا چلا جاتا تھا مؤلف توڑ کر خم اور پٹک کر آج پیمانے کو ہم ؞ سوئے مسجد جاتے ہیں زاہد کے بہکانے
کو ہم ؞ شمع رو محفل میں کب دیں بار پروانے کو ہم ؞ ایک کیڑے سے بھی کیا کچھ کم ہیں جل جانے کو ہم
؞ خواب سا کرتے ہیں ہم ایام عشرت کو قیاس ؞ دھیان میں لاتے ہیں جس دم گذرے افسانے کو
ہم ؞ کل تلک تھا جس مکاں میں شمع رویوں کا ہجوم ؞ چھانتے ہیں اب وہاں پہ خاک پروانے
کو ہم ؞ اشک گلگوں کا نشاں چھوٹ کچھ پتہ ملتا نہیں ؞ جب خزاں میں ڈھونڈتے ہیں
اپنے کاشانے کو ہم ؞ جرم کچھ صیاد کا اپنی اسیری میں نہیں ؞ روتے ہیں کنج قفس میں آب اور
دانے کو ہم ؞ رشک زلف یار سب عقدے ہیں میرے لیے سر دہ ؞ آؤ الجھ اٹھتے ہیں بیٹھیں جب کہ
سلجھانے کو ہم ؞ چشم تر رنگ زرد آہ سرد دل میں درد پاؤں کہیں رکھتا آبلہ پائی سے کہیں اور جا
پڑتا نہ راہ میں بستی نہ گاؤں میں بن نہ سنگ نشان راہ کا سر نہ پاؤں دل صفا منزلیں عزم در
دلدارہ آبلوں کو انس خار سخت بدحواسی تھی کانٹوں کی زبان تلوؤں کے خون کی پیاسی تھی نہ کوچ کی
طاقت نہ یارائے مقام گھبرا کے وہ ناکام یہ کہتا مؤلف بدل دے اور دل اس دل کے بدلے ؞ الٰہی
تو تو رب العالمین ہے ؞ دلہ اور اس پہ نقد جان دیگر بدل لیتا سر و ستہ گر دل پر رنج چڑھ جاتا کسی کا دھیان ہے

اور جب جنون عشق کا ولولہ از حد ہوتا تو سر پکڑ کر روتا اور یہ کہتا ﴿مؤلف﴾ قرار باقی نہیں جان زار بن تیرے ؛ ستا رہا ہے دل بیقرار بن تیرے ؛ گھمنڈ تھا مجھے جن جن کا سب وہ بھاگ گئے ؛ حواس و ہوش و شکیب و قرار بن تیرے ؛ سرور گشتہ محبوب خاک شرح کرے ؛ بسر جو کرتا ہے لیل و نہار بن تیرے خلاصہ کار یہ کہ اسی حال خراب اور دل بیتاب سے ہر روز سرگرم منزل تھا دیدۂ دیدار طلب سے رواں خونابہ دل تھا

رہائی طلسم سے اس گرفتار محبت کی اور پہونچنا وادی فرحناک ہجنس خاشاک میں پھر ملاقات بانی مہر و وفا یعنی ملکہ نگار پرتمکین باوقار سے پیر مرد کا لوح دینا شہزادی کا رستہ لینا

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال ؛ ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال ؛ کہیں آنسو کی یہ سرایت ہے ؛ کہیں یہ خونچکاں حکایت ہے ؛ گہ نمک اسکو داغ کا پایا ؛ گہہ پتنگا چراغ کا پایا ؛ کہیں طالب ہوا کہیں مطلوب اس کی باتیں غرض ہیں دونوں خوب ؛ یہاں سے دشت نوردان وادی سخن جگر افگار غربت زدگان پُر محن سینہ ریش بابائے زخم دار و دل خارخارہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مسافر صحرائے اندوہ و حرمان بے توشہ و زاد راہ ہر روز بادل پرسوز گمراہ بادیہ گردی کرتا نہ جیتا نہ مرتا ایک روز نواح دل کشاد و صحرائے فرح افزا میں گذرا دیکھا کہ باغبان قدرت نے صفحۂ دشت گلہائے مختلف رنگ سے بہشت ہشتم رشک صحن چمن اور بوٹا پتا گھانس کا بہ از گل باغ ارم خجلت دہ نسرین و نسترن بنایا ہے گرد جد دل آب رواں چشمہ ہر ایک چشمۂ حیوان اور لکّہ ہائے ابر نے چھڑکاؤ سے عجب رنگ جمایا ہے نسیم بہار اور درخت گلزار سے میدان رشک ختن و تاتار ہے نہ کہیں گرد ہے نہ غبار ہے درختوں پر فیض ہوا اور ترشح سے سرسبزی کا ہے اور چہک کا جوبن ہے گل خودرو سے جنگل نمونۂ گلشن ہے یہ تو مدتوں کا مسافت دیدہ مسافرت کشیدہ تھا وہ زمین خجستہ آئین بہت پسند آئی دل میں آیا کہ آج کی شب اسی جا سحر کیجئے قدرت حق مدِ نظر کیجئے ایک سمت زمین ہموار درخت گنجان چشمہ ہائے آب رواں دیکھ کر جا بیٹھا جنگل کی کیفیت جی بہلانے والی جانوروں کی اچھل کود کی دیکھا بھالی خوش فعلی کی سیر کلیل میں وحش و طیر لب باس ہر برگ گل کی دھوم دھام طائروں کے غل کی بوٹے پتے کی نشو و نما سرد سرد ہوا ابر سیاہ کہیں گہرا سُرخ و سفید اودی ساو(ن) بھادوں کی گھٹا رعد زور شور سے مے خواروں کو سُنا یہ کہہ رہا ہے ﴿میر سوز﴾ کی فرشتوں کی [illegible] ابر نے بند ؛ جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج ؛ ندیاں نالے چڑھے دریا بڑھے جھیلیں

تالاب لبریز ڈبرے موج خیز پپیہے کا مستوں سے مخاطب ہونا پی پی کہہ آپی جان کھونا کوئل کی کُوکُو اور تُوتُو سے کلیجہ مُنہ کو آتا تھا مور کا شور برق کی چمک رعد کی کڑک ہوا کا زور رنگ دکھاتا تھا شام کا وقت غروب آفتاب کا عالم جانوروں کا درختوں پر بیٹھنا باہم زمین پر فرش زمرّدیں بچھا دھان لہریں لے رہا آسمان میں رنگا رنگ شفق پھولی شام اودھ کی سیر بھولی ایک سمت قوس قزح جسے دھنک کہتے ہیں بہ صد عظمت و شان فلک پہ نمایاں سُرخ سبز زرد دھانی لکیریں عیاں بُلبل کے چہچہے درخت سبز لہلہے کوسوں تک سبزہ زار پھولوں کی بہار کہیں ہرن چرتے کہیں نند سیر کرتے کسی جا طاؤسان طنّاز سرگرم رقص و ناز لب ہر چشمہ آب مرغابی آبی و سُرخاب کبھی نمود ہونا مادہ کا چکور کا ودڑسا بھرنا آہ کا دونوں وقت ملتے اس دبدبہ کی خراش سے دل پاش پاش زخم جگر چھلتے یہ سیر جو ہجر جاناں میں نظر سے گذر جائے کیونکر دل ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو چھاتی بھر نہ آئے اُستاد کا رانگہ کرتی ہے ہر لوبند تن پر یار بن ؛ کیا عجب گر ہوں ہرے داغ جگر برسات میں ؛ قاعدہ ہے جب آدمی کو سامان عیش و نشاط اس طرح کی سیر فرحت و انبساط میسّر ہوتی ہے جسے جی پیار کرتا ہے وہ یاد آتا ہے شہزادے نے مدّت کے بعد یہ فرحت جو پائی یار کی یاد آئی کہا شعر میں وہ نہیں جو کروں سیر بوستاں تنہا ؛ بہشت ہو تو نہ منہ کیجئے باغباں تنہا ؛ اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ ایک طرف سے رنڈیوں کا غول پیدا ہوا یہ دھوکا کھا چکا تھا سنبھل بیٹھا اور اسمائے ردّ سحر پڑھنے لگا بموجب مثل دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے جب وہ آگے بڑھیں غور سے دیکھا چار پانچ سو عورت پریزاد حوروش زرّیں کمر نازک تن سیمبر چُست و چالاک کمسن الھڑ پنے کے دن اچھلتی کودتی پیادہ اور جواہر نگار ہوادار پہ ایک آفتاب محشر سوار گرد پریوں کی قطار تاج مرصّع کج سر پہ لباس شاہانہ پر تکلّف دربر نیمچۂ سلیمانی اُس بلقیس وش کے ہاتھ میں سیماب وشی بات بات میں صید کرنے کی گھات میں بندوق چقماقی طائر خیال گرانے والی برابر رکھی شکار کھیلتی سیر کرتی چلی آتی ہے حسن میں بے مثال کاہش بدر غیرت ہلال مہر حسن برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن ؛ جوانی کی راتیں مرادوں کے دن ؛ طالع بیدار بادر اقبال دمساز غمزہ و عشوہ و انداز و ادا جلو میں آفت جان عاشق سرمایۂ ناز جانعالم نے بہ آواز بلند کہا میر تقی کیا تن نازک ہے جان کو بھی حسد جس تن پہ ہے ؛ کیا بدن کا

تصویر صحرائے پرفضا و جانعالم و ملکہ مہرنگار کا بہ سواری ہوادار جانِ عالم کے پاس آنا



رنگ ہے نہ جس کی پیراہن پہ ہے ؛؛ یہ صدا اہتمام سواری جو آگے آگے کرتی تھیں اُن کے کان
میں پڑی اور نگاہِ جمال جانعالم سے لڑی سب لڑکھڑا کر ٹھٹک گئیں کچھ سکتے کے
عالم میں سہم کر جھجک گئیں کچھ بولیں ان درختوں سے چاند نے کھیت کیا ہے کوئی بولی نہیں ری
سورج چھپتا ہے کسی نے کہا غور سے دیکھ ماہ ہے ایک جھانک کر بولی باللہ ہے ایک نے غمزے
سے کہا چاند نہیں تو تارا ہے دوسری چٹکی لے کر بولی اچھال چھکا تو بڑی خام پارا ہے۔
ایک بولی سرو ہے یا چمنِ حُسن کا شمشاد ہے دوسری نے کہا تیری جان کی قسم پرستان کا
پریزاد ہے کوئی بولی غضب کا دلدار ہے کسی نے کہا دیوانیو چپ رہو خدا جانے کیا اسرار ہے
ایک نے کہا چلو نزدیک سے دیکھ آنکھ سینک کر دل ٹھنڈا کریں کوئی کھلاڑن کہہ اٹھی دور رہو ایسا نہ ہو
اسی حسرت میں تمام عمر جل جل مریں ایک نے خوب جھانک تاک کے کہا خدا جانے تم سب کے دیدو ں
میں چربی کہاں کی چھاگئی ہے کیا ہوا ہے یہ تو بھلا چنگا ہٹا کٹا مردوا ہے سواری جو رُکی ملکہ نے پوچھا خیر ہے
سب نے دست بستہ عرض کی قربان جائیں جان کی امان پائیں تو زبان پر لائیں ہمیشہ سواری حضور کی
اِسی راہ سے جاتی ہے مگر آج خلاف معمول اِن درختوں میں سے ایک شکل دلچسپ ایسی نظر
آتی ہے فرد ؏ سنا یوسف کو حسینان جہاں بھی دیکھے ؛ ایسا بے مثل طرحدار نہ دیکھا نہ سُنا ؛؛

ملکہ متعجب ہو کے پوچھنے لگی کہاں ایک نے عرض کی وہ حضور کے سامنے جیسے ہی ملکہ کی نگاہ چہرۂ بے نظیر صورتِ دل پذیر جانِ عالم پر پڑی دیکھا ایک جوان رشک مہ کنعان رعنا سرو قامت سہی بالا بحرِ حسن و خوبی کا دُرِ یکتا کاسہ سر سے فرِ شاہی نمایاں بادۂ حسن دل فریب سے معمور ہے دماغ ہیں کشور ستانی ہے اٹھتی جوانی ہے نشۂ شباب سے چکنا چور ہے خم ابرو محراب حسینان سجدہ گاہ پردہ نشینان چشم غزالین سُرمہ آگین ہے آہوئے رم دیدہ کشور چین ہے چتون سے رمیدگی پیدا ہے مستِ مے محبت ہے اس پر جو کنا ہے دیدے کی سفیدی اور سیاہی لیل و نہار کو آنکھ دکھاتی ہے سوادِ چشم پر حور سویدائے دل صدقے کیا چاہتی ہے حلقۂ چشم میں کتنے ہموار مردم دیدہ دھرے ہیں صانع قدرت نے موتی کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں مژہ نکیلی اس کمان ابرو کی دل میں دوسار ہونے کو لیس ہے رشک لیلیٰ یہ غیرتِ قیس ہے ناوک نگاہ سے پرچرخ تک پناہ نہیں دلدوزی بے گناہوں کی اس کی ملت میں ثواب ہے گناہ نہیں لوح پیشانی تختۂ سیمیں یا مطلع نور ہے یا طباشیر صبح یا شمع طور ہے کاکل مشکیں سے زلف سنبل کو پریشانی ہے بو باس سے ختن والوں کو حیرانی ہے عنبرین مو یوں کو زندگی وبال ہے بال بال پر پیچ خمدار ہے روئے تاباں لبِ لبان چشمۂ حیوان ظلمت سے نمودار ہے ہما اپنے پر و بال سے اس صاحب اقبال کا مگس راں ہے رُخِ تابندہ کی چمک سے نیّر اعظم لرزاں ہے لب گل برگ تر پر سبزے کی نمود ہے یا دھواں دھار مشتاقوں کے دل کا دود ہے نظر کام نہیں کرتی قدرت دود ہے ہر حلقۂ گیسوئے معنبر کا کمند گرہ گیر ہے مگر بالوں کے اُلجھنے سے کھلتا ہے کہ کسی کی زلف پیچاں کا اسیر ہے خندۂ دنداں نما سے ہونٹ لعل بدخشاں کا رنگ مٹاتا ہے دانتوں کی تاب سے گوہر غلطاں بے آب ہوا جاتا ہے معشوقوں کا اُن پر دانت ہے دل و جان وارتے ہیں جو نظر سے پنہاں ہو ڈاڑھیں مارتے ہیں دم تقریر درج دہان جو کھلتا ہے سامع موتی رولتا ہے ہر کلمہ اعجاز نما ہے بیمار محبت کا مسیحا ہے ہاتھ ہر ایک نہالِ الفت کی شاخ باردار ہے دل کی دست بردی کو اور خزانہ قارون بانٹ دینے کو سر دست تیار ہے۔

کفِ دست کی لکیریں دستاویز محبت ید قدرت سے تحریر ہے سرنوشت سے یہ کھلتا ہے کہ سلسلۂ اُلفت میں کسی کی رگ و پے بستۂ زنجیر ہے مرآت سینہ میں عکس افگن کوئی صاحب جمال ہے مدِ نظر کسی کا خیال ہے کمر نازک جستجو پر باندھے چپت ہے بیٹھا سست ہے، چلنے کو

مثل صبا آندھی ہے پاؤں وادی تلاش میں سرگرم رفتار ہیں یہ قدم دشت و کہسار ہیں تہمت
بر سر یاری ہے کہ ہمارے دام میں یہ اوج شہریاری ہے یہ تصور دل میں تھا کہ کارپردازان محکمۂ
ناکامی حاضر ہوئے اور مشاطۂ حسن و عشق نے پیش قدمی کر متاع صبر و خرد نقد دل و جان
اساسۂ ہوش و حواس تاب و تواں بلکہ جگر افگار مغان رونمائی میں نذر شاہزادۂ والا تبار
کیا عقل و دانش گم صم بکم کا نقشہ ہوا حضرت عشق کی مدد ہوئی سب بلا رد ہوئی شوق وصل پیدا
ہوا جی شیدا ہوا دفعۃً گیا تھا کیا ہوا میر تقی تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی :: وہ نظر ہی وداع
طاقت تھی :: ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ :: صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ :: دل یہ کرنے
لگا طپیدن نالہ :: رنگ چہرے سے کر گیا پرواز :: ملکہ تھرتھرا ہوا دار پر غش ہوئی خواصوں نے
جلد جلد گلاب اور کیوڑہ بید مشک چھڑکا کوئی نادِ علی پڑھنے لگی کوئی سورۂ یوسف دم کرنے کو آگے
بڑھنے لگی کسی نے بازو پر رومال کھینچ کر باندھا تلوے سہلانے لگی کوئی مٹی پر عطر چھڑک کر
سونگھانے لگی کوئی ہاتھ منہ کیوڑے سے دھوتی تھی کوئی صدقے ہو ہو روتی تھی بولی پہل کنجی کا
کٹورہ لانا کسی نے کہا لیشب کی تختی دھو کر پلانا کسی نے کہا لاریب آسیب ہے کوئی بولی عجیب
مہ پارہ ہے جسے دیکھنے سے دل نا شکیب ہے کوئی سمجھی یہ شخص ہم جنس نہیں قسم جن سے ہے کوئی بولی
یہ غشی تقاضائے سن سے ہے غرضکہ دیر میں ملکہ کو افاقہ ہوا مگر دل مضطرب طپاں خواہش اسی طرف
کشاں جذب عشق سے مقناطیس اور آہن کا عالم کشش محبت سے کاہ و کہربا اسی دم ہو گئی رنگ
رو طائر پریدہ صبر و ضبط دامن کشیدہ مشورہ ہوا سواری ادھر سے پھیر و ملکہ کو بیچ میں گھیر و لیکن تاب
تحمل یارائے صبر ملکہ کو بالکل نہ تھا فرمایا دیوانیاں ہو یہ کوئی مسافر بیچارہ خانماں آوارہ غربت کا مارا
تھک کر بیٹھ رہا ہے اس سے ڈرنا کیا چلو نزدیک سے دیکھیں ناچار وہ سب فرمانبردار چلیں مگر جھجکتی ایک
دوسرے کو تکتی جوں جوں سواری قریب جاتی تھی ملکہ کی چھاتی دھڑکتی تھی دل میں تڑپ زیادہ
پاتی تھی اگرچہ جمال ملکہ نگار مہر بھی سحر سامری کا نمونہ مہ و مہر سے دونا عابد کش زاہد فریب تھا جان عالم
بھی بے چین ہوا مگر دامن ضبط دست استقلال سے نہ چھوڑا جس طرح بیٹھا تھا جنبش نہ کی تیور پہ میل
نہ آیا ایک خواص خاص باشارۂ ملکہ آگے بڑھی پوچھا کیوں جی میاں مسافر تمہارا کدھر سے
آنا ہوا اور کیا مصیبت پڑی ہے جو اکیلے سوائے اللہ کی ذات بہیات نہ کوئی سنگ نہ ساتھ اس جنگل میں

وارد ہو شہزادے نے مسکرا کر کہا مصیبت تجھ پہ پڑی ہو گی معلوم ہوا یہاں آفت زدے آتے ہیں
کہو تم سب کی کیا کمبختی ایاموں کی گردش نصیبوں کی سختی ہے جو چڑیلوں کی طرح ناکام سرشار پھرتی
ہو ملکہ یہ سن کر بھڑک گئی خود فرمانے لگی واہ وا صاحب تم بہت گرما گرم تند مزاج حاضر جواب ہو
حال پوچھنے سے اتنا برہم ہو کر کڑا فقرہ سنایا کہ بس مردار کیا تھو تھو مجھ چھٹ سب کو پچھلپائی
بنایا جانعالم نے کہا اپنا دستور نہیں کہ ہر کس و ناکس سے ہمکلام ہوں دوسرے مردا سے بات
حرام ہے خیر دھوکے میں جیسا اس نے سوال کیا ویسا ہم نے جواب دیا اب تمہارے منہ سے مردار نکلا
ہم سمجھ گئے چپ ہو رہے ملکہ نے ہنس کر کہا خوب یک نشد دو شد صاحب چونچ سنبھالو ایسا
کلمہ زبان سے نہ نکالو کیا میرے دشمن درگور مردار خور ہیں آپ بھی کچھ منہ زور ہیں بھلا وہ تو
کہہ کے سن چکی میں آپ سے پوچھتی ہوں حضور کس سمت سے رونق افروز ہوتے دولت سرا چھوڑے
کبھی روز ہوتے اور قدوم میمنت لزوم سے اس دشت پرخار کو کیوں رشک لالہ زار کیا جانعالم
نے کہا چہ خوش آپ درپردہ بناتی ہیں بگڑ کر طنز سے سناتی ہیں ہم حضور کاہے کو مزدور ہیں تم جیتے
جی جو چار کندھے چڑھی ہو تم البتہ حضور ہو جو جو جلیسیں تھیں بولیں ملکہ عالم آپ کس سے
گفتگو دوبدو کرتی ہیں یہ مردوا تو لٹھ ہے سخت منہ پھٹ ہے ملکہ بولی چپ رہو ان باتوں میں
دخل نہ دو ایسا نہ ہو یہ بدمزہ ہو جائے تو صلواتیں سنائے وہ سب ہٹیں آپس میں کہا خدا خیر کرے
آج جنگل میں گل پھولا چاہتا ہے یہ پردیسی نچھی مسافر راہ بھولا چاہتا ہے ملکہ نے کہا اے صاحب
کچھ منہ سے بولو سر سے کھیلو نذر بھینٹ جو چاہو لیلو جانعالم نے کہا امرائیت کو کام نہ فرماؤ نیچے
آؤ معلوم ہوا تم بڑی آدمی ہو سواری مانگے کی نہیں خواصین بھی تمہاری ہیں خاک نشینوں کی
ہم بستری کرو تکلف تہ کر رکھو طبیعت حاضر ہو گی تو تمہارے بیٹھنے سے کچھ کہہ اٹھیں گے تم ہوادار کیا
ہوا کے گھوڑے پہ سوار ہم فقیر لبتر خاک پر سایہ دار حافظ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ؛ ملکہ
بولی اس مدۃ العمر میں ایسا مسافر جریدہ دہن دریدہ تمہارے سوا بخدا نہیں دیکھا استاد زبان
سنبھالو یہ منہ زوریاں غریبوں پر ؛ خدا کی سوں کوئی تم سا بھی بدلگام نہیں ؛ تم کوئی اور چیز ہو یکہ و تنہا
ٹو نہ گھوڑا گھڑی نہ لبچہ ننگا لچہ وہی مثل ہے رہے جھونپڑے میں خواب دیکھے محلوں کا ہر بات میں ٹھنڈی
گرمیاں کرتی ہو جو یہی خوشی ہے تو لو یہ کہکے ہوادار سے اتر شہزادے کے برابر بیٹھ گئی خواصوں

نے بہت بھبا نک ہو کے کہا بی بی یہ موا کیا ہے سحر بیان جادو کا انسان ہے ملکہ سی پری کو گا لیاں دے دیکر کیسا شیشے میں اُتار لیا بیٹھے بٹھائے میدان مار لیا ایک بولی تجھے اپنے دیدوں کی قسم سچ بولیو ایسا جوان رنگیلا سجدار نکیلا ٹھٹھول طرار آفت کا پرکالا دُنیا سے نرالا تو نے یا کبھی تیری ملکہ نے دیکھا بھالا تھا اری دیوانی نادان خوبصورتی عجیب چیز ہے اس کا دوست طالبِ دشمن کا مطلوب ہے حُسن خوب سب کو مرغوب ہے جہاں کو عزیز ہے غرضکہ جب ملکہ بیٹھی جانعالم دم سرد بھر کے بول اٹھا لا اعلم چہ گویم از سروسامان خود عمر لیست چوں کاکل ؛ سیہ بختم پریشاں روزگارم خانہ بر دوشم ؛ مؤلف سراسر دل دکھاتا ہے کوئی ذکر ادہی چھیڑو ؛ پتہ خانہ بدوشوں سے پوچھا آشیانے کا گرفتار رنج والم خوشی سے دور مبتلائے غم بے یار و مددگار دوست نہ غمخوار آفت کا مارا گھر بار سے آوارہ ہمہ تن بیکس باختہ حواس توشہ راہ بجز جانکاہ نہیں اور رہبر سوائے دل مضطر ہمراہ نہیں گو پاؤں میں طاقتِ رفتار نہیں لیکن ایڑیاں رگڑنا بھی اس راہ میں ننگ و عار نہیں یہ حال ہے وہ سب نام ہیں کوہ و دشت اپنے مقام ہیں اور یہ چند شعر میر سوز صاحب کے مطابق حال ہیں ہیں میر سوز ظاہر میں گرچہ بیٹھا لوگوں کے درمیاں ہوں ؛ پر یہ خبر نہیں ہے میں کون ہوں کہاں ہوں ؛ اے ساکنانِ دنیا آرام دو گے اک شب ؛ بچھڑا ہوں دوستوں سے گم کردہ کارواں ہوں ؛ ہاں اہلِ بزم آؤں میں بھی پر ایک سن لو ؛ تنہا نہیں ہوں بھائی با نالہ و فغاں ہوں ؛ سو ساخ چاک لاکھوں داغوں کی کون گنتی ؛ گلشن دل و جگر ہے گو صورت خزاں ہوں ؛ نام و نشاں نے یارب رسوا کیا ہے مجھ کو ؛ جی چاہتا ہے حق ہو بے نشان و بے نشاں ہوں ؛ قاتل پکارتا ہے ہاں کون کشتنی ہے ؛ کیوں سوز چپ ہے بیٹھا کچھ بول اٹھ نہ ہاں ہوں ؛ یہ پڑھ کے چپ ہو رہا ملکہ سمجھی یہ مقرر شاہزادہ عالی تبار ہے مگر کسی کا عاشقِ زار ہے بات میں یہ تاثیر ہے کہ ہر کلمہ ناوک کا تیر ہے دل میں آیا کسی طرح گھر لے چلیے پھر حال مفصل معلوم ہو جائے گا کہاں تک چھپائے گا بہ منت و سماجت کہا اے عزیز یہ سرزمین ہمارے علاقے میں ہے تم یہاں مسافرانہ اتفاقات زمانہ سے وارد ہو مہمانی ہم پر واجب ہے چند گام اور قدم رنجہ کیجئے غریب خانہ قریب ہے آج کی شب استراحت فرمائیے نان خشک کھائیے صبح اختیار باقی ہے جانعالم نے تبسم کر کے کہا پھر در پردہ امارت کی لی یعنی ہم تو یہاں کے

مالک ہیں آپ بھوکے پیاسے سالک ہیں چلو یہ فقرہ کسی فقیر کو سناؤ محتاج کو گرد فرجاہ و حشم دکھاؤ جادۂ اعتدال سے زبان کو گام فرسانہ فرماؤ یہاں طبیعت اپنی اپنے اختیار میں نہیں اور رواداری سے فرصت قلیل ہے مکان پر جانا دعوت کھانا جبر ہے اس کی کیا سبیل ہے۔ ملکہ نے افسردہ خاطری سے کہا دعوت کا رد کرنا منع ہے آئندہ آپ مختار ہیں ہم مجبور و ناچار ہیں جان عالم نے دل میں خیال کیا برسوں کے بعد ہمجنسوں کی صحبت میسر آئی اور یہ بھی شاہزادی ہے اس کا آزردہ کرنا نری بے حیائی ہے آدمیت کا لحاظ انسانیت کا پاس اپنی بے اعتنائی کا حجاب کرکے کہا کھانے پینے سونے بیٹھنے کی ہوس دل سے اٹھ گئی ہے مگر دل شکنی کسی کی اپنے مذہب میں گناہ عظیم ہے خدا علیم ہے شعر عوض ہے دل شکنی کا بہت محال اے یار :: جو شیشہ ٹوٹے تو کیجے جواب شیشے کا :: لیکن اتنی رکھائی اور کج ادائی جو ظہور میں آئی اس نظر سے تھی شعر در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را :: افسردہ دل افسردہ کند انجمن را :: دلفگاروں کی صحبت سے ملال حصول ہوتا ہے غمگین کا ہمنشین ہمیشہ ملول ہوتا ہے میرورنہ کہیں عیش تمہارا منغض ہوئے دو تو ورد کو محفل میں تم نہ یاد کرو :: اور جو یوں ہی مرضی ہے تو بسم اللہ یہ کہہ کر اٹھا ساتھ ساتھ ہاتھ میں ہاتھ پیادہ پا باتیں کرتا چلا لبکہ شاہزادہ لطیف و ظریف تھا کوئی فقرہ نوک جھوک رمز و کنایہ سے خالی زبان پہ نہ لاتا تھا ملکہ کا ہر بات میں دل پگھلا جاتا تھا مگر دل سے کہتی تھی کہ اے ناکام و بخت نافرجام ایسا نہ کرنا کہ ہاتھ ننگ و ناموس سے دھونا پڑے بیٹھے بٹھائے الم مفارقت میں رونا جان کھونا پڑے ظاہر ہے کہ یہ کسی کا عاشق زار ہے نشۂ محبت میں سرشار ہے دوسرے غریب الوطن بقول میر حسن مسافر سے کوئی بھی کرتا ہے پیت :: مثل ہے کہ جوگی ہوئے کس کے میت :: مگر تپش دل متصل ترقی میں تھی خواہش جی کی کاہش میں بے قراری کو اس پہ قرار تھا۔ خدا کے کارخانے میں کسی کو دخل نہیں ہوا اے نادان جو دم وصل ہے اسے غنیمت جان آغاز عشق میں انجام سوچنا خلاف ہے اس میں شرع کی تکلیف معاف ہے مؤلف غنیمت جان لے یہ صحبتیں ایسی کی اے نادان :: دگرگوں حال ہو جاتا ہے اک دم میں زمانے کا :: القصہ تا در باغ پہونچے دروازہ کھلا اندر آئے جہاں کی فزائے صحرا وہ تھی یہاں کے باغ کا کیا کہنا اگر ایک تختہ کی صفت تحریر کروں ہزار تختہ کاغذ پہ بخط ریحان نہ لکھ سکوں

دم تسطیر قلم ہیں برگ نکلتے ہیں لکھنا بار ہوتا ہے ہاتھ پاؤں بالکل پھولتے ہیں صفحہ قرطاس پر
گُل پھولتے ہیں حاسد کو خار ہوتا ہے بہت آراستہ و پیراستہ عرض مربع ہیں چاروں کونوں پر بنگلے
گرد سبزۂ نوخاستہ دروازہ عالی شان نفیس مکان زیر دیوار خندق پر کیلے اکیلے نہیں قطار در قطار
تختہ بندی کی بہار روش کی پٹریاں قرینے کی مندی کی ٹٹیوں میں رنگت میں نے کی گل مہندی
سُرخ و زرد پُرافشان عباسی کے پھولوں سے قدرتِ حق نمایاں نرگس دیدۂ منتظر کی شکل دکھاتی تھی
گُل شبّو سے بھینی بھینی بو باس آتی تھی میوہ دار درخت یک لخت جُدا بار کے بار سے ٹہنیاں جھکیں
درخت سرکشیدہ پھل لطیف و خوشگوار پھول نازک و قطعدار روشیں بلور کی نہریں نور کی
حوض و نہروں میں فوارے جاری چمنوں میں بادِ بہاری موسم کی تاک میں تاک کا مستونکی روشش
جھومنا غنچۂ سربستہ کا منہ تاک تاک کر نسیم کا چومنا انگور کے خوشوں میں دل آبدار کا پتا زربفت کی
تھیلیاں چڑھیں نگہبانی کو گوشوں میں باغبانیاں الست کھڑیں ہر تختہ ہرا بھرا روش کی پٹریوں پہ چینی
کے ناندوں میں درخت گلزار عنبر و معطر بیلا و چنبیلی موتیا موگرا مدن بان جوہی کیتکی کیوڑا نسرین و
نسترن کی نرالی آن بان ایک سمت تختوں میں لالہ خوفِ خزاں سے با دلِ داغدار گرد اس کے نافرمان
کی بہار سرو شمشاد لبِ ہر جُو فاختہ اور قمری کی اُس پر کوکو حق سرہ شاخ گل پر بلبل شوریدہ کا شور چمن
میں رقصاں مور کہیں خندۂ کبک کی آواز کہیں تدرو کی خرام ناز نہروں میں قاز بلند آواز بتر پرواز
ایک طرف قرقرے سر سے پا تک درخت گل و بار سے لدے سیب و بہی و ناشپاتی سے زنخ گلعذار کی
کیفیت نظر آتی سنبل مسلسل میں پیچ و تاب زلف مہوشاں کا ڈھنگ سوسن کی اودا ہٹ
مستی خوب رویوں کا جوبن دکھاتی داؤدی میں صنعتِ پروردگار عیاں صد برگ میں ہزار جلوے
نہاں آم کے درختوں میں کیریاں زمرّد نگار مولسری کے درخت سایہ دار باغبانیاں خوبصورت
سرگرم کار خواجہ سرا امردان کے مددگار حور و غلمان کا عالم بیلچے کھرپیاں جواہر نگار ہاتھوں میں
باہم درخت اور روشوں کو دیکھتی بھالتی گل و بار چمن سے چنتی گلابرگ سڑا بار چھڑا اڑا خار صحن سے
نکالتی پھرتی تھیں بیچ میں بارہ دری پُرشوکت بارفعت و شان پرستاں کا مکان ہر کمرہ سجا سجایا صناع
نادر دست کا بنایا غلام گردش کے آگے چبوترہ سنگ مرمر کا حوض مصفا پانی سے چھلکتا فرش
سب نور افشاں پتھر کا شامیانہ تمامی کا تنا سفید بادلے کی جھالر کلابتوں کی ڈوریاں

سراسر مغرق بنا چودھویں رات ابر کھلا آسمان صاف شب ماہ سامان اس تکلف کا برسات
کی چاندنی سبحان اللہ فواروں کے خزانے میں باولہ کٹا پڑا ہزار سے کا فوارہ چڑھا پانی کے ساتھ
باولہ کی چمک ہوا میں پھولوں کی مہک فوارے نے زمین کو ہمسر آسمان بنایا تھا ستاروں کے
بدلے بادلے کے تاروں کو بچھایا تھا بڑی چمک دمک سے ملکہ کے مکان پر چاندنی دیکھنے
کا سامان تھا شہزادے کے آنے کا کسے گمان تھا غرضکہ جان عالم کو لے جا شامیانے تلے
مسند مغرق پر بٹھایا شراب ارغوانی کی گلابیاں کشتیوں میں لے گروہ زن پری پیکر زیب دہ انجمن
ہوئی کہ لبِ مئے رشک و خجالت سے بحرِ ندامت میں غوطہ زن ہوئی ایک طرف جام و سبو ایک سمت
نغمہ سرایاں خوبرو خوش گلو سفید سفید صوفیانی پوشاک سر سے پاؤں تک الماس کا زیور دو رویہ صف باندھکر

تصویر باغ پُر تکلف چار کونوں پر بنگلہ بیچ میں بارہ دری و شہزادہ و
ملکہ مع صراحی و نغمہ سرائیاں



کھڑی ہوئیں انکے بیٹھتے ہی گانا شروع ہوا سارنگی کے سُر کی زوں زوں تان کی صدا چرخ پر زہرہ کے گوش زد ہوتی تھی طبلے کی تھاپ باین کی گمک خفتگان خاک کا صبر و قرار کھوتی تھی ہر تان اُپج تان سین پر طعن کرتی باسبدا ورنگیسا کے ہوش پران تھے چھجو خان کو غش تھا غلام رسول حیران تھے زمزمے اور تحریر گنگری پر شوری زور و شور سے ہاتھ ملتا تھا ہر لپے فقرے اور سُر کے پلٹے پر الٰہی بخش پوربی کا جی نکلتا تھا ناچنے کو ایسے ایسے برق وش آئے اور اس تال وسُر سے گھنگرو بجائے کہ ملوچ شرمائے کتھک جو بڑے استاد انگ تھے اُنہوں نے قسم کھائے بٹھوکر مردہ دلوں کی مسیحائی کرتی تھی کت کے ہاتھ پر یہ گت تھی کہ مجلس کف افسوس ملتی تھی اور دم سرد بھرتی تھی جب ہنگامۂ صحبت باہں لوبت پہونچا کہ راجہ اندر کی محفل کا جلسہ نظر سے گر گیا بہشت کا سامان پیش چشم پھر گیا اُس وقت ملکہ مہر نگار نے گلاس شراب سے بھر کر شہزادے کو دیا کہا اسے نوش کر لیجئے تاریخ سفر خاطر الور سے دُور ہو مجھے استفسار حال ضرور ہے جانعالم نے باسباب ظاہر انکار کیا مہر نگار نے کہا آپ دل شکنی روا نہیں رکھتے اس پہلو تہی کرنے میں ملال خاطر کے سوا کیا متصور ہے شہزادے نے مسکرا کر ساغر لیا یہ کہہ کر باطبع شگفتہ پیا انشا گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجئے :: زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں :: پھر جانعالم نے جام شراب اپنے ہاتھ سے ملکہ کو دیا دور جام بے دغدغہ نیرنگی ایام چل نکلا دو چار ساغر آب آتش رنگ جانی کی ترنگ میں بہم و متواتر جو پئے دونوں کو گونہ سرور ہوا رنج سفر ادھر سے تمیز و خیال خیر و شر اُدھر سے دُور ہوا اُس وقت جانعالم نے کہا میر درد سا قیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ :: جب تک بس چل سکے ساغر چلے :: یہ سُن کر وہی خواص گرما گرم جس نے شاہزادے سے پہلے گفتگو کی تھی ملکہ کے بہت منہ لگی تھی یہ بولی بقا لطف شب مرا ہے دل اُس دم تجھے حاصل ہو :: اک چاند بغل میں ہو اک چاند مقابل ہو :: ملکہ نے بحسرت فرمایا کہ مُردار ہم تیری چھیڑ چھاڑ سب سمجھتے ہیں کیا کریں افسوس کی جا ہے حال اپنا موافق قول سودا ہے رفیع السودا جو طبیب اپنا تھا دل اُس کا کسی پر زار ہے :: مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے :: جانعالم نے یہ سُن کر اُسی خواص کو سُنا کر متنبہ کیا استاد میں مسافر ہوں مجھ سے دل نہ لگا :: کیا بھروسہ مرا رہا نہ رہا :: ملکہ ٹال کر حال پوچھنے لگی کہ تمہیں بخدا غرض جلد سچ کہو

تم کون ہو کہاں سے آئے ہو کس کی تلاش میں خود رفتہ گھبرائے ہو اُس وقت جانعالم کو بجز
راستی مفر نظر نہ آیا کہا ملکہ میں شاہ فیروز بخت کا بیٹا ہوں جانعالم نام ہے سرزمین ختن وطن ہے
فسحت آباد سلطنت کا مقام ہے میں نے ایک طوطا مول لیا تھا بہت طرار سحر گفتار اس کی زبان سے
شہرہ حسن انجمن آرا سُنکے نادیدہ دیوانہ وار بیقرار بیابان مرگ آوارہ وطن مورد رنج و محن ہوا
ہوں پھر طوطے کا راہ میں اُڑ جانا وزیر زادے کا پتہ نہ پانا شمہ بیان گرفتاری طلسم اور اپنی خواری جادوگرنی
کا نقش سلیمانی کا دینا اور اپنا راستہ لینا کہہ کر کہا بے ملک زرنگار پہونچے نہ جان کو چین نہ دل کو قرار
ہے زیست بیکار ہے ا۔ یہ غزل پڑھی مولف لبسوز شمع رُوباں اسطرح کا سینہ سوزاں ہوں :: کہ رفتہ
رفتہ آخر جلوہ سرو چراغاں ہوں :: نسیم صبح ہوں یا بوئے گل یا شمع سوزاں ہوں :: یہ ہوا جس رنگ
میں پیارے غرض دم بھر کا مہماں ہوں :: نہ پھل پایا لگانے کو بجز افسوس و حسرت کے :: میں نخل
بے ثمر کس مرتبہ مردود دہقاں ہوں :: عبث تدبیر ہے گور و کفن کی اُس کے کوچے میں ::
میں ننگے دو جہاں ننگے ہی رکھ دینے کا شایاں ہوں :: نہ مرتے مرتے مُنہ پھیرا محبّت سے کبھی میں
نے :: جفائیں کسقدر جھیلیں وفا پر اپنی نازاں ہوں :: تنی رہتی ہے اکثر چادر مہتاب تربت پر
کہ تا معلوم ہو سب کو قتیل مہ جبیناں ہوں :: سرور غم رسیدہ ہوں مجھے طوفان محشر میں :: ترا نا
تو خداوندا غریق بحر عصیاں ہوں :: ملکہ نے جب سُنا کہ یہ فریفتہ جمال پری تمثال انجمن آرا ہے
آہ دلدوز نعرۂ جانسوز کھینچ کر رونے لگی اُمید قطع ہوئی جانعالم نے بیقرار ہو کے کہا اے ملکہ مہر نگار
خیر باشد ملکہ نے اُسی حال میں کہا استاد مائی اُس فتنہ عالم پہ کیا جو مجھ کو :: سوئے بیداد مگر
مرضی دوراں آئی :: چاک دل تک تو کچھ اے دست جنوں پردہ تھا :: یہ کھلا اب تو کہ نوبت
بگریباں آئی :: اے شاہزادہ والاتبار غارتگر کشور دل عاشق نزار میرا حال سُن ع عجیب واقعہ
وطرفہ ماجرائے ہست :: باپ میرا شہنشاہ تھا بہت سے تاجدار خراج گذار تھے مگر ابتدا سے
طبیعت متوجہ فقر تھی اور عبادت کی عادت تھی آخر کار کارخانہ دنیائے دوں ہیچ و پوچ
جان کے یہ شعر ورد زبان کیا سوز جب ہیچ ہی ہم پوچھ چکے وضع جہان کو :: غم ہیچ الم ہیچ
طرب ہیچ عطا ہیچ :: اور حکومت کا بکھیڑا چھوڑ چھاڑ معاملہ سلطنت بیکار جان اور بے ثباتی
جہان گذران مد نظر کر دنیا سے ہاتھ اُٹھا بادشاہت کو مٹا آبادی سے مُنہ موڑا اس

صحرائے پُرخار میں مکان بنا کر بیٹھ رہا ہرچند مجھے شادی کوارشاد کیا میں نے بسبب مفارقت
انکار کیا اب دفعتہً آفت آسمانی وبلائے ناگہانی مجھ پر لوٹ پڑی کہ بیک نگاہ عاشق کیا
دیوانی ہوگئی ہوش وحواس سے بیگانی ہوگئی میرا رسوا ہوا خراب ہوا مبتلا ہوا :: کیا جانیے
کہ دیکھتے ہی مجھ کو کیا ہوا :: اور تو اُس کا عاشق وطلبگار ہے جس کا نظیر اس زمانہ میں ہاتھ
آنا بہت دشوار ہے میسر محمل نشین ہیں کتنے خدام یار ہیں یاں :: لیلیٰ کا ایک ناقہ سو کس قطار
ہیں یاں :: اب بجز مرگ کیا چارہ ہیں ننگ خانماں ذلّت دہ وخراب کنندۂ خاندان فقط
خواری ماں باپ کی اور گریہ زاری اپنی چاہتی تھی صبح تو کہاں اور میں کہاں یہ صحبت شب
خواب ہو جائے گی نمود صبح مفارقت شام غربت کا رنگ دکھائے گی دامن صحرا کی طرح گریبان
صبر چاک ہوگا ہمارے سر پہ آفت وخرابی آئے گی انصاف کیجیے کس سے کہونگی بیقراری
ستاتی ہے جانِ عالم کی جدائی سے روح بدن سے جدا ہوتی ہے جان جاتی ہے ہم صحبتیں
طعنے دیں گی انیسیں چھیڑ چھاڑ کر جان لیں گی جب لونڈیوں پر خفا ہونگی بڑبڑائیں گی زبان
پر یہ کلمہ لائیں گی ملکہ عاشقی کا رنج وملال یوں در پردہ ٹالتی ہیں شہزادہ چلاگیا نہ رک سکا
اس سے بس نہ چلا غصّے کی جھانجھ ہم پر نکالتی ہیں باپ پر حال کھلا تو خجالت ہوگی ماں نے اگر
سُنا تو ندامت سے کیا حالت ہوگی۔ رسوائی کے خوف سے دل کھول کر نہ روسکوں گی بدنامی
کے ڈر سے جی نہ کھو سکوں گی جب دلِ بیتاب ہجر سے گھبرائے گا تو فرمائیے کون تسکین فرمائیگا
کیا کہہ کے سمجھائے گا آپ ادھر تشریف لے جائیں گے ہم اُدھر غم فرقت سے گھُٹ
گھُٹ کے مر جائیں گے ہماری سرنوشت پہ رونا روا ہے ماجرا ہمارا عبرت وحیرت
افزا ہے ہرچند ظل سبحانی عامل بے بدل ساحر بے مثل ہیں علوی سفلی سب کچھ پڑھا لکھا
ہماری پیشانی اور لوح جبین کی تحریر نہ دیکھی کہ کیا پیش آنی ہے اور خط شکستہ سے ایسے
نستعلیق نے کیا بُرا لکھا ہے افسوس صد افسوس مؤلف وہ بھی ہوگا کوئی اُمید بر آئی جھلکی :: اپنے مطلب
تو نہ اس چرخ کہن سے نکلے :: یہ باتیں کر دل پر ہاتھ دھر رونے لگی دامن وگریبان آنسوؤں سے بھگونے
لگی شہزادے کو ثابت کیا یقین ہوا کہ ملکہ بشدت فریفتہ وشیدا ہے بات سے حزن ملال پیدا ہے
دل دکھنے کے مزے سے زبان لذت پا چکی تھی جان ہجر کے صدمے اٹھا چکی تھی بیچین ہو کر بولا زبان کو

تسکین کی باتوں میں کھولا کہا آپ کا کدھر خیال ہے بندہ فرمانبردار بہر حال ہے جو کہو گی بجا
لاؤں گا بار اطاعت سے سر نہ اُٹھاؤں گا مگر برائے چندے صبر و جبر ضرور ہے اگر اُسکی جستجو میں نہ
جاؤں گا تمہیں میری کیا اُمید ہوگی ہم چشموں کو کیا منہ دکھاؤنگا سبحان اللہ وہ وقت دیکھا چاہئے معشوق
عاشق کی تسکین کرے اپنی اطاعت اُس کے ذہن نشین کرے خوش قسمتوں کو ایسے بھی مل جاتے ہیں
کہ عاشق کے رنج کا غم کھاتے ہیں دلداری کر کے سمجھاتے ہیں اس کا لوگ رشک کرتے ہیں
آتش حسد سے جل مرتے ہیں ملکہ یہ سُن کر شاد بند غم سے آزاد ہوئی یہ بات امتحان کی ہے جسے جی پیار
کرتا ہے اگر وہ جھوٹ بھی بولے تو عاشق کو سچ کیا بمنزلہ آیت و حدیث ہو جاتا ہے مگر یہ کہا
مصحفی عاشق سے بھی ہوتا ہے کہیں صبر و تحمل ؛ وہ کام تو کہتا ہے جو آتا نہیں مجھ کو ؛ لیکن
خیر ہم تو اسے بھی جھیل لیں یہ کھیل بھی کھیل لیں اگر ہماری یاد تمہیں فراموش نہ ہو وحشت
کا جوش نہ ہو جانعالم نے قسمیں شدید کھائیں اختلاط کی باتیں درمیان میں آئیں کہ اس میں
سر مو فرق نہ ہوگا اور مژدۂ وصل سے مسرور کیا خیال مفارقت ملکہ کے دل سے دور
کیا کہا اب ہنسی خوشی کی باتیں کرو یہ بکھیڑا اب جانے دو مفارقت سر پہ کھڑی ہے رات تھوڑی
کہانی بڑی ہے فلک سفلہ پرور جفا کیش ہے عاشق و معشوق کا بد اندیش ہے استاد لشب وصل
شکوہ ہا مکنید ؛ شب کوتاہ قصہ لبیار ست ؛ مگر شب وصل ہمیشہ سے کوتاہ ہے خدا گواہ ہے
دو کلمے ہنسی کے ہنوز پورے نہ ہونے پائے گردوں کو رشک آیا یکایک مرغ سحر بیدار باش
پکارا زاہد نے نعرۂ اللہ اکبر مارا گجر کی آواز بھی دونوں کے کانوں میں آئی لیبا دلان سلطان
خاور نے صبح کی دھوم مچائی ملکہ پریشان ہو کے بولی مؤلف وصل کی شب چونک اُٹھے ہم
سُن کے زاہد کی صدا ؛ یاں دم تکبیر ہی اللہ اکبر ہو گیا ولہ زاہد بھی تیرا ہے شب وصل ہیچ لیف
مشہور گو جہاں میں صبح و خروس ہے ؛ جانعالم نے نماز صبح پڑھ کر کمر بعزم سفر چست
کی ملکہ سہم کر آبدیدہ ہو یہ شعر پڑھنے لگی جرأت نہ آیا اور کچھ اُس چرخ کو آیا تو یہ آیا ؛ گھٹانا
وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجراں کا ؛ جب شہزادے نے چلنے کا قصد کیا ملکہ نے کہا
اگر ہرج متصور نہ ہو میرے والد سے ملاقات کر لو یہ امر فائدے سے خالی
لاابالی نہ ہوگا جانعالم نے کہا بہتر ہے پھر وہی خواص ہمراہ ہوئی جب وہاں پہونچا

دیکھا بوریائے بیریا بچھا ہے مصلے پر ایک پیر مرد مہذب بندگی حق مشغول با دلی ملول بیٹھا ہے
بہ رسم سلام بجا لایا اُس نے دعائے خیر دیکر ہاتھ بڑھایا چھاتی سے لگایا قریب بٹھایا پھر
فرمایا ماجرائے شب تیرہ ملکہ فقیر پر روشن ہے ایسی بدقسمت دوسری خلق میں خلق نہیں
ہوئی ہمارے کہنے سے انکار کیا بڑے بول کا سر نیچا ہوا تو تم سے کیا دار و مدار کیا جو تم اتنی
تسکین نہ کرتے تو اس کا زندہ رہنا محال تھا اس طرح کا دل پر صدمہ و ملال تھا اگر ایفائے وعدہ کروگے اللہ بھلا کریگا

تصویر جانعالم مع ایک خواص پاس پیر مرد کے آنا اور اسکو لوح دیکر رخصت کرنا



وگرنہ یہ رنج بُرا ہے دیکھئے اس کا کیا حال کریگا دلداری جگر فگاروں کی عیادت مرض
محبت کے بیماروں کی جوانمردوں پر فرض ہے یہ سمجھنا ساحل رااز خس و خاشاک گذار و گل راز
صحبت خار ننگ و عار نمی باشد شہزادے نے سر جھکا عرض کیا آپ کیوں محجوب فرماتے ہیں
مجبور ہوں اس عزم میں گھر چھوڑا عزیزوں یگانوں کو ترک کر شہر سے منہ موڑا وہ کہیں گے
سخت کم ہمت اور بے جرأت تھا راہ میں آسائش ملی بیٹھ رہا خوف سے نہ جا سکا جھوٹا تھا ناحق

عشق کا دم بھرا پیر مرد نے فرمایا مرحبا جزاک اللہ یہی شرط جوانمری و ثابت قدمی ہے ہمیں بھی تمہارے اس عزم سے ایفائے وعدہ کی اُمید ہوئی پھر ایک لوح عنایت کی اور کہا جب کوئی مہم سخت روبکار ہو بہ طرز فال اُس حال میں اُسے دیکھنا جو نکلے اس پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ وہ مشکل سخت ایک آن کی آن میں آسان کرے گا بحفظ حافظ حقیقی سپردم اللہ معکم اینما کنتم فرد

بہ سفر رفتنت مبارک باد ؛ بہ سلامت روی و باز آئی ؛ شہزادہ رخصت ہوا لوح لے کر ملکہ کے پاس آیا یہ شعر زبان پر لایا مؤلف کوچ کی اپنے اب تیاری ہے ؛ تیرا حافظ جناب باری ہے ؛ ملکہ ناکام گردش ایام دیکھ اور یہ کلمۂ جانکاہ سنکر کلیجہ تھام سر دھنکر یہ اشعار پڑھنے لگی استاد میں مر گئی سُن اُس کے سرانجام سفر کا ؛ آغاز ہی دیکھا نہ کچھ انجام سفر کا ؛ کہتے ہیں کہ وہ جاتا ہی کچھ ایسی دعا کر ؛ مسدود ہو رستہ دلِ ناکام سفر کا ؛ مت جان نکمّا مجھے اسے جان لئے چل کرتی چلونگی ساتھ ترے کام سفر کا ؛ میں کشور ہستی ہی سے اب کوچ کرونگی ؛ آگے نہ مرے لیجیو تو نام سفر کا ؛ چلنے کی صلاح اُس کے ٹھہرتی نہیں اب ساتھ ؛ موقوف نوازش ہوا آرام عزم کا ؛ آخر جبراً قہراً رخصت کیا کہا خدا حافظ امام ضامن ثامن کو سونپا ع ترا موسیٰ رضا ضامن ترا اللہ والی ہے ؛ جس طرح پیٹھ دکھاتے ہو اسی صورت اللہ تمہارا منہ دکھلائے غم دوری ہمارا دُور ہو جائے جانِ عالم یہ سُنکر روانہ ہوا یہاں تپش دل کا بہانہ ہوا دریائے سرشک چشم خونِ جگر سے موجزن ہو غریق لجۂ مفارقت جان و تن ہوا جلیسیں بولیں ملکہ کیوں جی کھوتی ہو جو اس طرح بلک بلک کر روتی ہو مسافر کے پیچھے رونا زبوں از حد ہے بی بی خیر ہے یہ شگون بد ہے وہ بھی دن اللہ دکھائے گا جو وہ پردیسی صحیح سلامت خیر سے پھر آئے گا تو اُن کو وہ غم کی ماری یہ سمجھاتی سوزِ چشم کا کام اشکباری ہے ؛ چشمۂ فیض ہے کہ جاری ہے مؤلف بیدرد کوئی اتنا سمجھتا نہیں ہے ہے ؛ دل دُکھے تو کس طرح سے فریاد نہ ہوئے ؛ ولہ مجھ کو رونے کو نہ تم منع کرو ہم نفسو ؛ غم دل کرتی ہوں میں دیدۂ تر سے خالی ؛ اور جب آنسو کمی کرتے تو دل و جگر سینے میں برہمی کرتے اس وقت گھبرا کر یہ کہتی مؤلف مدد اے سوز جگر تاکہ نہ ہوئے خفت ؛ نوک مژگاں ہوئی پھر لخت جگر سے خالی ؛ پھر نہ منہ اُس نے کیا میری طرف اے ظالم ؛ سخت تم بھی مرے نالو ہوا اثر سے خالی ؛ نہ لگا اس کو مری بات کو تو مان سرور

دل کا لگنا نہیں اے یار ضرر سے خالی :: غرض کہ جوں جوں شہزادے کی مفارقت بڑھتی تھی ملکہ صدمہ ہجر سے ودل ودل گھٹتی تھی بدر سا چہرہ کاہیدہ ہو کر ہلال ہوا اب جدائی سے عجب حال ہوا کبھی کہتی تھی وائے ناکامی اگر دل کا حال کہوں شرم آتی ہے چپ رہوں جان جاتی ہے یہ سب کہتے ہونگے ملکہ کو غیرت نہیں آتی ہے راہ چلتوں سے بیٹھے بٹھائے دل لگاتی ہے آپ روتی ہے ہمیں مفت رُلاتی ہے اُس سمجھانے والے کو کہاں سے لاؤں جسے دل کا حال سناؤں زلیت اسی میں ہے جو مر جاؤں اب کون آنسو پونچھ رونے کو منع کریگا کون میرے دم گرم پر آہ سرد بھریگا پیار سے سر چھاتی پر دھریگا جب ملکہ کا یہ حال مصیبت چپکے چپکے جی سے باتیں کرنا دیکھ کر لوگ گھیرتے دست شفقت سر وحشت انگیز پر پھیرتے اور پوچھتے کہ اے جی کی دشمن ہمیں تو بتا دل کا حال کیا ہے تو وہ کہتی اور تو کچھ جانتی نہیں پر یہ نقشہ ہے کہ ہاتھ پاؤں سنسناتے ہیں خودبخود غش چلے آتے ہیں دم سینے میں بند ہے گھبراتا ہے مکان کاٹے کھاتا ہے باغ ویران گل و بوٹا خار معلوم ہوتا ہے گھر زندان بات کرنا بیکار معلوم ہوتا ہے جان بیقرار ہے بند بند ٹوٹتا ہے دامن صبر دستِ استقلال سے چھوٹتا ہے جنگل پسند ہے ویرانی کا دل خواہش مند ہے دشت کا سناٹا بھاتا ہے بلبل کا نالہ دل دکھاتا ہے خدا جانے کس کی جستجو ہے دل کو مرغوب قمری کی کوکو ہے تنہائی خوش آتی ہے آدمیوں کی صورت سے طبیعت نفرت کھاتی ہے سینہ جلتا ہے دل کو کوئی مسوس کر ملتا ہے آنکھ ظاہر میں بند ہوئی جاتی ہے مگر نیند مطلق نہیں آتی ہے ہاتھ چاہتے ہیں سر دست چاک گریباں دیکھیں پاؤں چل نکلے ہیں کہ بیاباں دیکھیں نل دمن کی مثنوی سے ربط ہے لیلیٰ مجنوں کا قصہ پڑھتی ہوں یہ کیا خبط ہے دل کی تمنا ہے کہ بیقراری کر آنکھیں اُمڈی ہیں کہ اشک باری کر جہاں کی بات سے کان پریشان ہوتے ہیں مگر جانعالم کا ذکر دل لگا کر سنتی ہوں جو کوئی سمجھاتا ہے رونا چلا آتا ہے سر دھنتی ہوں ناکامی مجھ خستہ و پریشان کا کام ہے آہ مجھ بے سروسامان کا تکیہ کلام ہے منہ کی رونق جاتی رہی زردی چھاگئی بہار حسن پر خزاں آگئی ہر دم لب پر آہ سرد ہے ایک دل ہے اور ہزار طرح کا درد ہے جان جانے کا وسواس نہیں بزرگوں کا لحاظ و پاس نہیں زیور طوق سلاسل ہے زیب و زینت سے بدمزگی حاصل ہے

دل و جگر میں گھاؤ ہے بگاڑ بناؤ ہے بستر نرم خار ہے ارے لوگو یہ کیا آزار ہے سب سے
آنکھ چراتی ہوں ہم صحبتوں سے شرماتی ہوں اب صدمہ اُٹھانے کا یارا نہیں بے موت اس
بکھیڑے سے چھٹکارا نہیں عجب حال ہے اکثر یہ خیال ہے **مؤلف** افسوس یہ حال ایک
عالم دیکھے ؛ ایسا نہ ہوا کہ جانعالم دیکھے ؛ اگر اسی کا عشق عاشقی نام ہے تو میں درگذری
میرا اسلام ہے جو لوگ عشق کرتے تھے کیونکر جیتے تھے بتاؤ تو کیا کھاتے کیا پیتے تھے دو دن سے
کچھ نہیں کھایا مگر پیٹ بھرا ہے کھڑی ہوں جی بیٹھا جاتا ہے پہلے مجھے نہ منع کیا ہے ہے میرے
جان کے دشمنوں یہ کیا کیا اللہ کی مرضی کسی کا کیا بگڑا میری قسمت کا لکھا جو کیا وہ اچھا کیا
یہ سن کے ایک کھیلی کھلائی عشق کے صدمے اٹھائی قریب آئی کہا قربان جاؤں واری ابھی سلامتی
سے نو گرفتاری ہے جو اتنی آہ و زاری اور بیقراری ہے سہتے سہتے عادت ہو جائے گی تو تسکین آئیگی
ان باتوں سے جو دل بھر آیا بے اختیار خونابۂ دل لخت جگر چشم تر سے متصل بہانے لگی دیدۂ دیدار
طلب سے سمندر کی لہر لہرانے لگی نظم میں دل کا حال سنانے لگی **مؤلف** حالت سے اُس کی پارۂ
برق و شرار کی ؛ کیا کیا تڑپ سناؤں دل بیقرار کی ؛ پھوٹے تپش سے دل کے یہ سب آبلے مرے ؛
منت کشی نہ کرنی پڑی نوک خار کی ؛ دل اپنا قبر میں بھی جلے گا اسی طرح ؛ حاجت رہے گی ہم کو
نہ شمع مزار کی ؛ وعدے کی شب کو دیدۂ اختر جھپک گئے ؛ دیتے مثل ہیں لوگ مرے انتظار کی
لے جائیو ادھر سے جنازہ مرا سرور ؛ حسرت بھری ہے دل میں مرے کوئے یار کی

رخصت ہونا جانعالم کا ملکہ مہر نگار سے اور پہونچنا ملک زرنگار مملکت دلدار میں ملاقات خواجہ سرا کی دریافت ہونا حال پر ملال جادوگر کا پھر اسکو قتل کرکے لانا اس ماہ پیکر کا

ابیات یہاں کا تو قصہ یہ چھوڑا یہاں ؛ سنو پھر اُسی غمزدہ کا بیاں ؛ طلسم کشایان گنجینۂ سخن
سحر سامری وره نوردان اقلیم حکایات کہن مشاق جادو و شعبدہ گری و مشتاقان جفاکش محنت
کشیدہ و سحر سازان سخن سنج درین سرائے سہ پنج روئے راحت ندیدہ گوسالۂ سخن کو دیر خراب
آباد میں یوں گویا کرتے ہیں کہ ملکہ مہر نگار کے باغ سے چالیس منزل ملک زرنگار کشور آفت
روزگار تھا شہزادہ دل از کف دادہ یکہ و تنہا صعوبت سفر کا مبتلا پاؤں میں چھالے لب پر

آہ وِنالے گرتا پڑتا کئی مہینے کے بعد اُس زمین خجستہ آئین میں پہونچا اور جو جو پتے طوطے نے بتائے تھے وہ سب اُس جا ریں پائے واقعی عجیب نواح شگفتہ وشاداب ہر سمت چشمہ ہائے آب جنگل سبزہ زار گل لوٹے خودرو کی انوکھی بہار ہوا فرحت انگیز بوباس مشک بیز جنوں خیز جانعالم خوش وخرم جلد جلد قدم اٹھاتا چلا جاتا تھا ایک روز چار گھڑی دن رہے کیا دیکھتا ہے کہ ایک شئے مثل آفتاب بصد آب وتاب شمال کی سمت درخشاں ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی عقل حیران ہے دل سے کہا آثار حشر نمود ہوئے یہ کیا قیامت ہے ہم مشاہدۂ جمال جاناں سے محروم رہے مشرق ومغرب کو چھوڑ سورج شمال کی طرف جا نکلا افسوس صد افسوس اب تک نہ دل کا مدعا نکلا جب قریب پہونچا دیکھا دروازہ ہے عالیشان سر بفلک کشیدہ دیدۂ روزگار ندیدہ لبسکہ مطلا ہے اور لعل ویاقوت اس کثرت سے جڑے ہیں کہ جوہری وہم وگمان حیران کھڑے ہیں شعاع آفتاب سے یکرنگی خورشید حاصل ہے شرمندہ اُس کے روبرو بدر کامل ہے یقین ہوا اب برسر مطلب پہونچا یہ وہی دروازہ ہے باب اُمید جس کا ذکر وہ سرخروزمرد لباس کرتا تھا۔ سجدۂ شکر بدرگاہ منزل رساں راہ گم کردگان کیا اور خوش ہوکر دوڑا فرد وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد: غرض افتاں وخیزاں در شہر پناہ پر آیا دروازہ جواہر نگار رفعت فلک دکھاتا دیوار ودر جگمگاتا بلور کی اینٹیں یاقوت کی تحریر ہر خشت مصفا ومطلا در بہشت کی طرح راحصن حصین بصد فر وتمکین بنا جا بجا برج برنجی وآہنی ڈھلی ہوئی توپیں چڑھیں گولہ انداز جوان جوان بغنتہ بادلے کے وگلے گلنار پہنے ایک پیچ سجے چست وچالاک توپوں کے بائیں دہنے ٹہل رہے زمین وآسمان ان کی ہیبت سے دہل رہے گلی کوچے صاف خس وخاشاک دروازے پر پانچ ہزار سوار لاکھ پیادے کی چھاؤنی کچھ جنگ کے لئے آمادہ تیار جانعالم نے اُن سے پوچھا اس شہر کا کیا نام ہے اور حاکم یہاں کا کون ذی احترام ہے اُنہوں نے دیکھا ایک جوان سرو قامت قمر طلعت خسوف سفر خاک رہگذر میں نہاں ہے مگر دبدبۂ شوکت و صولت نشان جرأت چہرۂ انور سے عیاں ہے وہ خود کہنے لگے آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں شہزادے نے کہا بھائی سوال دیگر جواب دیگر آخر ایک شخص نے کہا قبلہ اس ملک کو زرنگار کہتے ہیں سُنتے ہی چہرہ بشاشت سے کندن کی طرح دمکنے لگا جو بیت کا ذرہ تھا افشاں کی صورت

منہ پر چمکنے لگا دل سے کہا یہ خواب ہے یا بیداری طالع گردش دہ سے اُمید یاری و مددگاری نہ تھی ایسی قسمت ہماری یاور نہ تھی پھر کچھ نہ پوچھا یہ کہتا چلا مؤلف للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری ؛ طے ہوئی آج کی منزل میں مسافت میری ؛ دروازے سے آگے بڑھا شہر دیکھا قطعہ دار ہموار قرینے سے بازار کرسی ہر دوکان کی کمر برابر مکان ایک سے ایک بہتر و برتر بیچ میں نہر جا بجا فوارے سب عمارت شہر پناہ کے میل کی جواہر نگار سانچے کی ڈھلی ہاتھ کا کام معلوم نہ ہوتا تھا نہ کہیں بلندی نہ پستی ہموار ایسی ہوئی بستی ایک کا جواب دوسری طرف ادھر بزاز تو اُدھر بھی صراف کے مقابل صراف بازار کا صحن نفیس شفاف جوہری کے روبرو جوہری زر و جواہر کا ہر سمت ڈھیر نقد و جنس سے ہر شخص سیر کوئی شے کسی طرح کا اسباب ایسا نہ تھا کہ اُس بازار میں نہ تھا مغرب و مشرق کی اشیائے نادرہ کا ہر جا انبار تھا جنوب و شمال کا خریدار تھا حلوائی نانبائی کنجڑے قصائی سقوں کے کٹوروں کی جھنکار میوہ فروشوں کی پکار دلالوں کی بول چال جہان کا اسباب مال نہر کی کیفیت جدا قدِ آدم آبِ مصفا فواروں سے کیوڑہ گلاب اُچھلتا بازار مہکا ہر طرف دھوم دھام خلقت کا اژدہام چلنے پھرنے والوں کے کپڑے لٹتے ہوئے جاتے تھے وہم و گمان کشمکش سے بار پاتے تھے جان عالم قدرت حق دیکھتا جاتا تھا ہوش بجا نہ آتا تھا دل سے کہتا تھا اِنَّ اللہَ عَلیٰ کُلِّ شَیءٍ قَدِیْر کیا ملک کیا سلطنت کیا شہر کیا بازار ہے کیا کیا بیوپاری ہیں کیسا کیسا خریدار ہے ہر شخص کو آرام و راحت ہے کیا بندوبست کیا انتظام ہے کیا حکومت ہے جب چوک میں آیا پوچھا ایوان جہاں پناہ دولت سرائے شاہ کدھر ہے لوگوں نے کہا دست راست سیدھے چلے جائیے بازار طے کر عمارات بادشاہی پاس جب آیا اُن مکانوں کو نرا طلسم پایا عقل کام نہ کرتی تھی ہر کنگرہ ایوان فلک سے اونچا برج ہر ایک جہاں نما خورشید سا چمکتا لیکن جو لوگ درباری یا ملازم سرکاری آتے جاتے دیکھے سب سیاہ پوش خمخانۂ الم کے جرعہ نوش اُس کا ماتھا ٹھنکا پاؤں ہر ایک کئی من کا ہو گیا ہر شخص کا منہ تکتا تھا قدم اُٹھ نہ سکتا تھا کہتا تھا خدا خیر کرے شگون بد ہے دل کو بے قراری از حد ہے چند قدم اور بڑھا سواری کا سامان سامنے آیا نجوم بڑھا نیوکا شور بلند پایا دیکھا ایک خواجہ سرا پیرانہ سال زیرک و دانا محبوب علی خاں نام نواب ناظر سرا پردۂ شاہی باحترام وہ بھی بخاطر حزیں غمگین سیاہ پوش حواس باختہ ہوش فراموش

اندوہ و رنج سے ہم آغوش جانعالم نے سلام کیا وہ جواب دیکر شاہزادے کو دیکھنے لگا حیران و ششدر متحیر سا اور سواری روکی کہا سبحان اللہ و بحمدہ کیا تیری قدرت کی شان ہے جنس بشر میں کس کس طرح کا پری پیکر خلق کیا ہے کہ چشم کو تاب جمال، زبان کو صفت کی مجال نہیں نہایت متوجہ ہو کر پوچھا کہ اے شمشاد نورستۂ چمن جہانبانی و سرو نوخیز بوستان سلطنت و حکمرانی حضور کہاں سے رونق بخش اس شہر نحوست اثر کے ہوئے شہزادے نے کہا میاں صاحب خیر ہے ہم فقط اس شہر اور یہاں کے شہریار کے شوق دید میں وطن سے بعید ہو خستہ و خراب بادل مضطر و جان بیتاب یہاں پہونچے ہیں برائے خدا یہاں کی نحوست اپنی سیاہ پوشی کی علت بیان کیجئے خواجہ سرا نے یہ سنکر نعرہ مارا بے چین ہو کر پکارا کہ اے جوان رعنا تو نے یہ قصہ سنا ہو گا زینت تخت سلطنت رونق شہر موجد آبادی صاحب جاہ و حشمت مالکِ عفت و عصمت انجمن آرا یہاں کی شہزادی تھی شہرۂ جمال بیمثال اُس حور طلعت پری خصال کا از شرق تا غرب اور جنوب سے شمال تک زبان زد خلق خدا تھا اور ایک جہان حسن کا بیان سنکر نادیدہ اس کا مبتلا تھا آج تک چشم و گوش چرخ کج رفتار نے باین گردش لیل و نہار ایسی صورت دیکھی نہ سُنی تھی بہت سے شاہ شہریار اُس کے وادی طلب میں قدم رکھ کر تھوڑے عرصہ میں آوارۂ دشت ادبار پتھروں سے سر مار مار کر مصرع رہرو اقلیم عدم ہو گئے :: اب چار پانچ روز سے ہمارے طالع بیدار جاگتے جاگتے دفعتہً سو گئے ایک ساحر مکار جفا کار ربز ور سحر اسے محل سے اٹھا لے گیا ہنوز یہ جملۂ غم ناتمام تھا کہ جانعالم کا کام تمام ہوا آہ سرد کھینچ کر بحال خستہ و پریشان مثال قالب بیجان زمین پہ گرا اور بحسرت و یاس پکارا شعر جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی :: حیف ہے اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی :: اے گردون جفا پرداز و اے فلک عربدہ جو یہ کیا تیری خو ہے اتنی دور لاکر ناکام رکھا مؤلف عشرت کدے جہاں میں ہوئے سینکڑوں ولے :: اک دل ہمارا تھا کہ وہ ماتم کدہ رہا :: تاثیر آہ دیکھی نہ گریہ میں کچھ اثر :: ناحق میں اس اُمید پہ کرتا بکا رہا :: کیا دیکھتا ہے سینے کو میرے تو لے سرور :: اجڑا دیار اس میں نہیں دوسرا رہا :: شعر یہ کہکر وہ اس طرح غش کر گیا :: کہے تو کہ جیتے ہی جی مر گیا :: خواجہ سرا سخت گھبرایا سمجھا کہ یہ شخص بھی گرفتار محبت اسیر دام الفت اسی کا ہے مجھ سے بڑی غلطی ہوئی دفعتہً خبر بد سنائی نہ تھی آفت اسکی جان پر جانکر لائی تھی ہر چند گلاب کیوڑہ چھڑکا ہوش نہ آیا

بدحواس بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر رو کر عرض کی آج ماتم انجمن آرا تازہ ہوا بادشاہ نے فرمایا
کیا ماجرا ہے اُس نے عرض کی کہ کس ملک کا شاہزادہ اس کی محبت میں سلطنت سے ہاتھ اُٹھا فقیر
سج دھج بنا یہاں تک پہونچا ہے مجھ سے جادوگر کے اُٹھالے جانیکی خبر سُنکر آہ کھینچ زمین پر گرا ہے
ابتک ہوش نہیں آیا ہے عجب صدمہ دل پر دھر گیا ہے خدا جانے جیتا ہے یا مر گیا ہے کیا عرض کروں
غلام کی نظر سے اس سج دھج کا جوان پری پیکر آج تک از قسم بشر نہیں گذرا اگر ان دونوں کی صورت
آئینہ چشم میں بہم نظر آتی قران السعدین کی کیفیت کھل جاتی جو حضور ملاحظہ فرمائیں گے شہزادی کو
بھول جائیں گے لیکہ بادشاہ غم مفارقت انجمن آرا سے بیقرار تھا ارکان سلطنت سے کہا جلد
جاؤ جس طرح ہو اسے لاؤ لوگ دوڑے مُردے کی صورت اٹھالے گئے اس عرصہ میں

تصویر جانعالم کی بیہوشی اور خواجہ سرا کا اُٹھالے جانا



شام ہوئی بادشاہ نے ہاتھ منہ دُھلوایا بید مشک چھڑکا کیوڑا منہ میں چوایا لخلخہ سُنگھایا جانعالم
کو ہوش آیا گھبرا کر اُٹھ بیٹھا دیکھا ایک شخص تاج خسروانہ بر سر چار قب ملوکانہ در بر سن رسیدہ
لیل و نہار دیدہ بڑے کر و فر سے تخت پر جلوہ گر ہے اور چار ہزار غلام زریں کمر با شمشیر و خنجر اوچھی
بنا دست بستہ روبرو کھڑا ہے گرد امیر وزیر سپہ سالار پہلوان گردن کش اپنے اپنے قرینے سے

ہر ایک زینت دہ کرسی و دنگل ہے تہمتنوں کا جنگل ہے جانعالم اٹھا بطور شاہ شہر یار و شہزادہائے
عالی تبار رسم سلام بجالایا بادشاہ نے گلے لگایا پاس بٹھایا جب سے بادشاہ کی نظر پڑی تھی محو حسن
دلفریب مفتون چہرۂ مہروش و صورت پُرزیب ہو گیا تھا اور حضار مجلس بھی سب دنگ تھے
سکتے کے ڈھنگ تھے سب کو صدمہ تازہ یہ ہوا کہ ایسا وارث تاج و تخت ہاتھ آئے اور محروم
رہ جائے اُس وقت کا رنج و قلق شہزادے کا کوئی فراق کشیدہ سمجھے بقول مرزا حسین بیگ صاحب
شعر۔ حسرت پر اُس مُسافرِ بیکس کی رویئے ؛ جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے ؛ مگر باعث
شرم و حیا کے لازمۂ شرفا و نجبا ہے خاموش سینے میں غم کا جوش و خروش بادشاہ نے استفسارِ
وطن اور نام جد و آبا کیا یہاں فرط الم کثرت غم سے گلا گھٹ رہا تھا مگر ضبط کو کام کر کے
حسب و نسب اور ملک کا پتہ بتایا پھر سر جھکا شہزادی کا حال پوچھا بادشاہ نے فرمایا
اے گرامی اختر سپہر شہر یاری مدت سے ایک جادوگر اس نگر میں تھا یہاں بمرتبہ نگہبانی ہوتی
تھی لیکن وہ کافر دھوکا دیکر لے گیا آج تک محل میں نہیں گیا ہوں وہ محل جو عشرت کدہ خاص
تھا ماتم سرائے عام ہے ہر سُو شور رقت ہر سمت نالہ پُر آفت بلند ہے کھانا پانی حرام چھوٹا بڑا
مبتلائے آلام ہے جانعالم نے کہا کچھ بھی ثابت ہوا کدھر لے گیا بادشاہ نے فرمایا پانچ کوس تک
پتہ ملتا ہے آگے قلعہ ہے سر بفلک کشیدہ آگ سب بھری ہے شعلہ سرگرم تا چرخ چنبری ہے
اور انگاروں کا انبار تا کرۂ نار ہے وہاں کا حال نہیں کھلتا عقل بے کار ہے مگر قرینے سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہ سحر کا کارخانہ ہے شہزادے نے کہا خیر اگر حیات مستعار باقی ہے بہ مدد
ایزد کہاں جاتا ہے یہ کہہ کر اُٹھا کہ قبلہ خدا حافظ بادشاہ لپٹ گیا کہا بابا خدا کیواسطے اِس
خیال محال سے درگذر طائر خیال کے اُس دشت میں پر جلتے ہیں پیک صبا کے پاؤں میں چھالے
پڑتے ہیں دوسرے مجھے مفارقت تیری کب گوارا ہے ایک کو دھوکے میں کھویا تجھے دانستہ
جانے دینے کا کہاں یارا ہے ایسی آفت میں تجھ سے جوان کو جانے دوں بڑھاپے میں بدنامی لوں
سلطنت حاضر ہے بسم اللہ حکمرانی کر میں ضعیف ہوں گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کروں شہزادے
نے عرض کی یہ تخت و سلطنت حضور کو مبارک ہے بندہ آوارۂ خانماں ننگ خاندان
گھر کی حکومت و ثروت چھوڑ عزیزوں کا منہ موڑ خراب و خستہ سرگردان در بدر حیران و پریشان ہو

یہاں تک پہونچا اب یہ کلمہ ہتک کا اور ذلت کا سُننے کو زندہ رہے ملک بیگانے میں بادشاہت
کرے لوگ کہیں جادوگر تو شہزادی کو لے گیا یہ شخص بے عزت جیتا رہا سلطنت کرنے لگا جوانمردی
سے بعید ہے عاشق کو معشوق کی راہ میں جان دینا عید ہے لا اعلم تا سر ندہم پا نکشم از سر کویش
نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد :: پگ آگے پت رہے اور پگ پاچھے پت جائے مصرعہ
قدم عشق پیشتر بہتر :: جس مددگار نے ہزار بلا سے بچا کر یہاں تک زندہ و سلامت پہونچایا ہے
وہی وہاں سے بھی مظفر و منصور آپ سے ملائیگا نہیں تو یہ صورت نحس لوگوں کو دکھانی کیا ضرور
ہے گو بشر مجبور ہے لیکن اس ذلیت سے آدمی مرنا گوارا کرے بے موت مرے پہلے جب عقل
و عشق سے معرکہ اٹکا تھا میرا جی کھٹکا تھا عقل کہتی تھی ماں باپ کی مفارقت اختیار نہ کرو
سلطنت سی شے نہ چھوڑو عشق کہتا تھا ماں باپ کس کے بادشاہت کیسی سر رشتہ الفت غیر توڑو
کوچۂ دلدار کی گدائی سلطنت ہفت اقلیم ہے اگر میسر آئے بے یار خدا کسی کی صورت نہ دکھائے
عقل کہتی تھی آبرو کا پاس کرو ننگ خاندان نہ ہو غریب الوطنی سے عار کرو صحرا نوردی نہ اختیار کرو عشق
کہتا تھا یار کے ملنے میں عزت ہے بادیہ پیمائی میں بہار ہے تشنہ خون آبلہ مدت سے صحرا کا خار ہے
عقل کہتی تھی کہ لباس شاہی قبائے فرمانروائی چاک نہیں کرتے دانشمند جادۂ راستی سے خلاف قدم
نہیں دھرتے عشق کہتا تھا لباس عریانی ہے عقل دیوانی ہے یہ وہ جامہ ہے جسے احتیاج شست و
شو نہیں کیسی ہی ہاتھا پائی ہو چاک نہ ہو کسی آلائش سے ناپاک نہ ہو اصلا کار سوزن و رفو نہیں نہ
باربرداری اُس کو چاہیئے نہ چور کا ڈر نہ راہزن کا خطر ہے پانی سے بھیگے نہ آگ سے جلے سڑے
نہ گلے گلے سے کبھی جلا نہ ہو نہ کوئی اُس کو لے سکے نہ خود کسی کو دے سکے نہ دشت وحشت میں اس کا
تار آئے نہ اُس کے دامن تک خار آئے نہ اُس کا جسم لاغر پر بار ہے مسافر صحرائے محبت کو
یہی درکار ہے آتش تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس :: یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا
نہیں سیدھا اُلٹا :: آخر کار بعد تکرار عقل کو شکست فاش ہوئی کوچۂ دلبر کی تلاش ہوئی نام سے
نفرت ننگ سے تنگ ہو نشان ہوس سلسلۂ دیوانگی ہاتھ طبیعت عشق کی محکوم ہوئی وحشت
کی دھوم ہوئی دامان غیرت گریبان حیا چاک ہوا ننگ و ناموس کا قصہ بکھیڑا پاک ہوا ایک پرندہ کہ طوطا
تھا رہبر و مددگار ہوا دوسرا دوندہ وہ وزیر زادہ تھا تنہائی میں غمگسار ہوا پھر تو سلطنت اور وطن چھوٹ عزیز و

یگانوں سے رشتۂ محبت توڑ رہ نوردِ بادیۂ حرمان اور کام فرمائے دست ادبار ہوا لیکن اُس کا ساتھ بھی نہ سزاوار ہوا پہلی بسم اللّٰہ یہ غلط ہوئی کہ منزل اوّل میں طوطا اُڑ گیا وزیرزادہ ہرن کے ملنے سے چھوٹ گیا وہ جو اثاثہ ظاہر کی دلگی کا تھا لُٹ گیا تنہائی ہمراہ ہوئی ہمدم گرم سرد آہ ہوئی کچھ دنوں کے بعد طلسم میں پھنسایا ہمیں رُلا کر دشمنوں کو ہنسایا تھوڑی سی آفت اٹھا کے رہائی پائی سمت مطلوب کی راہ ہاتھ آئی مگر نہ سنگ نہ نشان دیکھا نہ میل نظر آیا گرد کاروان دیکھی نہ صدائے زنگ و جرس سُنی نہ راہبر ملا نہ کفیل نظر آیا سواری چھٹی پیادہ پائی ملی نکرغیر سے رہائی ملی جب اس منزل میں حضرت عشق نے آزمایا باوجود آبلہ پائی اور خلش خار صحرا ثابت قدم پایا دوسرے مرحلے میں امتحان مدنظر ہوا پریوں کے اکھاڑے میں گذر ہوا ایک ماہ سیما کو اس جانب میلان ہوا پھر وہی عیش و نشاط کا سامان ہوا بہت سے نیرنگ دکھائے ہر شب عجب دن آگے آئے للّٰہ الحمد کہ شیشۂ عصمت سنگ ہوا و ہوس سے سالم رہا وحشت دل کا بدستور عالم رہا رخصت میں مصلحت جانی جوان و پیر کی بات نہ مانی اب گھر پہونچکر دھوکا کھانا جان بوجھ کر بھول جانا کس ملت میں روا ہے یہ نرا وسوسہ ہے مجھ سے وحشی سے ایسی ہوشیاری دور ہے جیتے جی مرگ منظور ہے

تصویر محل سرائے شاہی و بیگمات و جانعالم و پادشاہ مع نواب ناظر خواجہ سرا



اس گفتگو کی خبر محل میں پہونچی کہ آج اسطرح کا مہ جبین انجمن آرا کا عاشق وارد ہوا تھا وہ بھی حرارت محبت سے اسی آگ میں جلنے جاتا ہے انجمن آرا کی ماں در دولت سرا پہ چلی آئی خواجہ سرا دوڑے بادشاہ سے عرض کی جلد شہزادے کو لیکر محل میں رونق فرما ہو جئے بادشاہ جانعالم کو ہمراہ لے آرامگاہ میں تشریف لایا وہ بھی ہزار جان سے نثار ہو دیرتک پروانہ وار اس شمع انجمن سلطنت کے گرد پھری رنڈیوں نے گھیر لیا سب کو قلق ہوا غرضکہ بہزار سعی بادشاہ نے بمنت صبح کی رخصت پر اس شب روکا پھر خاصہ طلب کیا شہزادے نے انکار کیا وہی نواب ناظر حاضر تھا پاؤں پر گرا سمجھایا پیر مرشد کئی دن سے محل میں کھانا پانی سب کو حرام ہے جو آپ کچھ بھی نوش فرمائیں گے تو یہ سب کھائیں گے ناچار باخاطر فگار دو چار نوالے پانی کے گھونٹ سے حلق میں اتارے پھر ہاتھ منہ دھو نیند کا بہانہ کر پلنگ پر جا لیٹا مگر نیند کس کی اور سونا کیسا مؤلف وادر دیدہ سدا رہتا ہے تیری یاد میں :: آنکھ جب سے لگ گئی روتے ہیں سو جانے کو ہم :: پھر لیٹے لیٹے انجمن آرا کا تصور کر دم گرم آہ سرد سینے سے بھر کر یہ پڑھنے لگا ابیات تجھ بن ہے خواب زندگانی :: ہے مجھ کو عذاب زندگانی :: اتنا تو نہ چھپ کہ بے کفن کا :: گھبرا کے نقاب زندگانی :: جب کروٹیں بدلتے بدلتے پسلیاں دکھ جاتیں اور بیقراریاں ستاتیں تو دل بیتاب کو مستعد ضبط آمادۂ جبر و صبر کر یہ کہتا نظم کمال ضبط کو عاشق کرے اگر پیدا :: کہاں کی آہ کرے بات بھی اثر پیدا :: ہزار رنگ زمانے نے بدلے پر افسوس :: کہیں ہوئی نہ شب ہجر کی سحر پیدا :: کریگی ہمسری نالے کی میرے تو بلبل :: شعور اتنا تو کر جا کے جانور پیدا :: ہمیشہ ہاتھوں سے ان کے رہا ہوں میں جلتا :: یہ زور گرم ہوئے تھے دل و جگر پیدا :: یہ دل میں ذوق اسیری ہے جو قفس میں مدام :: میں نوچتا ہوں جو ہوتے ہیں بال و پر پیدا :: الغرض بصد نالہ و آہ کراہ کر صبح کی بعد فراغ نماز سوز و گداز مرنے پہ کمر باندھی شب کو یہ خبر عام ہوئی کہ کل جادوگر کی لڑائی کو شہزادہ آمادہ ہوگا پہر رات رہے سے مجمع عام در دیوان خاص پر تھا یکایک بادشاہ تخت پر سوار برابر شہزادہ والا تبار برآمد ہوا چشم مشتاقان میں نور طور نزدیک و دور تجلی کر گیا ہر شخص روبہ قبلہ ہو دعائے فتح و ظفر اس ماہ پیکر کی مانگنے لگا القصہ جہاں تک لوگ آتے جاتے تھے بادشاہ ساتھ آیا آگے بڑھنے کو تاسف لایا جانعالم نے قسمیں دیکر رخصت کیا ناچار با دل داغدار خاطر فگار قلعہ میں داخل ہوا مگر

وہاں سے ڈیوڑھی تک صدہا ہرکارہ صبا دم متعین کیا کہ ہر دم کی خبر حضور میں پہونچے جانعالم پھر اکیلا با حسرت و یاس رہا غم دلبر رفیق قدیم پاس رہا یہ شعر پڑھتا آگے چلا مصحفی اے غم یار میں بندہ ہوں رفاقت کا تری :: کیا تونے گوارا میری تنہائی کو :: آگ کا قلعہ سامنے تھا آسمان سے زمین تک بجز شعلہ جوالہ یا برج آتشیں یا انگاروں کا ڈھیر اور کچھ نظر نہ آتا تھا شہزادہ غور سے دیکھنے لگا ایک ہرن اس آگ سے نکلا اچھل کود کر پھر اس میں غائب ہوا جب مکرر آمد و رفت کی جانعالم نے لوح پیر مرد کی دیکھی اسمیں معلوم ہوا کہ اگر یہ اسم پڑھ کر ہرن کو تیر مارا اور خطا نہ کی طلسم ٹوٹ جائیگا اور اگر نشانہ چوکا خود آماجگاہ خدنگ قضا ہوا کوئی راکھ کے سوا پتہ نہ پائیگا شہزادے نے کہا جو ہرن مارا تو لطف زندگی ہے نہیں حیلہ مرگ خوب ہے بے یار جینا معیوب ہے یہ سوچ لب سوفار چلّے سے جوڑ شست مشت برابر کر اسم شروع کیا اُدھر ہرن نکلا ادھر تیر کمان سے سرگوشی کر چلا بسکہ یہ قدر انداز تھا اُس کی قضا دامنگیر تیر دو سارہوا فردوسی فلک گفت احسن ملک گفت زہ :: ہرن زمین پر گرا آسمان سے دار و گیر کا غل اٹھا ہاں ہاں لیجیو گھیر لو جانے نہ پائے قریب تھا خوف سے جی نکل جائے زمانہ تیرہ و تار صحرا پر غبار ہوا گھڑی بھر میں وہ تاریکی دور ہوئی آفتاب نمودار ہوا نہ آگ رہی نہ قلعہ برابر سطح میدان نہ انسان نہ حیوان مگر چبوترے پر لاش جھلسی ہوئی پاش پاش دیکھی یعنی وہ جادوگر کریہ منظر سیندور کا ٹیکہ ماتھے پر زرد زرد دانت ہونٹوں کے باہر منہ مہری سے گندہ شیطان کا بندہ بالوں کی لٹیں لٹکی ہڈیاں کھوپڑیاں گلے میں پڑیں کالا بھجنگا ۔بدن سے ننگا تیر سے چھد کر جہنم واصل وہ حواصل ہو گیا شکر کا سجدہ بجا لایا قدم ہمت آگے بڑھایا ہرکارے یہ ماجرا دیکھ فوراً حضور میں حاضر ہوئے بعد دعا و ثنا عرض کی کہ اے شہریار ذوی الاقتدار فتح مبارک شہزادہ بلا کا پتلا ہے ایک تیر میں وہ آگ کا قلعہ ٹھنڈا کر سرگرم راہ ہوا بادشاہ مژدۂ فرحت افزا سن کر خوش ہوا فرمایا یقین کامل ہے کہ جانعالم بہ مطلب دلخواہ مراجعت کریگا فتح و فیروزی شامل ہے ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات خبر داروں کو خلعت و انعام موافق قدر و منزلت مرحمت کر پھر روانہ کیا اس عرصہ میں شہزادہ وہ وادی پر خطر میدان سراسر ضرر کو طے کر متصل قلعہ سحر جہاں انجمن آرا قید تھی پہونچا وہ عجیب معلق قلعہ تھا زمین سے چار پانچ گز بلند ایک تختہ کمہار کے چاک کی طرح باعث سحر گردش میں تھا کہ نگاہ کام نہ کرتی تھی

تصویر جان عالم اور قلعۂ آتشیں اور ہرن کا مارا جانا اور جادوگر کی لاش



آنکھ کی پتلی اتنا جلد نہ پھرتی تھی بلند ایسا کہ دیکھنے سے پگڑی گرتی تھی جب انعالم وہاں ٹھہرا وہ
قلعہ حرکت سے ساکن ہوا اُس وقت مفصّل نقشہ معلوم ہوا کہ قلعہ ہے جواہر نگار بازیب و زینت
بسیار دروازے چار ہیں برج گنے نہیں جاتے ہزار در ہزار ہیں کمند فکر اُس کی بلندی کے روبرو
کوتاہ ہے ہر طرف سے مسدود راہ ہے جہاں جان عالم کھڑا تھا ز مرد کا بنگلہ نظر آیا اُس میں سے
آواز آئی اے اجل رسیدہ کیوں ملک الموت کو چھیڑتا ہے زندگی سے منہ پھیرتا ہے مجھے تیرے حُسن و
صورت پہ رحم آتا ہے جلد یہاں سے جا خطائے اوّل عوض خوبیٔ شکل و شمائل معاف کی وگرنہ

بایں شدائد خواری قتل کروں گا کہ آسمان تیرے حالِ پریشان پہ خون رُوئے گا ساکنانِ زمین کو گوشت پوست ہڈیوں کا پتہ نہ ملے گا بادشاہ تیرے غم میں جان کھوئے گا اس دشت کی خاک تیرے لہو سے رنگین ہوگی روح بھی تا حشر خوابِ مرگ میں آرام سے نہ سوئے گی شہزادے نے ہنس کر کہا کہ اے مادر بخطا تو کیا ہماری خطا معاف کرے گا کہاں تک لاف و گزاف کا کام بھرے گا انشاءاللہ تعالیٰ اور تو کیا کہوں تجھے بھی اسی کے پاس بھیجتا ہوں یہ سنکر وہ جھلایا بغلے سے سر نکال بھوڑے ماش اُس بدمعاش نے اور کالا دانہ نکالا اُسوقت چرخ چکر میں آیا اور زمین تھرائی جب سرسوں میں ہنو لے اور رائی ملائی پھر تلیا میتا اور لونا چماری کو پکارا ان دانوں کو اُس احمق نے آسمان کی طرف پھینک مارا دفعۃً ابرِ تیرہ و تار گھر آیا شہزادے پر پتھر اور آگ کا مینہ برسایا یہ بھی اسمائے ردِ سحر پڑھتا آگے بڑھتا تھا جب آگ قریب آتی پانی ہو کر بہہ جاتی اور پتھر بھی ہر ایک خاک تھا البا وہ اسمِ پاک تھا جادوگر خفیف ہو کر سحرِ تازہ کی فکر میں تھا جانعالم نے لوح کو دیکھا اس میں نکلا کسی طرح لوح کو قلعہ کی دیوار سے لگا دے پھر قدرتِ خالق کا تماشہ دیکھ لے شہزادے نے بجراٗت تمام تر اُچک کر لوح دیوار سے لگائی اُس پر آفت آئی مرتبہ اوّل سے زیادہ چکّر میں آیا پھرتے پھرتے اس طرح کی صدائے ہیبت ناک آئی کہ ہزار توپیں ایک بار چھٹیں تو ایسی نہ ہو بدرجہ مہیب تھی کہ گاؤ زمین کا کلیجہ ہل گیا خورشید بُرجِ اسد میں چھپ کر دہل گیا زمانہ کا رنگ دگرگوں ہوا جنگل گرد و برد ہو گیا وہ کافر آتش پرست سرد ہو گیا لرزاں کوہ دماوں ہوا میدان بیاہ بلند صدائے نالہ و آہ ہوئی چار گھڑی میں وہ تاریکی دُور ہوئی شہزادے کی طبیعت مسرور ہوئی نہ قلعہ نظر آیا نہ مکانات کا نشان پایا لیکن ریت کا ٹیلہ سرکنڈے گڑے اور کچّا سوت نیلا پیلا ان پر لپٹا کچھ پھپک پڑے اس میں وہ ماہِ شب افروز حور کی صورت نور کا عالم پریشان بدحواس سراسیمہ متحیر کوئی آس نہ پاس ہر سمت حیران ہو ہو دیکھ رہی تھی جانعالم نے پہچانا تاب نہ رہی جی سینے میں رنجِ محبت سے سنسنایا اکیلے دیکھ کے کلیجہ منہ کو آیا ہر چند ضبط کیا نہ ہو سکا تھرّاتا دم چڑھا جاتا دوڑ دوڑ کر گر گر پڑنے لگا لڑکھڑاہٹ سے گرنے لگا انجمن آرا نے شرما کر سر جھکا کر کہا سنبھلو صاحب کچھ پاسِ لحاظ کسی کا نہیں یوں بیباکانہ پاس چلے آنا حرکت مجنونانہ ہے مگر اسی گفتگو میں آنکھ بھی چار ہو گئی سنانِ الفت ادھر تو گڑی تھی ادھر بھی دو سار ہو گئی شہزادہ خنجرِ عشق کا زخمی قدیم تھا وہ تازہ شمشیرِ محبت کی گھائل

ہوئی طبیعت اُدھر مائل ہوئی بدن تھرّآیا جانعالم نے یہ سُنایا میرسوز جب کو نہ ہو شکیب نہ تاب فغاں رہے ❊ تیری گلی ہیں وہ نہ رہے تو کہاں رہے ❊ آہستہ رو تو منزلِ مقصود کو گئے ❊ رفتار گرم تھے سو ہمیں درمیاں رہے ❊ بندہ نواز حال پہ میرے کرو نگاہ ❊ ہے جائے گریہ کہ پسِ کارواں رہے ❊ یہ کہہ کر گر پڑا غش آ گیا عشق کی نیرنگیاں نہاں نہیں حاجت اظہار و بیان نہیں کشش اسکی چھوٹے

تصویر جانعالم اور انجمن آرا مع قلعہ کنندرا شتہ پہنچنا اور جانعالم کا بیہوش ہو کر گرنا سر زانوئے انجمن آرا



بڑے پہ آشکارا ہے ہزاروں کو اُس نے فریب سے مارا ہے انجمن آرا کو دلِ مضطر نے تڑپ کر سمجھایا بیقراری ہیں اس پر قرار آیا کہ یہ منقرعاشق صادق ہمارا ہے جو ایسی بلا سے نڈر سر کو ہیچ کر اُس وادی میں پاؤں دھرا ورنہ اتنے گذرے بیکسی کے سوا کوئی ہمدم شریک زندانِ غم نہ تھا دل قبضۂ اختیار سے جاتا رہا حجاب ہر چند مانع آتا رہا مگر جانعالم کا سر اپنے زانو پر رکھا چہرے کی گرد جھاڑی غشی تو کبھی آنکھ سے دیکھی نہ تھی گھبرا کے رونے لگی اس طرح روئے یار دھونے لگی اور یہاں جو بوند آنسو کی منہ پر پڑی اور دماغ میں خوشبوئے کنار دلدار چڑھی لخلخے کا کام کر گئی گلاب کیوڑہ چھڑکنے کی حاجت نہ رہی آنکھ کھول دی سبحان اللہ سر خاک افتادہ کنار یار زانوئے دلدار پر پایا ناز و نیاز نے دماغ عرشِ اعلیٰ پر پہونچایا اور پاؤں پھیلایا یہ اترایا انجمن آرا نے جھجک کر گھٹنا سرکایا جانعالم نے چشم نیم وا

سے شہزادی کا منہ دیکھا اور کہا ہماری بیہوشی ہشیاری سے اچھی تھی مؤلف میں جو چونکا تو وہ
بھی چونک پڑا ؎ ہوئی غفلت جو ہوشیار ہوا ؎ یہ کہہ کے آنکھیں بند کر لیں کہ پھر ہمیں غش آیا کیوں
تم نے زانو سر کا یا انجمن آرا نے کہا کیا خوب اتنا اختلاط میری چڑھ ہے بیٹے تیری محبت اور مشفقت
پر نظر کر کے یہ انسانیت کی حرکت کی تھی تم چل نکلے خدا جانے دلمیں کیا سمجھے اپنی راہ لیجئے چلتا
دھندا کیجئے واہ واہ نیکی برباد گنہ لازم جانعالم نے جواب دیا استاد خاک ہی اپنی اٹھے تو اس مکان
سے اٹھ سکے ؎ ہم جہاں جوں نقش پا بیٹھے نہ واں سے اُٹھ سکے ؎ اِلّا چور کی داڑھی میں تنکا تمہیں
اپنا عاشق کبھی نہ سمجھوں گا نہ معشوقوں کے دفتر میں آپ کا چہرہ لکھونگا انجمن آرا نے کہا چہ خوش
بھلا دل تو بہلا لو کچھ ہو یا نہ ہو زبان کا مزہ نکالو یہ تو وہی مثل ہوئی مان نہ مان میں تیرا مہمان
تمہارا بعینہ حال یہ ہے فرد چہ خوش گفتست سعدی در زلیخا ؎ الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و
ناولہا ؎ عشق اور عاشقی کی باتیں مری بلا جانے رمز و کنایہ کسی اور سے جا کر کرو اپنا چو چلا نہ کر
دکھو اپنی صورت تو غور سے دیکھو یہ تم نے سُنا نہیں شاید مثل حلوا خوردن را روئے باید ؎ جانعالم
نے کہا میں بیچارہ خستہ تن غربت زدہ دور از وطن مہنت پن کہاں سے لاؤں کیونکر ویسی
صورت بناؤں ایک ہنستا ہے ایک روتا ہے کفر و اسلام میں بڑا فرق ہوتا ہے تمہیں ابھی تک
موہن بھوگ کا ذائقہ نہیں بھولا ہے دم تقریر زبان پر حلوا ہے ہم نے آپ کے واسطے جوگ لیا
سلطنت کو تج دیا اب مراد پوری ہوئی دور دوری ہوئی انجمن آرا پتے کی سنکر کھسیانی ہوئی کہا
چلو صاحب وہ مُوا قربان کیا تھا اپنی چونچ بند کرو کٹی جلی کی ہنسی اپنے گھر جا کر کرو سحر و جادو
زور و ظلم مکر و فریب سے انسان ناچار ہے اسمیں کسی کا کیا اختیار رہے مگر خیر اور جو چاہیئے کہہ لیجئے در
پردہ کیا صاف صاف گالیاں دیجئے یہ باتیں قسمت کی گردش سنواتی ہے دیکھوں ابھی تقدیر آگے
کیا کیا دکھاتی ہے اگر خدا ہمارا گھر بار چھڑا موذی کے بس میں نہ پھنساتا تو ہر ایک راہ چلتا ہمیں کلمے
کو ایسی باتیں سُناتا جانعالم یہ سُنکر ڈر گیا رنگ زرد ہو گیا خجالت سے مر گیا سہم کر آبدیدہ ہو کہنے لگا
میری کیا مجال جو آپ کو کچھ کہوں میں تو خانماں آوارہ مُسافر ہوں انصاف تو کرو تم کتنی ہٹ دھرم
احسان فراموش ہو ہنسی میں رو دیا ہمیں دونوں جہان سے کھو دیا انجمن آرا نے دیکھا اس کے آنسو
جاری ہچکی طاری ہے مسکرا کر کہا ایک بات مطلب کی کہی مگر سچ ہے اوچھے کا [illegible]

احسان بُرا ہوتا ہے ٭ خاطر جمع رکھ اپنے گھر چل کر تجھے مال و زر سے لادونگی کہ تو چل نہ سکے گا بوجھ سے ہل نہ سکے گا شہزادے نے کہا آخر سلطنت کا گھمنڈ آیا ہمیں محتاج جان کے یہ فقرہ سُنایا ہم بھی کبھی حاجت روائے عالم مشہور تھے مگر الفت سے مجبور تھے اگر تم پہ عاشق نہ ہوتے کیوں سلطنت کھوتے سر پر ہاتھ رکھ کر روتے یہاں تو یہ نوک جھونک چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی۔ وہاں خبر فتح و ظفر ہرکاروں نے بادشاہ کو پہونچائی وہ تو ہمہ تن گوش تھا اُسی وقت مع ارکان سلطنت روانہ ہوا سکھیاں ہمراہ لیا صبا اور سناٹے میں آپہونچا جو نزدیک تھے دور کھڑے ہے کہاریان بادشاہ کا تخت

تصویر سواری شہزادہ و بادشاہ ایک تخت پر اور انجمن آرا کا سکھپال اور محلات کی عورتوں کا ہجوم



قریب لائیں انجمن آرا منہ چھپا کر بیٹھ گئی جانعالم پاس سے سرکا بادشاہ تخت سے اترا جان عالم کو
گلے لگایا جرأت کی تعریف کی ہمت پر تحسین و آفرین کی پھر بیٹی کو چھاتی سے لگایا سکھپال میں سوار
کیا شہزادے کو برابر تخت پر بٹھا لیا ترقی خواہاں دولت ملازمان قدیم نزدیک آئے زر سرخ
وسفید تخت اور سکھپال پر نثار کیا اسقدر روپیہ اشرفی تصدق کیا کہ آج تک جو محتاج مسافر ادھر
جاتے ہیں چاندی سونا پاتے ہیں نصیب جاگ جاتے ہیں بادشاہ کے پھرتے پھرتے جلوس سواری
نوبت نشان فوج سب سامان آپہونچا اہل شہر یہ خبر سنکر ہزاروں دوڑے شادیانے بجاتے
مبارک سلامت کا غل مچاتے شہر میں داخل ہوئے ملک کی رونق گئی ہوئی پھر آئی خلقت نے
جان تازہ پائی محل میں انجمن آرا رونق افروز ہوئی سب کو شادی نوروز ہوئی محل والیوں نے
کہرام مچایا بادشاہ نے فرمایا یہ خوشی کا وقت ہے نہ ہنگام غم اسی طرح سب بچھڑے خدا کی عنایت
سے باہم ہوں انجمن آرا کی ماں گرد پھرتی تھی دمبدم سجدہ کرنے کو زمین پر گرتی تھی کہتی تھی ہمارے
دن اللہ نے پھیرے مگر بدولت جانعالم انجمن آرا جب یہ نام سنتی خوش کیا کھل جاتی الا لوگوں کے
سنانے کو تجاہل عارفانہ کرکے یہ سناتی صاحبو یہ کیا بار بار کہتے ہو جو میرا مقدر سیدھا نہوتا تو وہ
کون تھا جو دن پھیرتا ہم صحبتیں مزاجدان اس کہانی سے تاڑ گئیں کہ آپکی بھی آنکھ بڑی طبیعت لڑی
جب اس کی ماں سرکی وہ سب پاس آکے کہنے لگیں ہے ہے ہم تو تیری مفارقت میں مرتے تھے
زندگی کے دن گھڑیاں گن گن بھرتے تھے یہ صورت اللہ نے دکھائی یا جانعالم کی جوتیوں
کے صدقے سے نظر آئی جس طرح ہمارے مطلب دلی ملے خالق اُس کی بھی جی کی مراد دے
انجمن آرا غصہ کی شکل بنا تیوری بھوں چڑھا کہنے لگی تم سبھوں کی شامت آئی ہے کیا بیہودہ
بک بک مچائی ہے چوچلے کی خوبی بزرگی خوردی سب ڈوبی واہ واتم نے بیری چڑھ نکالی اپنی
دانست میں دیوانی بنالی خدا جانے یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے سبھوں نے میرا مغز کھایا
ہے اسے تو کیا کوسوں وہ تو مسافر بے چارہ ہے جی میں آتا ہے اس کا منہ نوچ لوں جب جب یہ نخرہ
بگھارا ہے اے بھائی مجھے بھڑوگی تو رو دونگی اپنا سر پیٹ لونگی یہ کہہ کر مسکرانے لگی ہونٹ چبانے لگی آپہیں سرد
کنائے سے تمام ملازمان بادشاہ مع روسا رتی خواہ نذریں لیکر حاضر ہوئے شہر میں منادی ہوئی کہ
جتنے ساکنان قلمرو بادشاہ ہیں فقیر سے ہفت ہزاری بڑے آدمی سے بازاری تک آج کاروبار موقوف کر

ناچ دیکھیں خوشی کریں اور جسے معذور نہ ہو سرکار سے تو تمام شہر میں عیش و نشاط راگ رنگ کی مجلس بافرحت و انبساط ہوئی بادشاہ نے جشن جمشیدی کیا تمام شب بادۂ گلگوں کا دور رہا ناچ گانا صحبتِ بے تکلفانہ کا یہ طور رہا دم صبح بادشاہ کیوان جاہ دیوانِ عام میں رونق افزا ہوا اس قدر زر و جواہر محتاج فقیروں کو عنایت و امداد ہوا کہ کاسۂ گدائی ان کا جام و صراحی سے مبدل ہو گیا محل میں برجس رت جگے صحنک جابجا کونڈے حاضری دونے پڑیاں منتوں کی جس جس نے مانی تھیں کرنے بھرنے دینے لگیں اور ڈومنیاں تڑاق پڑاق پر پوش خوش گلو باانداز مع سامان و ساز حاضر ہوئیں مبارک سلامت کہکر شادی مبارک گانے چھپے مچانے نئی مبارک باد سنانے لگیں مؤلف شادی و جشن سزاوار مبارک ہووے ؛ آج شہزادی کا دیدار مبارک ہووے صد و سی سال سلامت رہے باامن و اماں ؛ حسن کی گرمی بازار مبارک ہووے ؛ وہ بھی دن آئے جو سہرا بندھے سر پہ اُسکے ؛ سب خوشی سے کہیں ہر بار مبارک ہووے ؛ بعد شادی کے خدا دے کوئی فرزند رشید ؛ ہم کہیں آکے یہ دلدار مبارک ہووے ؛ خار کھاتے رہیں کمبخت جو دشمن ہوں سرور ؛ دوستوں کو گل و گلزار مبارک ہووے

بیان جلسۂ شادی اُس وطن آوارہ کا انکار کرنا اُس مہر سیما ماہ پارا کا اور ماں کا سمجھانا اُس کا شرما کے سر جھکانا پھر سامان برات کا مزا لوٹنا پہلی رات کا

کدھر ہے تو اے ساقی گلعذار ؛ مرا غم سے دل ہو گیا خارہ خار ؛ پلا دے کوئی ساغر لالہ رنگ ؛ جوانی کی لائے جو دل میں ترنگ ؛ سہے کتنے صحرا نوردی کے رنج ؛ بھلا کچھ تو شادی کا ہوں نغمہ سنج ؛ سرود سرایان بزم شادی و نغمہ پرداذان محفل عروسی و دامادی انجمن بیانی میں یوں زمزمہ سنج ہوئے ہیں کہ جب جلسۂ عیش و طرب سے فرصت سب کو ہوئی ایک روز بادشاہ جم جاہ محل سرائے خاص میں جلوہ بخش تھا بی بی سے خلوت میں فرمایا کہ حقوق اور احسان جیسے جان عالم کے ہمارے ذمۂ ہمت پر ہیں تمام عالم جانتا ہے اور یہ بھی نزدیک و دور مشہور ہے کہ عشق انجمن آرا میں نادیدہ مبتلا ہو سلطنت کھو یہاں آیا ہے اور کس مردانگی سے جادوگر کو مارا اور سحر کے پھندے سے چھڑایا ہے اسکے قطع نظر صورت سیرت خلق و مروت ہمت و جرأت

یہ جتنی صفتیں ہیں سب خالق نے عطا کی ہیں حسب عالی نسب والا حسن میں مہر و ماہ سے نرالا مناسب
کیا ضرورت ہے کہ جلد سامان شادی درست کر منعقد کرو خدا جانے آج کیا ہے کل کیا ہو کار
امروز بفردا مگذار اس نے عرض کی کہ جو رائے اقدس میں گذرا یہی میرا عین مطلب تھا
بادشاہ نے فرمایا آج انجمن آرا سے یہ مقدمہ اظہار کر کے جواب باصواب حاصل کر لو کل سے سرگرم
سامان شادی ہو یہ کہہ کے بادشاہ دیوان عام میں رونق افزا ہوا انجمن آرا کو ماں نے طلب کیا
اور دو چار مغلانیاں آتونیں سن رسیدہ محلداریں جہاں دیدہ قدیم جو تھیں انہیں بلوایا شہزادے
کی جلیسیں بھی یہ سنکر بے بلائے آئیں اُس نے پہلے بیٹی کو گلے سے لگایا پیار کیا پھر کہا سنو پیاری
دنیا کے کارخانہ میں یہ رسم ہے کہ بادشاہ کے گھر سے فقیر تک بیٹی کسی کی ماں باپ پاس ہمیشہ نہیں
رہتی اور غیرت دار کے گھر میں لڑکی جوان ہر وقت رنج کا نشان خفت کا سامان ہے اور خدا و
رسول کا حکم بھی یہی ہے کہ جوان کو بٹھا نہ رکھو شادی کر دو ورائے ان باتوں کے ایک شخص
نے تمہارے واسطے گھر بار چھوڑا سلطنت سے ہاتھ اُٹھا کسی آفت سے مُنہ نہ موڑا جی
پر کھیل گیا کیا کیا بلائیں جھیل گیا سر کھپی اور جان جوکھوں کی جب تم نے ہم کو دیکھا ہم نے
تمہاری صورت دیکھی شکل میں پری شمائل فرخندہ خو فرشتہ خصائل تمام شہر عاشق نثار ہے
چھوٹا بڑا اُس پر فریفتہ اور نثار ہے ہر چند تم پارۂ جگر نور نظر ہو مگر واری جو انصاف ہاتھ سے نہ دو
تو تم میں اس میں بڑا فرق ہے تمہیں اللہ نے عورت بنایا ہے وہ مرد میدان نبرد ہے رنڈی مرد کا
بہت تفاوت مشہور ہے آگاہ نادان و ذی شعور ہے الا جانی ہمارا کہنا آرسی مصحف میں نظر پڑیگا
دیکھیے گا جو دکھائی دیگا انجمن آرا نے یہ سُن کر سر جھکا لیا رونے لگی کہا حضرت صورت شکل کا
یہاں مذکور کیا ضرور تھا یہ اللہ کی قدرت ہے کسی کو بنایا کسی کو بگاڑا بہت سے لولے لنگڑے
کانے کھدرے گونگے بہرے ہیں وہ چاہے نہ جیسے کہیں نور ہے کہیں نار ہے گل کے پہلو میں
خار ہے یہ سب صنعت پروردگار ہے دنیا میں کون سی شے بیکار ہے بُروں سے اچھوں کی تمیز
ہے یوں تو بادشاہ مصر غلام عزیز ہے اور جو بار احسان سے دب کر فریاقی ہو کہ ایسا کرو
تو دنیا عالم اسباب ہے ایک کا کام دوسرے سے ہوتا آیا ہے یہ شخص نہ آتا اور میرے مقدر
میں رہائی ہوتی کچھ ایسا سامان نکل آتا اور کوئی اللہ کا ولی پیدا ہو جاتا میری بند چھوٹ جاتا

المؤلفہ نیک وبد زمانہ نہیں اختیار میں ؛ ہوتا وہی ضرور ہے جو سرنوشت ہو ؛ میری قسمت کمبخت بُری ہے ایک مصیبت سے چھوٹا دوسری آفت میں پھنسایا ہر دم طعنے اپنے بیگانے کے سُننے پڑے کہ یہ آیا مجھے قید سے چھڑایا خدا جانے وہ کون ہے کہاں سے آیا ہے اپنے مُنہ سے میاں مٹھو شہزادہ بنایا ہے آپ کی لونڈی ہوں بہر صورت فرماں بردار اگر کنوئیں میں جھونک دو چاہ سے گر پڑوں اُف نہ کروں مگر جو آپ اُس کی شکل پر ریجھ محنت و مشقّت کو سمجھ بوجھ یہ مقدمہ کیا چاہتی ہیں تو میں راضی نہیں اگر مزدوری کی اُجرت خدمت کا انعام منظور ہے کہ بادشاہوں کے نزدیک احسان کسی کا اٹھانا بہت دُور ہے تو روپیہ اشرفی جاگیر عنایت کرو اس کا بھلا ہو کام ہو آپ کا نام ہو یہ فقرہ سُن کے وہ بہت ہنسی کہا شاباش بچی اس کی جانفشانی کی خوب قدر دانی کی واقعی وہ بے چارہ تمہارے ملک کا یا روپیہ پیسہ کا محتاج ہے اری نادان وہ تو خود صاحب تخت و تاج ہے اس بات پر ہم سنوں نے قہقہہ مارا کہا حضور لیس ان کا یہ شعور ہے ان کے نزدیک وہ شہزادہ نہیں مزدور ہے انجمن آرا نے جھنجلا کر کہا کہ روپیہ وہ شے ہے کہ اس کیواسطے اسفندیار سا روئیں تن مارا گیا فریدوں و افراسیاب کا سر اُتارا گیا وہ جو دائی دوا آتون مغلانیاں پُرانی پرانیاں حاضر تھیں بولیں قربان جائیں واری ماں باپ کے عدول حکمی میں خدا و رسول کی نافرمانی ہوتی ہے تمہیں انکار مناسب نہیں اور خدانخواستہ یہ کیا تمہارے دشمن ہیں جو راہ چلتے کے حوالے کسی کے کہے سُنے سے بے دیکھے بھالے کر دیں گے آدمی روز بروز عقل و شعور سیکھتا ہے نشیب و فراز بات کا محل و موقع سوچتا سمجھتا ہے تم سلامتی سے ابھی تک وہی بچپنے کی باتیں کرتی ہو کھیلنے کودنے کے سوا قدم نہیں دھرتی ہو انجمن آرا نے جواب نہ دیا سر زانو پر رکھ لیا لیکن وہ جو امیرزادیاں اُس کی ہمنشین تھیں جن سے اس بات کے روز مشورے رہتے تھے بولیں ہے ہے لوگو تمہیں کیا ہوا ہے آتو جی صاحب بے ادبی معاف آپ نے دھوپ میں چونڈا سفید کیا ہے خیر ہے صاحبو دلہن سے صاف صاف کہلوانا چاہتے ہو دنیا کی شرم و حیا کیا نگوڑی اُڑ گئی اتنا تو سمجھو بھلا ماں باپ کا فرمان کسی نے ٹالا ہے جو یہ نہ مانیں گی الخاموشی نیم رضا بوڑھے بڑوں کے روبرو اور کہنا کیا یہ سُنکر آتون قدیم جس نے انجمن آرا کو پالا پڑھایا لکھایا تھا اس نے مبارک باد کہہ کے انجمن آرا کی ماں کو نذر دی محل میں قہقہے مچے شہزادی بناوٹ سے رونے لگی نواب ناظر بیگم

کی نذر لیکر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا نذر دی خلعت مرحمت ہوا یہاں تو ارکان سلطنت اسی
دن کے روز منتظر رہتے تھے یہ مژدۂ فرحت افزا دریافت کر کے اٹھے بمراتب نذریں گذریں
توپ خانوں میں شلک کا حکم پہونچا نوبت خانوں میں شادیانے بجنے لگے مبارک وسلامت کی
صدا زمین و آسمان سے پیدا ہوئی شعر فلک پر یہ مبارک باد ہے اب کس کے ملنے کی : یہ ایسا
کون بختاور ہے جس کا بخت جاگا ہے : بادشاہ نے وزیر اعظم سے ارشاد کیا جانعالم یہاں
مسافرانہ وارد ہوا ہے تم امورات محل میں مستعد رہو ہم اس کا سامان سرانجام کریں وزیر آداب
بجالایا خلعت فاخرہ ملا ہاتھی پالکی سے سرفراز ہوا جانعالم کا یہ نقشہ تھا چہرہ پر بشاشت سے
سرخی باچھیں تا بناگوش کھلیں فرحت کے باعث بند قبا ٹوٹے جاتے تھے مگر شرم کے باعث
آپ سر نہ اٹھاتے تھے بادشاہ نے رمال نجومی پنڈت جفر دان جو جو ہیئت اور ہندسہ اور نجوم
میں طاق شہرۂ آفاق تھے طلب کئے اور ساعت سعید کا سوال کیا کسی نے قرعہ پھینکا زائچہ کھینچا
شکلیں لکھیں کسی نے پوتھی کھولی کوئی حرف مفرد لکھ کر حساب کرنے لگا کوئی تلا برچھک دھن
مکر کمبھ مین میکھ برکھ متھن کرک سنگھ کینا ان گن کر بچارے کرنے لگا کوئی مشتری مریخ
شمس زہرہ عطارد قمر زحل کا حال مع گردش برج کہہ کے حمل ثور جوزا سرطان اسد سنبلہ قوس
عقرب جدی دلو حوت میزان کی میزان دے کر شمار کرنے لگا کہا بعد مدت قمر اور مشتری کا بطرز خلاف
حمل میں قران ہے اس ہفتہ کا دن رات سعد اکبر ہے اور باتفاق ایک روز مقرر کیا حضور سے
بقدر علم و کمال خلعت و انعام عنایت ہوا اور بعد جلسہ شادی بامید دیگر و امداد وافر امیدوار کیا القصہ
بموجب احکام اختر شناسان بلند بین فلک سیر ماضی مستقبل کے حال دان باریک خیال و منجمان صدر نشین
مہ گذشت و دیر حکم روایان خوش فال مانجھے کا جوڑا دلہن کے گھر سے چلا تا مزدور سے تا فیل نشین
زن و مرد فرد فرد بالباس رنگین پکھراج کی کشتیوں میں زعفرانی جوڑے سنہرے خوانوں میں پنیریاں
مقوی مفرح ذائقہ ٹپکنا خاصان تک بسا اور دودھ کے واسطے اشرفیوں کے گیارہ توڑے طلائی
بیچ کی جواہر جڑاؤ مرد نگار کٹورا ابٹنا ملنے کا کنگنا بہ از عقد ثریا دیکتا بڑا ابڑا النگی ملتان کی تھی بیل
بوٹے میں گلستان کی تھی بٹنا اور تیل بے میل جو عطر کشمیر پر خندہ زن ہو معطر دماغ انجمن ہو کنٹر و نمیں
عطر سہاگ مہک پری ایجاد نصیر الدین حیدری ارگجہ محمد شاہی فتنے کی پوچار سوز عفران کا تخت کھلا

کوسوں تک خوان سے خوان بِلا نوبت نِشان گھوڑوں پر شہنا نواز نقارچی جوان جوان سکھپال اور
چنڈولوں میں زنانی سواریاں اُن کے بناؤ کی تیاریاں کہاریاں پری چھم برق درخشاں کا عالم باہم
قدم قدم اُس سامان سے وہ سب مانجھا لیکے در دولت نوشاہ پر جو بس گئے شہر کے کوچے و بازار
بس گئے وہاں دولہا نے یہاں دُلہن نے مانجھے کے جوڑے پہنے منادی نے ندا کی جو سفید
پوش نظر آئے گا اپنے خون سے سُرخ ہوگا یعنی گردن مارا جائے گا بادشاہ نے خود ملبوس خلعت
رنگین زیب جسم کیا رنگ کھلنے لگا تمام خلقت ہولی کی کیفیت بھولی شہر میں شہاب اور زعفران
کے سُرخ و زرد نالے بہے گلیوں میں عبیر و گلال کے ٹیلے ٹیکرے رہے کوچہ ہر بازار کا زعفران
زار کشمیر تھا ایک رنگ میں ڈوبا امیر و فقیر تھا بتاکید تمام خاص و عام کو حکم ہوا کہ آج سے چوتھی
تک سوائے اہل حرفہ اپنے امور ضروری موقوف کر اپنے گھروں میں ناچ دیکھو جشن کرو جو کچھ احتیاج
ہو سرکار سے لو اور ہر رئیس محلہ اور سردار قوم سے فرمایا جو جو تم سے متعلق ہو انکی فرد درست کر
حضور میں گذرا تو اُن کے کھانے پینے کا سامان خواہ ہندو ہو یا مسلمان حضور سے ملے گا اور ارباب
نشاط کے داروغہ کو حکم ملا کہ جس کی جیسی لیاقت ہو یا جس کا جو شائق ہو بشرطیکہ اُسکے لائق ہو برضا مندی
طرفین ویسا طائفہ وہاں بھیج دو دوکانداروں کو ارشاد ہوا دن رات دکانیں کھلی رہیں قریب قریب
ناچ ہو دن کے کھانے کا صرف تقرّفی باورچی خانے میں ٹھہرا ہندوؤں کو پوری کچوری مٹھائی
اچار مسلمانوں کو پلاؤ قلیہ زردہ قورمہ ایک آبی دوسری شیرمال فرنی کا خوانچہ طشتری کباب کی
بہت آب و تاب کی شہر میں گلی گلی عیش و نشاط خوشی میں چھوٹے بڑے سب نہ کسی کو کسی
سے غرض نہ مطلب پکا پکایا کھانا دوکانوں پر بیٹھے ہر وقت ناچ دیکھنا سرکار کا کام بناتا
نعلیں بجا تا بیت بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ؎ کسے را با کسے کارے نباشد ؎ اور اس سے
پہلے بہ تعین تاریخ روز شادی نامے بادشاہوں کو فرمان راجہ بابو کو صوبہ داروں کو نقشے عالموں
کو پروانے جا چکے تھے دو چار منزل گرد و پیش سرراہ دو دو کوس کے فاصلے سے باورچی اور
حلوائی کھانا مٹھائی گرما گرم تیار کئے رہتے تھے کہ اس عرصے میں جو مسافر گذرے یا طلبیدہ
بادشاہ آئے بھوکا نہ جائے اور مژدہ شادی راہ چلتوں کو سُنا شہر میں بھیج دیتے تھے کہ یہ جلسہ قابل
دید ہے غرضکہ دو منزل چار منزل بلکہ دس بیس دن کی راہ سے تماش بین بے فکرے

لکھنؤ والوں سے سیر دیکھنے کو آئے اور ساچق کا دن آیا اگر سب سامان بیان کروں کہانی ناتمام
رہ جائے وہی مشتے نمونہ از خروارے پچاس ہزار چوگھڑے روپہلے سنہرے جواہر نگار نقل اور میوے
سے لبالب لاکھ خوان بحُسن و خوبی لبسیار پُر تکلف سب پچاس ہزار ہیں مصری کے کوزے باقی ہیں
میوہ اور قند کے جھڑیاں مرصع کاری کی بڑی تیاری کی نقرئی وہی کی مٹکی گلے میں مچھلیاں نارے
سے بندھیں آرائش کے تخت بے حساب اس روش کے جن کے دیکھنے سے صناعی صانع حقیقی
کی یاد آئے گُل بوٹہ اس سج دھج کا جو نقل کو اصل کر دکھائے آتشبازی کے ٹوکرے
قطار در قطار بے پایاں سرو جھاڑ درخت میوہ دار ہزار در ہزار لابیاں بہت تزک بڑا
سامان آرائش کے گلدستوں سے چمن رواں ساتھ تھا سر دست یہ باغ ہاتھوں ہاتھ تھا اس
انداز سے ساچق گئی مہندی کی شب ہوئی وزیر درست تدبیر نے خوب تیاری کی ناندوں کی مہندی
ہزارہا من بو باس ہیں دلہن پن رنگین جسکی دیدہ سی ہاتھ مثل پنجۂ مرجان رشک عقیق یمن اور لعل
بدخشاں ہو جائے ایک بار لگائے لعل ہو تمام عمر کف افسوس ملتا ہے نہ ہاتھ لگنے کا ایسا
ملال ہو جڑاؤ سینیوں میں حنا شمع مومی و کافوری اُس پہ روشن ملیدے کے خوانوں پر جوبن
آرائش و آتشبازی ہمراہ سب کے لب پر واہ واہ بہت چمک دمک سے مہندی لایا اور یہ رنگ
ڈھنگ حسن تدبیر سے دکھایا کہ تمام ہمچشموں میں سرخرو ہوا برات کی رات کا حال سنو دیوان خاص
سے دلہن کا مکان پانچ کوس تھا یہاں سے وہاں تک دونوں طرف بلّور کے جھاڑ آدمی کے قد
سے دو چند سو سو بتی کے سر بلند پانچ چھ گز کے فاصلہ سے روشن اور دس گز جدا نقرئی
طلائی پنج شاخا جلتا اُن سے کچھ دور ہزاروں مزدور ٹھاٹھروں پر روشنی کرتے جھاڑ رشک
سرو چراغاں چمکتے جابجا ترپولئے اور نوبت خانے بنے کتھک اتھک اُن پر ناچتے نوبت بجتی
مغرق شامیانے تنے اس کے قریب دو رویہ آتشبازی گڑی روشنی یہ روشن تھی کہ چیونٹی سوار
کو بہیئت مجموعی مفصل معلوم ہوتی تھی غرضکہ دولہا سوار ہوا شور و غل یکبار ہوا کسی نے کہا
سواری جلد لانا کوئی ٹپکہ شملہ سنبھالکر پکارا خدمت گار کو بلانا پلٹنیں آگے بڑھیں باجے
بجنے لگے کوس و کور گرجنے لگے نوبت نشان ماہی مراتب جلوس کا سامان سواروں کے
رسالے دو رویہ باگیں سنبھالے خود آپسے آگے آگے بیش قرار درماہے دار پھر ہزار بارہ سو تخت

زوان تمام تمامی سے منڈھا اُن پہ رنڈیاں جوان شادی مبارک گاتیں سج دھج دکھا
طبلے بھڑ بھڑاتیں بہت سے سانڈنی سوار تیز رفتار خاص بردار خاصبان کندھوں پہ ڈولہا کے

تصویر سواری برات مع جلوس فیلان وغیرہ



قریب برچھی والے باانداز چوبدار روشن چوکی والے شہنائیاں پُر تکلف سرنالے ہزاروں
غلام زرّیں کمر سنہری روپہلی انگیٹھیاں ہاتھوں میں جھولی میں عنبر سارا عود غرقی بھرا دشت
مہکتا گرد ہزار ہا پنجشاخا پھنکتا سونے چاندی کی دستیاں روشن جلو میں چالیس بادشاہ پُر شوکت
وجاہ پیچھے بارہ ہزار ہاتھیوں پر امیر وزیر ارکان سلطنت ترقی خواہ خواصی میں انجمن آرا کا
بھائی جانعالم کا سالا بجائے شاہ بالا آہستہ آہستہ قدم قدم خوش و خرم چلے کوچہ و بازار بو باس
سے معطر تھا چرخ گرداں اس تماشہ کو بچشم انجم نگراں تھا دشت کا وحش و طیر حیران تھا پہر
رات رہے دلہن کے دروازے پر پہونچے ماما اصیلیں دوڑیں پانی کا تشت ہاتھی کے پاؤں
کے تلے پھینکا کسی نے اور کچھ ٹونا کیا دولہا اتر کر مجلس میں داخل ہوا بارہ سے طائفہ رنڈیوں کا
سوائے بھانڈ بھگیتے ہجڑے زنانے کشمیری قوال بین کار رباب سرود بیے کے حاضر تھا ناچ
ہونے لگا قریب صبح قاضی طلب ہوا الساعت معیّن کمیٔ سلطنت کے خراج پہ مہر بندھا طالب
مطلوب کو سلک ازدواج میں منسلک کیا مبارک سلامت کا غل مچا میر سوز فلک شب
کتخدائی دیکھ اس کی سوز یوں بولا: تجھے یہ رات اے رشکِ مہ انور مبارک ہو: سب طائفہ ساتھ

تصویر بزم نکاح جانعالم کی اور سامان محفل میں آرسی مصحف کے



کھڑے ہو ایک شہر میں مبارکباد گانے لگے کئی لاکھ روپے بادشاہ نے عنایت کئے دولہا زنانے
میں طلب ہوا وہاں رسمیں ہونے لگیں وہ عجیب وقت تھا آرسی مصحف روبرو محبوب دلخواہ دوبدو سورۂ
اخلاص کھلا آئینہ رونمائی میں مزے لوٹتا سلسلہ محبت مستحکم ہو رہا ڈومنیوں کا سٹھنیاں گانا
دولہا دلہن کا شرمانا کبھی ٹونے گانا اچھے بنے سلونے ہمجولیوں کا پوچھنا ٹونا لگانا دولہا کا ہنس
کے کہنا عرصہ ہوا کوئی دلہن کی جوتی دولہا کے شانے میں چھوائی گئی کوئی اسی کا کاجل پارہ ہو لگا
گئی ہمسنوں کی چھیڑ چھاڑ ان کے جوبن کی بہار فقط ململ اٹہ شبنم کے دوپٹوں کی آڑ جس دم یہ رسمیں
ہو چکیں تو لوبات کی نوبت آئی عجب سیر نظر آئی اس طرح چھی کہ دیکھی نہ سنی میر حسن وہ جب
پاؤں پہ کی اٹھاتے اٹا : نہیں اور ہاں کا عجب غل پڑا : جب یہ رسمیں ہو چکیں ڈومنیوں نے
پاہونی گائی سب کی چھاتی بھر آئی کہرام مچا جب دولہن سب سے رخصت ہونے لگی رو رو جی کھونے
لگی سواری تیار ہو دروازے پر آئی دولہا نے سہرا سر سے لپیٹ دلہن کو گود میں اٹھایا سب کا
دل امنڈ آیا شور و غل مچایا دنیا کے کارخانے قابل دید ہیں نہ شنید ہیں شادی میں غم سلف
سے توام ہے مگر ثبات بجز ذات باری کسی کو نہیں مقدمات جہان گذران خواب پریشان
ہیں ان کا حال کیا کہیں مؤلف اک وضع پہ نہیں ہے زمانے کا طور گاہ : معلوم ہو گیا مجھے لیل و
نہار سے : غرضکہ دلہن کو سکھپال میں سوار کیا بادشاہ نے ملک و سلطنت خزانہ جہیز میں
لکھ دیا برات رخصت ہوئی وہ اہتمام تجمل سواری کا سامان ہر شخص خرم و خنداں جہیز کا
بڑھنا لوگوں کا دولہا پر دعائیں پڑھنا نسیم سحر کا چلنا شمع کا جھلملا جھلملا کے جلنا شہنا میں بھرولی
بھبھاس الیّا للت رام کلی کا پھونکنا نقیب اور چوبداروں کا کوئل کی طرح کوکنا نوبت کی ٹکور
جھانجھ کا جھانجھ سے شور جھٹ پٹا وقت نور کا تڑ کا کڑکیتوں کا سومیل کڑکا کچھ کچھ تاروں کی
چمک نقاروں کی صدا دھونسے کی گمگ چاند کے منہ پر سفیدی دلہن والوں کی یاس و ناامیدی عطر
کی ہر سو لپک پھولوں کی مہک سب کو نیند کا خمار کوئی پیادہ کوئی سوار فرش باسی ہار پھولوں سے رشک
صحن چمن کہیں جھول کہیں شکن کسی جا بکھیرو کے اور بیڑوں کے پتے کھلے پڑے کہیں لوگ
حیران و ششدر کھڑے مجلس کے فراق میں اہل محل کے اشتیاق میں شمع کی زاری اشک باری
لگن میں پروانوں کی بیقراری دولہا کے لوگوں کی خورش بشاش تیاری دلہن کے

گھر میں نالہ و زاری کوئی کہیں نیند کے جھونک میں پڑا کوئی یہ سامان بہ چشمِ عبرت دیکھ تاسف
میں کھڑا شمع فانوس میں گل گل گیر میں زیبِ انداز پر پروانوں کے پر فراش فرش اٹھانے کی
تدبیر میں بیٹھی ہوئی ہر ایک کی آواز کہیں سوز کہیں ساز یہ وقت دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔
راہ چلتا بھی دیکھ کر روتا ہے اس کی لذت وہ جانے جس کی نظر سے یہ ہنگامہ گذرا ہو کسی کی
برات تو دیکھی ہو گو بیاہ نہ کیا ہو قصّہ مختصر دولہا شگفتہ خاطر خنداں چہرے پر شباب کی چمک
عارضِ تاباں سے حُسن کی بہار عیاں ہاتھی پر سوار گرد شاہ و شہریار زر سرخ و سفید نثار ہوتا
سر چوک ہو کے دیوان خاص میں داخل ہوا جو رسمیں یہاں کی تھیں ہونے لگیں بکرا ذبح کیا
انگوٹھے میں لہو لگا دیا پھر کھیر کھلائی رسومات سے فرصت پائی اب یہ منتظر ہوئے کہ شام
ہو وصل کا سرانجام ہو اُس دن جانعالم کا گھبرانا گھڑی گھڑی گھڑیالی سے دن کی خبر منگوانا
دیکھنے کی گون تھا بدحواس پھرتا تھا کہ کہیں جلد رات ہو بے تکلفی کی ملاقات ہو کبھی کہتا تھا وائے
قسمت کی خوبی پہر بھر ہوا گھڑی نہیں ڈوبی ہوش کہاں بجا تھا مکرر پوچھتا تھا ابھی کیا بجا تھا
ادھر انجمن آرا بھی جمائیاں لیتی تھی تکیے پر سر دھر دیتی تھی جب اور کچھ تدبیر نہ بن آتی تھی لوگوں
کے چونکانے کو اونگھ جاتی تھی غرضکہ خدا خدا کر کے دن تمام ہوا نمود شام ہوئی عروسِ شب
نے مقنعۂ مہتاب سے روپوشی کی مشتاقوں کو فرصت ملی گرم جوشی کی لوگ آنکھ بچا کر جا بجا
کنارے ہوئے دولہا دُلہن چھپر کھٹ میں ہمکنار بیتابی کے مارے ہوتے شادی کا زور

تصویر جانعالم اور انجمن آرا کی مع پلنگ



شباب کا عالم مشتاقوں کا بیٹھنا باہم آنکھوں میں خمار نیند کا دل میں اشتیاق دید کا عطر
سہاگ اور فتنے کی خوشبو بٹنے اور تیل کی عجب میل کی مہک ہر سو پھولوں سے پلنگ بسا اوچھ کسا
خود نشہ عشق سے باختہ ہواس تمنائے دل پاس نہ کچھ دغدغہ نہ وسواس ہنگامۂ صحبت طرفین
سے گرم اِدھر شوق اُدھر شرم ایک طرف ولولہ گرمجوشی ایک سمت حیا سے منہ پہ خموشی بیان کرنا
گذشتہ حال کا خیال لوگوں کی دیکھ بھال کا یہ معمول ہے اُس روز ہمنشین برابر والیاں
تاکتی جھانکتی ہیں لیکن ان ڈروں پر چپ نہ رہے آہستہ آہستہ دونوں نے دکھڑے کہے
جانعالم نے طوطے سے ذکر سُنکر در بدر خراب خستہ ہو کر آنا طوطے کا بیٹھ رہنا وزیر زادے
کا صدمۂ فراق سہنا پھر طلسم میں پھنس جانا جادوگرنی کا ستانا بعد اس کے نقش سلیمانی لینا
وہاں سے چل دینا بہ کشادہ پیشانی و خوش بیانی بیان کیا مگر ملکہ مہر نگار کی ملاقات جگت رنگی
کے حرف و حکایات اُسکی طبیعت کا آجانا اپنا بے اعتنائی سے چلے آنا کچھ شرما کر بات کو مطلب
کی جا سے بچا بچا کر کہا یہ اکثر ہوتا ہے کہ معشوق کے روبرو جو اس پر کبھی کوئی عاشق ہوا ہے اس کا
ذکر کرتا ہے شیخی بگھارتا ہے کچھ جھوٹ اپنی طرف سے جوڑتا ہے دل کے پھپھولے توڑتا ہے
اس کی شرح گو طول طلب ہے پر عاشق مزاجوں پر منکشف سب ہے انجمن آرا نے جادوگرنی کے
قصہ پہ تأسف کیا ملکہ کے مذکور پر بناوٹ سے ہنس دیا پھر روکھی صورت بنائی ناک سمیٹی
تیوری چڑھائی مگر چلے آنے کے سہارے پر مسکرائی اپنا بھی اشتیاق لئے دئے از روز ملاقات
محنت و مشقت کی قدردانی سے جادوگر کی لڑائی کی جانفشانی سے بیان کیا پھر دونوں
بے ساختہ ہو شرم و حیا کو کھو ہم آغوش ہوئے رنج در کنار غم و درد مہاجرت فراموش
ہوئے مؤلف یہ ہمکناری جاناں سے تازہ لطف اُٹھا ؎ گلے سے مل گئے سب رنج در کنار ہوا
سینے سے سینہ لب سے لب ہاتھ پاؤں بلکہ جتنے اعضائے جسم ہیں سب وصل تھے مثل ہے
ایک جان دو قالب وہ ایک جان ایک ہی قالب غالب ہے کہ ہو گئے استاد ؎ ایام وصل میں ہم
لپٹے ہیں جیسے اُس سے ؎ یوں وصلی کے بھی کاغذ چسپاں بہم نہ ہونگے ؎ خواہش کو اضطرار
حیا مانع کار شرم بر سر تکرار دونوں کے دم چڑھ گئے تھے جنگ زرگری گاؤ زوریاں کر
رہے تھے شاہزادی موقع پر ہاتھ نہ لگانے دیتی تھی جب بے بس ہو جاتی تھی تو چٹکیاں لیتی تھی گاہ

کہتی تھی اے صاحب اتنا کوئی گھبراتا ہے دیکھو تو کون آتا ہے کبھی خود اُٹھ کر دیکھتی بھالتی تھی کوئی
دم یوں ٹالتی تھی آخر کار غنچۂ سربستہ تمنائے دراز بحرکت نسیم وصل شگفتہ و خنداں ہوا دُرِ ناسُفتہ
دُرجِ شہریاری رشک عقیق یمن غیرت دہ لعل بدخشاں ہوا بقول فردوسی چناں بردو آورد و
آورد و بُرد ؎ کہ دایہ ز حسرت پس پردہ مُرد ؏ رشک و حسرت سے جگر صدف چاک ہوا دشمن کمبخت
در پردہ ہلاک ہوا بتقاضائے سِن الھڑ پنے کے دن اُسوقت دونوں گھبرائے اور وہ کیفیت سب
بھولی جب دامنِ شب میں چادر پلنگ پر شفق صبح پھولی غرضکہ شرما کر استراحت فرمائی دل بیتاب
نے تسکین پائی ہنوز پلک نہ جھپکی تھی نمود سحر ہوئی تمامی شب کی خبر ہوئی دمِ صبح ایک سر خود دوسرا
ژولیدہ مُو حمام میں داخل ہوئے جو جو محرم راز شریک سوز و گداز تھیں انہوں نے رات کی باتوں
کے پتے رمز و کنایہ میں دیئے سب نے قہقہہ مارا جب روبرو نچیری اور شیشے میں تنبول آیا شرما کر سر جھکایا
غمزہ ناز ہر انداز میں رہا نہا دھو خاصہ نوش فرمایا جانعالم بادشاہ کے حضور میں آیا خلعت
فتح پایا امورات سلطنت بہ مشورۂ شہزادہ ہونے لگے بعد رسم چوتھی چالے کے لب دریا
ایک باغ بہت پُر تکلف کا نشاط افزا نام بادشاہ نے رہنے کو عنایت کیا اگر اُس باغ کی تعریف
رقم کروں شاخ زنبق و نرگس کی ٹہنی کو لاکھ بار قلم کروں الّا خضر کی حیات رضوان کی ثبات درکار
ہے نہیں ناتمام رہے لکھنے کا رہے سو بار خزاں جائے بہار آئے ایک پٹڑی کی روش صفا
تحریر نہ ہوسکے خامۂ مانی پھسل جائے رشک گلزار جناں ایک تختۂ فردوس کی کوس کا باغ بے پایاں
برگ و بار اُس کے جورِ خزاں سے آزاد بالکل نہ بلبل پر ستم باغبان نہ خوف صیاد عجائب و غرائب
چہچہے نئے رنگ ڈھنگ کے ترانے یاد جتنے دنیا کے میوے ہیں تر و تازہ ہمیشہ تیار سر سبز پتّے خوشرنگ
پھول پھل مزیدار گل تکلیف خار سے بری جہاں کی نعمت ہر تختہ میں بھری روش کی پٹڑیوں پہ
مہندی کی ٹٹیاں کتری ہوئی برابر چمن میں وہ درخت پھلے پھولے جسے دیکھ کر انسان کی عقل بھولے
پھولوں کی بوئے خوش سے دل و دماغ طاقت پائے جو پھل نظر سے گذرے بارِ خاطر نہ ہو ذائقہ
زبان پر منہ میں پانی بھر آئے نہریں ہزار در ہزار دریا از آبشار گرد چہ بذیرند خوبصورت قطعہ دار باغبانیاں
پریزاد حور وش کمسن مہ لقا بیلچے جواہر نگار ہاتھوں میں ہر ایک آفت کی پرکالہ دلربا مہ سیما کنوئیں
پختہ چرخی رسّی کلابتو کی ڈول وہ کہ عقل دیکھ کر ڈانواں ڈول ہو جسے پر نزاکت بر سے

بیل کے بدلے نیل گائے کی جوڑیاں آہو چن کے روبرو چکارہ باغبانیاں مہ پارہ زر لفت کے لہنگے قیمت کے مہنگے شبنم کے نفیس دوپٹے مغرق مصالح کی کرتی انگیا پاؤں میں طلائی چھڑا کان کی لو میں ہیرے کی بجلی برق دم سب کی آنکھ جس پر پڑے ڈول کو سنبھال پٹا خیال گاتی کوئی شعر برجستہ یا ہندی کا دوہا اسمیں ملاتی چھیڑ چھاڑ میں چٹکی لے کے اچھل جاتی ایسے باغ پُر بہار میں جان عالم اور انجمن آرا ہاتھ میں ہاتھ پریوں کا اکھاڑا ساتھ دین و دنیا فراموش ہر دم نوشانوش با عیش و نشاط اوقات بسر کرنے لگا جہاں کا ساز و سامان ہر دم مہیا شراب و کباب چنگ و رباب کا جلسہ خدمت گذار پری پیکر ماہ طلعت سب کام کو حاضر جیسے کنہیا شام عشرت سحر کرنے لگا نہ خیال اپنے شہر و دیار کا نہ خوف گردشِ روزگار کا نہ کچھ دھیان اُس جگر افگار گشتۂ انتظار ملکہ مہر نگار کا

پھر مذکور اُس مہجور گشتۂ فراق سوختہ آتش اشتیاق کا وہ کونسا خستہ و محزون جگر برشتہ دل خون ملکہ مہر نگار شہزادے کے آنیکی اُمیدوار اور حکایات ضرب المثل

کدھر ہے تو اے ساقیٔ بیخبر :: نہ کی لُطف سے غمزدوں پر نظر :: ہوا حال شادی کا سب اختتام مگر غم کا قصّہ ہے وہ ناتمام :: تپش سے تڑپ سے تو کرتے بہم :: کہ لکھتا ہوں پھر داستانِ الم خوشی سے مجھے رنج مرغوب ہے :: یہ مونس ہے ہمدم بہت خوب ہے :: یہی ساتھ دیتا شب و روز ہے یہ غم عاشقوں کا غم اندوز ہے :: نالہ نوازان بزم ماتم و تفتہ جگران کلبۂ غم حاکیان حکایات اندوہ و ملال و ناشادان دلِ خون آشفتہ حال لکھتے ہیں کہ اُس بے سرو سامان گشتۂ ہجران دو ناز دلدار و ہمسفرین غم رونا دیدۂ شادی حجلہ نشین ماتم دل ریش سینہ فگار یعنی ملکہ مہر نگار کا فرقت میں یہ حال ہوا اُستادیاں تک کہ اٹھانے کا وقت اپنے قریب آیا :: اس پہ مرکر بالیں پر تم اُٹھ کے نہ آبیٹھے :: میں نام ترا لے لے دن رات جو چلّاؤں :: او سنتے ہوئے بہرے کیونکر نہ گل بیٹھے :: جو کوئی کہتا کہ خیر ہے ملکہ گھلی جاتی ہو کیوں اتنا رنج و غم اٹھاتی ہو تو یہ کہتی مصحفی غم کھاتی ہوں لیکن مری نیت نہیں بھرتی :: کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی مؤلف نہ پوچھو کچھ مری حالت کہ اس دل کے لگانے سے :: پریشاں سینہ سوزاں منفعل سر در گریباں ہوں

الیسی باتیں دردآمیز وحشت انگیز کرتی کہ سننے والوں کی چھاتی پھٹتی وہ کہتیں ملکہ نظر بخدا رکھو
حسن اُسے وضع کرتے نہیں لگتی بار :: نہ ہوا اُس سے مایوس امیدوار :: سوز پھر بہار آتی ہے
تجھ میں اے گلستاں غم نہ کھا :: وہ چلی آتی ہے فوج عندلیباں غم نہ کھا :: گو کہ شب آخر ہوئی
اے شمع تو زاری نہ کر :: پھر وہی محفل وہی تیرا شبستاں غم نہ کھا :: وہ سنکر یہ کہتی کہ میں چراغ
سحری ہوں یقین ہے کہ تا صبح جلکر بزم جہاں سے سفری ہوں خسرو لیپ انداندکہ من نمانم
بچہ کار خواہی آمد مؤلف ہماری جان کے جانے میں جب عرصہ رہا تھوڑا :: تب اُس کے دل
میں آیا دھیان میرے پاس آنے کا :: آجتک اُس غفلت شعار فراموش کار کی کچھ خبر نہ آئی
ہم نے غم جدائی میں جان گنوائی مؤلف تپ جدائی سے اس طرح اب نزار ہوں میں :: اجل
کے منہ سے بھی غالب ہے شرمسار ہوں میں :: کیا ہے رنج جدائی نے ایسا کاہیدہ :: نظر میں
خلق کی رنگ خط غبار ہوں میں :: جو تو وہ گل ہے کہ عالم کے دل میں ہے تری جا :: تو سب کی
آنکھ میں کھٹکا کیا وہ خار ہوں میں :: قرار می برد از قلق آہ و زاری ما :: ہر ورنج میں کس کے
یہ بیقرار ہوں میں :: یہ معمول تھا جب چار گھڑی دن رہتا سوار ہو کر اُن درختوں میں جہاں
جانعالم سے ملاقات ہوئی تھی جاتی اور جو جو شریک رنج و راحت تھیں اُن سے مخاطب ہو کر
یہ کہتی الہی شیرازی خوش آنکہ تو باز آئی و من پائے تو بوسم :: در سجدہ فتم خاک قدم ہائے
تو بوسم :: ہر جا کہ تو روزے نفسے جائے گرفتی :: آنجا روم و گریہ کناں جائے تو بوسم :: روئے
تو تصور کنم و لالہ و گل را :: در حسرت رخسار دل آرائے تو بوسم :: ہر جا کہ غزالیست چو مجنوں
سر و چشمش :: در آرزوئے نرگس شہلائے تو بوسم :: من الہی درویش تو آں شاہ نبانی ::
دستیکہ ببوسم بتمنائے تو بوسم :: اور کبھی صبح سے پھرتے پھرتے قریب شام بادل ناکام
اسی جنگل میں پھر آتی یہ غزل زبان پر لاتی جرأت بہ شکل مہر ہی گردش ہے ہم کو سارے دن
جو تم پھر آؤ تو پیارے پھریں ہمارے دن :: یہ وصل کیونکہ مبدل ہوں ہجر کے ایام ::
مگر خدا ہی یہ بگڑے ہوئے سنوارے دن :: لیے ہے تھا جبکہ ہم آغوش مجھ سے وہ پیارا ::
عجب مزے کی تھیں راتیں عجب تھے پیارے دن :: نہیں ہے تیرے مریضان ہجر کا چارہ ::
اب اپنی زلیست کے بھرتے ہیں یہ بچارے دن :: کب اُس سے ہوگی ملاقات میں یہ پوچھوں

ہوں ؛ ذرا تو دیکھ نجومی مرے ستارے دل ؛ لگا یا روگ جوانی میں کیوں میاں جرأت ؛ ابھی تو کھیل تماشے کے تھے تمہارے دن ؛ رات کو بحال بیقرار وہ سوگوار ناچار گھبرا آتی تمام شب کراہ کراہ کر سب کو جگاتی اور یہ سُناتی استاد حرام نیند کی اقرار وصل جاناں نے ؛ الٰہی کوئی کسی کا امیدوار نہ ہو ؛ وہ رات جسے شبِ فرقت کہتے ہیں بہ چلنے سے پہاڑ ہو جاتی تو وہ غم کی ماری سخت گھبرائی یہ لب پر لاتی استاد جیسا شبِ عشرت کو فلک تو نے گھٹایا ؛ کی جلد نہ فرقت کی ستمگر سحر ایسی ؛ ہے ہے آج نہ صدائے مُرغ سحر آئی نہ مؤذن نے ندائے اللہ اکبر سُنائی نہ خوابِ غفلت سے پاسبان کمبخت چونکا اور نیند کی جھونک میں گھڑیالی بھی گجر کا بجانا بھول گیا جرأت تھے شبِ وصل میں سب جان کے کھانیوالے ؛ آج کیا مر گئے گھڑیال بجانیوالے شب کو نالہ تھا دن کو زاری تھی دن رات اُس پر سخت بھاری تھی لوگ کہتے تھے ملکہ اللہ کو یاد کرو کبھی تو دل شاد کرو شافی مطلق تمہارے مرض مفارقت کو یہ صحبت وصل بدل کرے اب روزِ وصال عنایت ذوالجلال سے قریب ہے تو اُس وقت بہ حسرت یہ کہتی مؤلف شب وصال جو قسمت میں ہے تو ہووے گی ؛ دعا کرو شبِ فرقت تو یہ سحر ہووے ؛ مریض ہجر کو صحت سے اب تو کام نہیں ؛ اگرچہ صبح کو یہ بچ گیا تو شام نہیں ؛ رکھو دیا نہ رکھو مرہم اُس پہ ہم سمجھے ؛ ہمارے زخم جدائی کو التیام نہیں ؛ کیا جو وعدۂ وصل اُسنے دن پہاڑ ہوا ؛ یہ دیکھیو مری شامت کہ ہوتی شام نہیں ؛ وہی اٹھائے مجھے جسنے مجھ کو قتل کیا ؛ کہ بہتر اس سے مرے خوں کا انتقام نہیں ؛ اُٹھایا داغ گل افسوس تم نے دل پہ سرور ؛ میں تم سے کہتا تھا گلشن کو کچھ قیام نہیں ؛ اُستاد آخر شب وصال کی جا پہنچی وہی ؛ ہر دن تھا اے فلک مجھے جس رات کا خیال ؛ معاملات عشق دیکھیئے وہاں شہزادے کو غم سے فراغ کیفیت باغ گلعذار الخیل میں راحت و آرام یہاں ملکہ آتشِ فراق سے با دل پر داغ خار غم جگر میں گرفتار رنج و آلام لیکن وہ دل بیقرار نالہ جگر افگار رائیگاں نہیں جاتا جب تڑپ بلبل کے دل میں زیادہ ہوتی ہے موسم گل آتا ہے اِسی طرح سوزِ دل عاشق جو حد سے فزوں ہو معشوق رحم کھاتا ہے بھولا ہوا یاد آئے وگرنہ ہجر میں پھڑک کر مر جائے مطلوب کو نعش پر لاکر کے اُس کی بھی جان گنواتا ہے حضرتِ عشق دشمن جان عاشق و معشوق ہیں اُن کے حال کیا کہیں چنانچہ یہ نقل ضرب المثل ہے اور حقیقت

ہیں اصل ہے بغور سنکر تامل کرو

نقل سوداگر کی بیٹی کی انگریز کا آنا فریفتہ ہو جانا آخر میں جان دینا دونوں کا

کلکتہ میں ایک سوداگر تھا عالیشان متاع ہر دیار تحفۂ جوار جوار دوکان میں فراوان اس کی بیٹی تھی حسین مہر طلعت ماہ جبین سیمیں تن کافر فرنگ غارت گر لندن غرضکہ اور تو اسباب سب طرح کا دوکان میں تھا مگر گھر میں وہ زور رستم طرفہ ٹوم تھی فرنگ سے ہند تک اس کے حسن کا چرچا تھا روم سے شام تک اور بمبئی سے سورت تک اس کی صورت کی دھوم تھی استاد ہے رخنہ ساز ایمان وہ زادہ آذر فرنگی ؛ اسلام اب کہاں ہے حاصی فرامشن ہے ؛ ہزاروں انگریز بریز بریز کرنے اس پر شیفتہ اور بیتاب تھے لاکھوں مسلمان سرگردان خستہ و خراب تھے جب ہوا کھانیکو سوار ہوکر آتی تھی دورویہ خلقت کی جان اس کی ہواخواہی میں برباد جاتی تھی گبرو ترسا اس کا کلمہ پڑھتے تھے یہود و نصاریٰ اس کا دم بھرتے تھے مسلمان دل و جان نذر کرتے تھے مؤلف اس لعبت فرنگ کو دکھلاکے قاش دل ؛ کہتا ہوں چکھو یہ دل بریاں کا توس ہے ؛ اتفاق زمانہ کوئی انگریز لندن سے تازہ وارد ہوا جلیل القدر ذیشان خوبصورت نوجوان سوز عشق سودا خیز سر میں سوز دل مزاج بے شر بیقراری آب و گل میں خمیر تھا طرحدار آپ بھی لیکن ؛ رہ نہ سکتا تھا اچھی صورت بن ؛ قضارا وہ آفت کا مارا کچھ اسباب لینے اُس کی کوٹھی میں آیا اور اُس غارت گر دین و ایمان ہر گبر و مسلمان سے دوچار ہوا عشق گلے کا ہار ہوا دیکھتے ہی متاع عقل اساس ہوش و حواس گرہ سے کھو بیٹھا دل سے ہاتھ دھو جان کو رو بیٹھا اسباب خریدنے گیا تھا سودا مول لیا اُس نے مشتری سمجھ میزان محبت میں تول لیا ہاتھ پاؤں نے ست دل نے ہمت ہاری دن دہاڑے لٹ گیا عشق کا بیوپاری جب اور کچھ تدبیر بن نہ آئی خرید و فروخت کے حیلے میں آمد و رفت بڑھائی پھر تو یہ حال ہوا جرأت دل میں سو سو بار اب ہم اُن کے گھر جانے لگے ؛ منہ چھپانے وہ لگے ہم ان پہ مر جانے لگے ؛ سلف سے عشق آج تک چھپا نہیں مشہور ہے اس مقدمہ میں انسان مجبور ہے مہر عشق بے پردہ جب فسانہ ہوا ؛ مضطرب کتخدائے خانہ ہوا ؛ جب یہ امر مفصل سوداگر کے گوش زد ہوا بپاس نام و نشان خوف ذلت و رسوائی از حد ہوا پہلے مدخون کو نصیحت و پند کیا پھر سلسلۂ آمد و رفت قطع کیا دیکھا بھالی کا رخنہ بند کیا اُدھر شعلۂ عشق نے بھڑک کر صاحب کو سلامت نہ رکھا تاب و

تصویر دختر سوداگر اور عاشق ہونا پسر انگریز کا اُس پر مع اسباب دوکان



توان صبر و تحمل کو ہیزم خشک کی طرح جلا صبر کا قافلہ لوٹ لیا پھیر بستر خاک پر گرایہ زار ؎ درد کا گھر ہوا دل بیمار ؛ خاطر افگار خار خار ہوئی ؛ جان تمنا کش نگار ہوئی ؛ دل نہ سمجھا اور اضطراب کیا ؛ شوق نے کام کو خراب کیا ؛ رفتہ رفتہ شرر ہوتے نالے ؛ لگے اڑنے جگر کے پرکالے ؛ یہاں تک تب مہاجرت اور درد مفارقت سے حال درہم برہم ہوا کہ صاحب بہادر شکست فاش اٹھا کر صاحب فراش ہوئے دل و جگر سینہ میں پاش پاش ہوئے حس و حرکت کی طاقت نہ رہی لینے کے دینے پڑ گئے استاد مرض یہ پھیل پڑا ہے تپ جدائی سے ؛ کہ بیٹھ لگ گئی یاروں کی چارپائی سے ؛ جو جو اُس کے دوست دلی محب قلبی تھے نصیحت و پند و قید بند کرنے لگے عورتوں کی بیوفائی بتوں کی سنگدلی معشوقوں کی کج ادائی بہت مشرح سمجھائی سود مند نہ ہوئی خاطر میں نہ آئی ایک دوست دار اُس کا غمخوار تھا کہنے لگا کیوں جویائے مرگ ہوا ہے ظالم یہ کیا کرتا ہے اس کا انجام ذلت ہے حاصل اس کا خفت ہے یہ خیال محال اپنے دل سے نکال زورق زندگانی سفینۂ نوجوانی دانستہ ورطۂ ہلاکت میں نہ ڈال اپنے کس دکو پر نظر کر للہ دل خود رفتہ کو سنبھال تو نے پسر محبتن کی حکایت نہیں سنی کہ اُس پہ کیا گذری آخر کار کیسی خفت ہوئی اُس نے کہا کیوں کر

حکایت پسر محبتن بیٹے کا پیدا ہونا سفر کی کیفیت جہاز کی تباہی

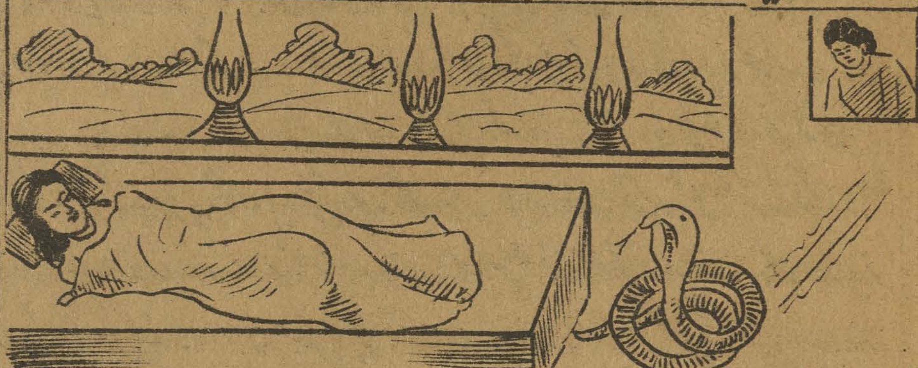
شہزادی کا ملنا پھر مفارقت مجستن کا ساتھ جانا

وہ بولا اسی شہر میں ایک شخص تھا مجستن نام نہایت اہل دول مرفہ حال صاحب علم و فضل جامع ہر کمال طبیعت کا اور ادیب بے بدل سخن سنج لطیفہ گو برمحل کمالات میں یگانۂ روزگار تجارت میں نامور ہر دیار سو سو جہاز ایک بار تجارت کو جاتا تھا نصیب ایسا تھا مٹی چھوتا سونا ہو جاتا تھا کسی طرح کا خواہشمند بجز فرزند ارجمند نہ تھا شب و روز اسی کا خیال تھا مدام فرحت میں یہ ملال تھا خوش قسمتوں کی دعا جلد قبول ہوتی ہے تمنائے دل حصول ہوتی ہے چھپّن برس کے سن میں اللہ نے بیٹا عنایت کیا حسب دلخواہ صورت میں غیرت ماہ بہت شادان سرگرم پرورش تھا جب بارہ برس کا ہوا بسبب طبع رسا و تعلیم اُستادان باذکا جمیع علوم اور فنون میں کامل ہوا درس دینے لگا مطب کرنے لگا چودہویں سال باپ سے سفر کی اجازت چاہی کہ تجارت میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہ جائے مجستن نے کہا اپنا بھی یہی قصد تھا مگر چندے توقف شرط ہے اُس نے عرض کی کہ حضور عمر طبعی کو پہونچے مسن ہیں فدوی کے سیاحت کے دن ہیں چاہتا ہوں آپ کے بقید حیات سفر کو جاؤں جودت طبع دکھاؤں آخر مجستن نے دس بارہ جہاز پر از متاع و مال پندرہ بیس رفیق قدیم دیانت دار امانت شعار ہمراہ کر رخصت کیا جہاز ایک سمت روانہ ہوئے دو مہینہ کے بعد ہوائے جور گردون سے جہاز تباہ ہو گئے مجستن کے بیٹے کا بھی جہاز ڈوبا یاران ہمراہی عالم بقا کو راہی ہوئے یہ ایک تختے پر ڈوبتا اُچھلتا بہہ چلا حیات مستعار باقی تھی ساتویں دن تختہ کنارے پر لگا اُس کو غش سے جو افاقہ ہوا تختے سے اُترا اور گھاس کی رسّی بنا وہ تختہ پتھر سے اٹکا دیا پھر آپ بتلاش آب و دانہ روانہ ہوا چند قدم بڑھا تھا کہ شہر نمودار ہوا آہستہ آہستہ بیٹھتا اٹھتا شہر میں داخل ہوا وہاں عجیب سانحہ طرفہ ماجرا نظر آیا دوکان ہر ایک کھلی اشرفی روپیہ کا ڈھیر اسباب سب طرح کا موجود مگر آدمی کا پتہ مفقود اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ عرصہ سے یہ بازار جنس بشر سے خالی ہے شہر کا وارث ہے نہ والی ہے پھرتا پھراتا قلعہ میں آیا دیکھا باغ سرسبز پُر میوہ بیچ میں بنگلہ زربفت کے نفیس پردے پڑے پردہ اٹھا بنگلے میں آیا پلنگ جواہر نگار گسترہ اس پہ کوئی بہ شکل مردہ دوپٹہ تانے نہ کوئی پائینتی نہ سرہانے پڑا ہے اُس نے دوپٹہ سرکایا عورت نے چونک کر سر اٹھایا

اس کی صورت دیکھ کر کہا اے عزیز اپنی جوانی پر رحم کر یہ مکان نہیں سیل فنا ہے تو نا آشنا ہے اسلئے
درگذر ورنہ آفت کا مبتلا ہوگا خدا جانے ایک دم میں کیا ہوگا اُس نے کہا ایسا ماجرا کیا ہے
بیان تو کر عورت نے کہا تو پہلے اپنے آنیکا حال سُنا کیونکر آ پھنسا اُس نے کہا سات دن سے
بھوکا پیاسا ہوں جو کچھ کھاؤں داستان پریشان سُناؤں عورت بولی مدّت کے بعد کھانیکا نام
تیرے منہ سے سُنا ہے سو کھانا یہاں کہاں بجز غم کھانے اور پانی سوا اشک بہانے کے آنسو پینے کا
نام ہے اس سے نہیں پیتی ہوں اور کھانے کی قسم سے قسم تک نہیں کھاتی متحیّر ہوں کیونکر جیتی ہوں۔
مگر تنہائی میں ہاں خوف کھا کے روز دن بھرتی ہوں ہر شب کہ شبِ اوّلین گور ہے جان کنی رہتی
ہے سخت جانی کی بدولت نہیں مرتی ہوں **شعر** یہ غلط کہتے ہیں بے آب و خورش جیتے
ہیں ؛ لختِ دل کھاتے ہیں اور خونِ جگر پیتے ہیں ؛ تو اس باغ میں جا اور جس میوے پر رغبت
ہو کھا مجسٹن کے بیٹے نے جا کے میوہ کھایا نہر سے پانی پیا گونہ رنج فاقہ کشی سے افاقہ ہوا
پھر عورت کے پاس آ کے حسب نسب اپنا اور باعث سفر اور جہازکی تباہی مفصّل سرگذشت
سُنائی پھر اِس کا ماجرا پوچھا وہ بولی اے شخص اس شہر بے چراغ کی میں شہزادی ہوں
باپ میرا والی ملک تھا مجھ کو سوائے سیر و شکار کے کسی امر سے سروکار نہ تھا ایک روز لب دریا
مصروف تماشہ بیٹھی تھی دفعتہً ایک سانپ نمودار ہوا اور میری طرف بڑھا میں نے تیر مارا معلوم نہیں
لگا یا خطا کر گیا پھر جو دیکھا تو اژدہائے مہیب بہ شکل عجیب جھپٹا آتا ہے میں تو گھوڑے پر چڑھ کر
بھاگی جو جو ہمراہ رکاب تھے وہ طعمۂ دہن مارِ خونخوار ہوئے کہاں تک بیان کروں ساکنان شہر
مع بادشاہ انسان سے تا حیوان کوئی نہ بچا فقط میں سخت جان باقی ہوں اور یہ صحبت ہے کہ
قریب شام وہ مارِ خون آشام آ کر اس بنگلہ کے نیچے بیٹھتا ہے دو گھڑی کے بعد غائب ہو جاتا
ہے مجھ پر جب بھوک پیاس کا غلبہ ہوتا ہے اسی باغ میں میوہ کھا پانی پی لیتی ہوں اس خرابی سے
جیتی ہوں کوئی غمخوار بجز ذات پروردگار نہ تھا آج تجھے دیکھا خوف خدا آیا مطلع کر دیا پسر مجسٹن
نے کہا خاطر پریشان جمع رکھ اگر فضل الٰہی شریک حال ہے تو اس آفت سے جلد نجات ہو جائیگی
یہ کہہ کر جہاں سانپ کے بیٹھنے کا نشان تھا وہاں گڈھا کھود کر قلعے سے بارود لا کر اس میں بچھائی
اور دور تک نقب سی بنائی پھر گھاس ہری اُس پر جمائی شہزادی نے کہا اب وہ آتا ہی ہوگا یہ سُنکر سرِ نقب جا

پوشیدہ ہو کر بیٹھ رہا کہ دفعتہً وہ افعی پُر زہر خدا کا قہر آیا اور اپنی جگہ پر اُس سبز قدم نے فرش

تصویر محسبٹن کے بیٹے کی مع عورت و مکان نقب و سانپ



زمرّدیں پایا بہت خوش ہو کر بیٹھا یہ تو تاک میں تھا پتھر سے آگ نکال اُس نقب میں ڈالدی فوراً ایک دھماکا پیدا ہوا وہ ٹکڑا زمین کا مع سانپ آسمان پر پہونچا دونوں نے شکر کا سجدہ بدرگاہ دافع البلّیات کیا باہم بے اندیشہ وغم رہنے لگے سات برس تک دونوں ساتھ رہے اس عرصہ میں دو لڑکے بھی پیدا ہوئے ایک دن رنج تنہائی کی شہزادی نے شکایت کی کہ اکیلے طبیعت نہیں لگتی صائب بہار عمر ملاقات دوستدارانست ؛ چہ خط برد خضر از عمر جاودان تنہا ؛ کوئی ترکیب ایسی نکالو کہ پھر یہ شہر آباد ہو خاطر غمگین شاد ہو وہ بولا کہ اگر وطن جاؤں اور محسبٹن کو یہاں لاؤں تو یہ بستی بسے عورت نے کہا اکیلی میں کیونکر بسر کرونگی میں بھی ساتھ چلونگی آخرش ایک ایک لڑکا دونوں گود میں لیکر چل نکلے قضارا وہاں پہونچے جہاں تختہ بندھا تھا ذہن میں آیا اسی پر سوار ہو کھول دو کہیں تو جا نکلو گے یہ سوچکر دونوں سوار ہوئے وہ تختہ کھولنے لگا شہزادی بولی مال و اسباب تو اس قدر ہے کہ بیان قاصر ہے مگر ایک ناریل اکسیر سے بھرا ہے دولت لاانتہا ہے جو تو اجازت دے تو اُسے لے آؤں مصرع بدوز دطمع دیدۂ ہوشمند ؛ محسبٹن کے بیٹے نے کہا اچھا وہ تختہ کھلا بندھا یونہی رہا شہزادی لڑکا لئے اتری اُس کے اُترتے ہی ایسی تند ہوا چلی کہ رسّی مکان سے ٹوٹ گئی تختہ بہہ چلا ہر چند اُس نے ہاتھ پاؤں مارے وہ ساحل مطلب سے کنارے ہوا کنارے پر شہزادی بحال خراب دریا میں وہ بادلِ کباب بہہ نکلا دل سے کہتا تھا دیکھئے مرضی ناخدا سے کشتی بادبان شکستہ

کیا ہے پھر جھونکا ہوائے قوم عاد کا ہے اس سوچ میں تھا کہ ایک جہاز نمودار ہوا اہل جہاز نے دیکھا
تختے پر کوئی جوان گود میں لڑکا نادان لیے بہا جاتا ہے رحم کھا بنسوئی کو دوڑا جہاز پر لیا اتفاق
زمانہ مالک جہاز مجسٹن کا دوست دمساز تھا اُس کو پہچانا بہت تعظیم و تکریم سے پیش آیا
برس روز میں جہاز کلکتہ میں داخل ہوا جہاز کا حاکم مجسٹن کی ملاقات کو آیا بچھڑے بیٹے
کو باپ سے ملایا یہاں جس دن سے جہاز کی تباہی مجسٹن نے سُن پائی تھی غریق لجۂ غم تھا بارے
بیٹے کو دیکھ کر سجدہ بدرگاہ باری کیا پوتا گھانے میں ملا اور کلمات شکریہ اُس سے کرنے لگا اس نے
کہا بندہ پرور خیر ہے دنیا اسی کا نام ہے جس کا کام جس سے نکلے وہ فخر و سعادت سمجھے بعد چند
روز مجسٹن نے بیٹے سے روئداد سفر پوچھی اُس نے ابتدا سے انتہا تک سرگزشت سب بیان
کی یہ سُنکر سمجھا مشکل پیچ پڑا مگر سہل سا یہ جواب دیا الخیر بما وقع خیریت اسی میں تھی جو ہوا مصرع بر سر
فرزند آدم ہرچہ آید بگذرد :: بیٹے نے کہا مناسب یہ ہے کہ اب جلد چلیے ایسا ملک مالا مال یہ دولت
لازوال ہاتھ سے نہ دیجیے مجسٹن نے کہا خیر ہے یہ بھی ایک فسانہ تھا جو میں نے سُنا اور خواب تھا
جو تو نے دیکھا لا اعلم ایام وصال و صحبت سیم تناں :: در عالم خواب احلامے شد و رفت ::
اُس نے کہا آپ سا عقلمند ایسا کلمہ فرمائے تو نہایت بعید ہے دنیا میں تین معرکے ہیں زر و
زمین زن یہ سب سامان جمع ہیں اگر آپ نہ جائیں گے فدوی تنہا جائے گا مجسٹن نے کہا افسوس ہم
تجھے دانا جانتے تھے اِلّا ہماری نادانی تھی حمق کی مقتضی تمہاری جوانی تھی اے بھائی کوئی
نادان سے نادان عورت کی بات کا دھیان نہیں کرتا یہ باتیں جبتک تھیں جو تم اور وہ
باہم تھے وہ مونس تھی تم ہمدم تھے اب خیریت ہے سعدی زن دوست بود و لے نہ مانے
تاجز تو نیافت مہربانے :: چوں در بر دیگرے نشنید :: خواہد کہ ترا دگر نہ بیند مصرع اسپ و زن
و شمشیر وفادار کہ دید :: ہرچند اُس نے مغز خالی کیا یہ مقدمہ اُس پر حالی کیا وہ بے مغز نہ سمجھا
مصحفی مصحفی شود نصیحت کا نہیں عاشق کو :: میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے
ناچار مجسٹن نے کہا تم جب تک ذلت نہ اٹھاؤ گے اور ہیں خراب نہ کرو گے اس حرکت بیجا سے
باز نہ آؤ گے نہ چین لوگے اُسی دن سامان سفر درست کیا بہت سے جہاز مع اسباب اور چند
مشیر خوش تدبیر ہمراہ لے روانہ ہوا چند روز میں وہ جزیرہ ملا جہازوں کا لنگر ہوا مجسٹن کا بیٹا اترا

مگر جہاں ویرانہ بوم و غول کا آشیانہ تھا وہاں بستی دیکھی اور جس جگہ بیہڑ تھا اُسے ہموار پایا بلندی نظر آئی نہ پستی دیکھی آدمی ہر سمت سرگرم کار و شہر پناہ تیار اسے تعجب ہوا سمجھا کہ میں بھول گیا کسی سے پوچھا اس شہر کا نام کیا ہے والی ملک کون سا ہے وہ بولا مدّت سے یہ ملک بسبب آفت آسمانی اجاڑ ہو گیا تھا رعایا برایا بلکہ بادشاہ بھی نہ بچا تھا فقط بادشاہ کی بیٹی باقی تھی اب برس دن سے اُس نے شہر کیا ہے شہر از سر نو آباد ہوا نیا طرز ایجاد ہوا یہاں مُفسِد ہے نہ ڈنڈی ہے نام اس کا شہزادی منڈی ہے محبتٹن نے یہ ماجرا سُن کر بیٹے سے کہا خوش بہت ہوئے ہو گئے لو سیدھے پھر چلو اُس نے کہا اتنی صعوبت سفر کی اُٹھائی اس کی صورت بھی نظر نہ آئی دو باتیں کر لوں تو پھر چلوں محبتٹن نے کہا یہ مصیبت کچھ نہ تھی جو بات کرنے میں ایذا اُٹھے گی وہ کب مانتا تھا انہیں لوگوں سے پھر پوچھا شہزادی کبھی سوار بھی ہوتی ہے وہ بولے روز غرض کہ سواری کا وقت دریافت کر لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر سر راہ کھڑا ہوا کہ شہزادی شب دیز کو مہمیز کرتی آ پہونچی یہ پکارا ہم نے ایفائے وعدہ کیا حاضر ہوئے اور لڑکا بھی فضل الٰہی سے سلامت موجود ہے کیا ارشاد ہوتا ہے اُس نے بیگانہ وار جیسے کسی اجنبی کو کوئی دیکھتا ہے ملاحظہ کیا مگر جواب کچھ نہ دیا چلی گئی یہ خفیف گھر پھرا محبتٹن نے حال پوچھا بولا ملاقات نہ ہوئی کل پھر جاؤں گا اُس نے کہا صبح کا جانا روز الم شام غم دکھائیگا بہت پچھتائیگا اُس نے دوسرے روز بیٹے کو سکھایا کہ جب سواری قریب آئے گھوڑے سے لپٹ جانا اور یہ زبان پہ لانا کہ دنیا کا لہو سفید ہو گیا مہر مادری سے محبت پدری میں لطف زیادہ پایا کہ ہمیں ساتھ بہ آرام تمام لئے پھرتا ہے تم بات بھی نہیں کرتی ہو بلکہ پہچانتی نہیں جب سواری قریب آئی یہ تو بہت جلا تھا اور سمجھ چکا تھا کہ کھیل تو بگڑ گیا کہا شہزادی باگ کو روکو وہ خود تو رکی تھی باگ بھی رک گئی پسر محبتٹن بولا

مؤلف

یاد ایام کہ نفرت تھی زمانے سے تجھے
یار تھا یاد نہ خبر تھی نہ بہانے سے تجھے
کبھی چوٹی کی خبر تھی نہ تھا کنگھی کا خیال
مجھ کو افسوس آتا ہے کہ گذرا نہیں سال
تھی لگاوٹ ہی تجھے یاد نہ خلطا سب سے

ہوتی وحشت تھی بہت غیر کے آنے سے تجھے
بےدھڑک غیر سے باتوں کا کبھی طور نہ تھا
بارہا الجھے ہی رہتے تھے ترے سر کے بال
ایسی کیا بات ترے دل میں سمائی ظالم
گرمجوشی کا بھلا کب تھا یہ لپکا سب سے

خوف آتا تھا کہیں آنے سے جانے سے تجھے
ہاں ہم تھے تری صحبت میں کوئی اور نہ تھا
پانکے لاکھے سے اور مسی سے ہوتا تھا ملال
دفعتہً سب وہ رہ و رسم بھلائی ظالم
بیٹھنا کونے میں ہر دم تجھے تنہا سب سے

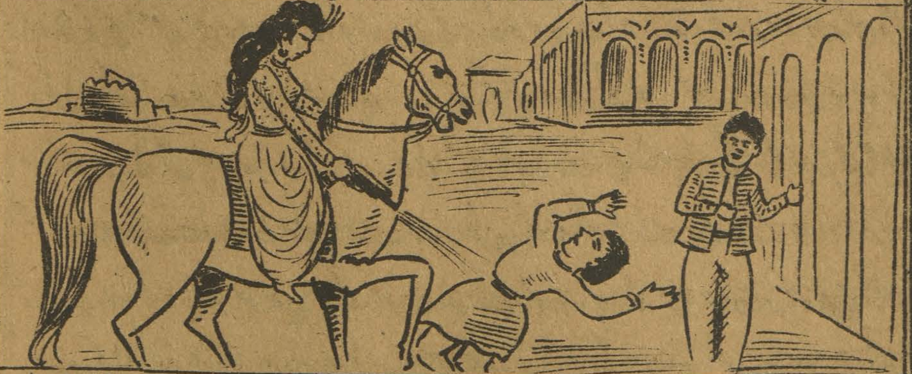
تجھ کو لگ چلتے کبھی ہم نے یہ دیکھا سب
شکر صد شکر ہوئی جلد رہائی تجھ سے
نہ ملیں ہم جو کہے ساری خدائی تجھ سے
اب قسم کھاتا ہوں لو دل نہ لگاؤں گا کبھی
ربط تو کیا ہے نہ ہیں پاس بٹھاؤں گا کبھی
بر زباں یار و نکے یہ ذکر رہے گا ہر بار
ہر تک مر گئے سب پہ نہ ملا وہ زنہار

اب تو ٹھیک ہیں کیا چھید غضب تو نے کیا
اب تو تا حشر مکدر ہے صفائی تجھ سے
بخدا ملنے سے ہم ہاتھ ترے دھو بیٹھے
ذلت و رنج نہ اس طرح اٹھاؤں گا کبھی
موسم اب دل کے لگانے ہی کا جاتا نہ رہا
گو کہ عاشق تھا مگر تھا یہ بڑا غیرتدار
کرے معشوق کسی سے تو دغا ایسی کرے

کھل گیا سب ترا بھید غضب تو نے کیا
وضع اپنی نہیں کیا کیجیے برائی تجھ سے
خوش رہو تم کہ تمہیں لگا کے دل رو بیٹھے
گر طرحدار بھی اس دہر میں پاؤں گا کبھی
ربط کیا خاک کریں ہم وہ زمانہ نہ رہا
دیکھ بد وضع کیا دیکھیے ایسا انکار
پچ کرے بات کی عاشق تو بھلا ایسی کرے

یہ سن کر وہ شرمندہ ہوئی پھر لڑکا گھوڑے سے لپٹ گیا بیچارہ نادان باتوں کا سود و زیاں کچھ نہ سمجھا جو کچھ کہ باپ نے سکھایا تھا کہنے لگا جب کہہ چکا شہزادی نے تپنچہ قربور سے کھینچ کر لڑکے پر جھونک دیا وہ دھم

تصویر شہزادی بہ سواری اسپ و پسر مجسٹن مع پسر خورد و تپنچہ مارنا شہزادی لڑکے کو اور اسکی لاش



سے گر پڑا دایۂ اجل نے کنار عاطفت میں اٹھا لیا اہل قبور سے ملا دیا پھر باگ اٹھا چل نکلی مجسٹن کے بیٹے نے بہت خاک اڑائی بیٹے کی لاش باپ کو دکھائی اس نے کہا کیوں جو ہم نے کہا تھا وہی آگے آیا وہ بدنصیب بولا صبح اختتام ہے جو ہونا ہے ہو جائے گا مجسٹن نے کہا تو اپنا بھی حال ایسا ہی بنائے گا دم سحر جب وہ چلا مجسٹن کا جی نہ رہ سکا ساتھ ہوا جس دم شہزادی کی سواری پاس آئی باگ پکڑی ہنوز زبان نہ ہلائی تھی شہزادی نے کہا اے مجسٹن ہم نے سنا تھا کہ تو مرد جہاں دیدہ و سرد و گرم روزگار چشیدہ تجربہ رسیدہ ہے مگر افسوس بہ ایں ریش فش تو نے سنا نہیں لا اعلم از حادثات جہاں بس ہمیں پسند آمد ؛ کہ خوب و زشت و بد و نیک در گذر دیدم ؛ ایں پیرانہ سالی میں

تجھ پہ ہزار سانحے گذرے ہوں گے کچھ الم و رنج کا مزا پایا فرحت و خوشی کا نشہ باقی ہے اے نادان دنیا میں کس بات کو یاد کیجیے کس کا غم کس سے خاطر شاد کیجیے اگر عقل رسا یا کچھ فہم و ذکا ہو تو دنیا میں کافی ہے یہ بات گذشتہ را صلوات مصحفی

اے مصحفی میں رووں کیا پچھلی صحبتوں کو :: بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں ::

یہ کہہ کر گھوڑا اچھکارا کہ پھر سلسلہ جنبانی اس امر بے معنی کی موجب مضرّت جان جانا مجتن نے بیٹے کو سلام کیا اور نہ کچھ کلام کیا وہ بھی نطفہ ضعیف کا پیدا ہوا بوڑھے باپ کا بیٹا تھا محجوب وطن پھرا جیتے جی باپ سے آنکھ چار نہ کی پھر اس انگریز نے کہا مطلب اس حکایت سے یہ ہے کہ آدمی وہ بات نہ کرے جس کا حصول ذلّت و خفت ہو کھواب کیا کہتے ہو یہ سنکر وہ فرہاد بے ستون عشق شیریں زبانی سے کہنے لگا بقول استاد

کب تلک جیوں گا میں موت اک دن آنی ہے :: ہجر میں جو آجاوے عین مہربانی ہے ::

سب جلسہ سر ٹیک کر اٹھ کھڑا ہوا کہا جب یہ جان گنوائے گا تب جھگڑا جائے گا آخر کار جب اس کا حال ردی ہوا دوستوں کو چٹھیاں لکھ کر جمع کیا کہا کل اس مقام سے ہمارا کوچ ہے اگر ہماری وصیت بجا لاؤ گے دنیا میں نام حشر کو بخیر انجام ہوگا سب نے قبول کیا اس نے کہا بعد انتقال روح ہمارا جنازہ تکلف کا بنا کر بجرے کی چھت پر صندوق میں نعش دھر باجے بجاتے ہمارے معشوق کی کوٹھی جو لب دریا ہے اس کے نیچے سے لے جانا اور دل میں یہ تھا استاد ساتھ وہ میرے جنازے کے لحد تک آئے ::

اے اجل تیرا قدم مجھ کو مبارک ہووے ::

غرض کہ رات کو اس مریض فرقت کا ہجر میں وصال ہوا اس جہان سے انتقال ہوا گویا مرنے کو بھی لوگ کہتے ہیں وصال :: یہ اگر سچ ہے تو مر جاتے ہیں ہم مؤلف

مر کے حاصل کیا فرقت ہی میں لو نام وصال :: جان دی ہم نے مٹایا خلش ہجراں کا ::

صبح کو یہ خبر عام ہوئی کہ سوداگر بچّے کے عاشق محروم ناکام کا کام تمام ہوا مر گیا شدہ شدہ سوداگر کو اور اس ماہ پیکر کو یہ حال معلوم ہوا اگرچہ جذب محبت سے حال تغیر ہوا مگر ضبط سے کام لیا دل بیقرار کو تھام لیا انگریز جمع ہو لبصد پریشانی وصیّت بجا لائے جنازہ درست کر بجرے کی چھت پر دھر لیا لباس سب نے سیاہ کیا بلند نالہ و آہ کیا سر ننگے غل مچاتے باجے بجاتے عجب سانحہ تھا ہزارہا زن و مرد کنارے کنارے گریاں چلے آتے تھے جس نے صندوق کی طرف دیکھا فریاد مچاتا تھا اسی دن سے دریا دریا اشک بہ بجر کی چشم سے رواں ہیں مثل سیماب بیقرارانہ دواں ہیں

اور جسے اجاب حباب کہتے ہیں بہ فرط قلق سے ہر محیط کی چھاتی میں پھپھولا پڑتا ہے پھوٹتا ہے موجوں سے تلاطم نہیں چھوٹتا ہے ماہیان دریا کا خنجر الم سے حنجرہ یعنی گلا زخم دار ہے ساکنان غم سینہ کے پارہی ساکنانِ دریا کو لبسکہ شمشیر عشق کا خوف خطر ہے اِس ڈر سے سنگ پشت کی پیٹھ پر سپر ہے خلاصہ یہ کہ اسی صورت سے جنازہ اس کی کوٹھی تلے آیا اور صندوق سے اُس زندہ جاوید نے بہ آواز بلند سُنایا استاد اے فلک آخری پھیرا ہے نہ ہے تجھ سے گلا اور :: اُس کے کوچے میں جنازہ میرا سنگین تو ہو :: اسی وقت وہ مہ پارہ کشش دل اور تپش متصل سے مطلع ہو دیوانہ وار کوٹھے پر چڑھی اور بیتابانہ پوچھا کہ یہ لاش دل خراش کس جگہ پاش پاش کی ہے کہ حاجبان بارگاہ عشق سے صدائے دورباش دورباش کی ہے وہ بولے کہ یہ کشتہ تمہارا ہے سرخ مفارقت نے آپ کے اسے بے اجل مارا ہے افسوس کہ اس بیکس نے جان دی اور تم کو مطلق خبر نہ ہوئی اور کسی شخص نے عمداً اسے سنا کر یہ شعر پڑھا جرأت مگر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھنگ نکالا ہے :: سبھوں سے پوچھتا ہے کس نے اسکو مار ڈالا ہے :: یہ سنتے ہی نعرۂ جانسوز آہ دلدوز سینہ بریاں سے کھینچ کر گر پڑی

تصویر جنازہ مع صندوق زیر مکان معشوق لانا اور معشوق کا اس پر گرنا



عشق کا نشانہ دیکھیے صندوق لعش پر گر ٹکڑے ٹکڑے مثل جگر عاشق زار ہو خواب مرگ میں سو بخت خفتہ جگایا کشش محبت نے بچھڑوں کو اس طرح ملایا دیکھنے والے بھرا گئے دلگدازوں کو غش آگئے شہر میں چرچا گھر گھر ہوا منزلوں یہ اخبار مشتہر ہوا اس کے باپ نے بہت سی خاک سر پر اُڑا دونوں کو پیوند زمین کیا اس عشق فتنہ انگیز نے کیا کیا نہیں کیا تہِ خاک ہجر کے ماروں کو بیقراروں کو قرار آیا ہزارہا شخص دیکھنے کو سر مزار آیا مطابق قول میر تقی حیرت کار عشق ہے مردم ؛ شکل تصویر آپ میں تھے گم ؛ کام میں اپنے عشق پکا ہے ؛ ہاں یہ نیرنگ ساز یکا ہے ؛ جسکو ہوا التفات اس کی نصیب ؛ ہے وہ مہمان چند روز غریب ؛ ایسی تقریب ڈھونڈھ لاتا ہے ؛ کہ وہ ناچار جی سے جاتا ہے ؛ کون محروم وصل یاں سے گیا ؛ کہ نہ یار اُس کا اِس جہاں سے گیا ؛ پھر یہاں سے خامۂ مصیبت نگار حال ملکہ زار لکھتا ہے کہ آخر کار جی تنگ ہوا اب دُوری سے یہ ڈھنگ ہوا استاد لگے زمیں پہ اب سب اتار نے ہم کو ؛ یہ دن دکھائے ترے انتظار نے ہم کو ؛ فراق میں ترے بن موت اب تو مارا ہے ؛ تڑپ تڑپ کے دلِ بیقرار نے ہم کو ؛ جب اپنا آہ دم نزع کنٹھ بیٹھ گیا ؛ تم آئے بالیں پہ اُسدم پکار نے ہم کو ؛ صبح سے شام ٹکٹکی جانب در دست تاسف بر سر اور ہر دم یہ کلام زبان پر اُستاد ؛ زبسکہ رہتا ہے آنے کا اُسکے دھیان لگا ؛ صدائے در پہ ہے در پردہ اپنا کان لگا ؛ بیادِ زلف نہ تا دودِ آہ سب پہ کھلے ؛ میں منہ پہ اس لئے رکھتا ہوں پیچواں لگا ؛ ہزار خوار ہوئے تجھ سے عندلیب یہاں ؛ یہ بے ثبات چمن ہے نہ آشیاں لگا ؛ آخر کثرت انتظار سے نظر کمی کرنے لگی اور جان زار تڑپنے سے دل بیقرار کے برہمی کرنے لگی یہ نوبت ہوئی سات گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے ؛ اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند ؛ اسوقت کشش محبت ملکہ مہر نگار نے جانعالم کے دل کو بیچین کیا خیال آیا کہ خدا جانے صدمۂ فرقت سے اُس کا کیا حال ہوگا دل نے کہا جینا وبال ہوگا گھبرا کر دست پاچہ ہوا عیش و نشاط بھولا یہ تازہ گل پھولا انجمن آرا سے کہا زیادہ طاقت مفارقت احباب وطن مجھ خستہ تن کو نہیں آج بادشاہ سے رخصت خواہ ہونگا وہ بہرحال اطاعت اور رضا اسکی جمیع امور پر مقدم جانتی تھی کہا مجھے بھی تمنائے سیر کوہ و بیابان بے پایان ہے شہزادہ موافق معمول دربار میں حاضر ہوا اور سلسلہ سخن بہ طلب رخصت وطن کھولا بادشاہ محزون و غمناک ہو فرمانے لگا یہ کیا کہا جو کلیجہ منہ کو آنے لگا جانِ من تاب جدائی نہیں رخصت بادیہ پیمائی نہیں اگر خواہش

سیر ہے تو فضا اس نواح کی جا بجا مشہور ہے خزانہ موجود فوج فرمانبردار ملک حاضر اگر منظور ہے جانعالم نے دست بستہ عرض کی اے شہریار با وقار پُر تمکین بر بس دن میں حضور کو مجھ غمگین سے یہ محبت ہوئی کہ مال و ملک و سلطنت بلکہ جان تک سے دریغ نہیں وائے بر حال مادر و پدر سوختہ جگر جنہوں نے لاکھ منتوں کروڑوں مرادوں سے دن کو دن نہ رات کو رات جان کر سولہ سترہ برس خاک چھان کر مجھ کو پالا ولولۂ طبیعت نے گھر سے نکالا اب مدت مدید عرصہ بعید گذرا انہیں میرے مرنے جینے کا حال معلوم نہیں اُن کے صدمہ کو غور کیجئے رخصت بہر طور کیجئے آدمیت سے بعید ہے آپ عیش و لذت ط کرے ماں باپ کو رنج و تعب میں چھوڑے اُمیدوار ہوں اس امر میں حضور فکر نہ کریں بکشادہ پیشانی اجازت وطن دیں اگر حیات مستعار زلیست ناپائدار باقی ہے پھر شرف آستان بوسی حاصل کرونگا نہیں تو اس فکر میں گھٹ مروں گا دین برباد ہوگا اور دنیا میں عزت و آبرو نہ رہے گی خدا ناخوش ہوگا خلقت تن پرور راحت طلب کہے گی بادشاہ سمجھا یہ اب نہ رکے گا آنسو آنکھوں میں بھر کر کہا خیر بابا مرضی خدا جو تیری رضا مگر تیاری سامان سفر کو چالیس دن کی مہلت چاہیئے جانعالم نے یہ بات قبول کی یہ تو رخصت ہو کر گھر آیا خبرداروں لے اس حال کا خاص و عام میں چرچا کیا خلاصہ یہ کہ شدہ شدہ یہ غلغلہ گھر گھر ہوا خورد و کلاں بوڑھا اور جوان شہر کا اس خبر سے باخبر ہوا

عزم جانعالم زر نگار سے سوئے وطن تیاری سامان رخصت انجمن آرا کی عزیز و اقربا سے فرقت اور پہونچنا ملکہ پاس پھر نکاح کرنا

مؤلف چل لے توسن خامہ چالاک و چست :: کہ اب بیٹھے بیٹھے بہت جی ہے سست :: جگہ بیٹھ رہنے کی دنیا نہیں :: یہاں خاک بیٹھے کوئی دل حزیں :: سفر ہر نفس سب کو رہتا ہے یاں :: سرائے فنا بھی عجب ہے مکاں :: نہ بیٹھا کبھی جم کے اک جا بشر :: قریبوں سے اپنے رہا دور دور طے کنندگان ملک معانی و سیاحان اقلیم خوش بیانی بادیہ پیمایان بے توشہ بار محنت بر سر راہ نوردان ہوش باختہ بے راہبر یاد دلدار در دل دین و دنیا فراموش الم ہمراہ ہر گام نالہ و آہ تصویر یاس ہم آغوش لکھتے ہیں کہ اُس عازم سمت معشوق و عاشق خصال کو چلہ میں گذرا سامان سفر تیار ہوا اب صبح کو اُس چلہ نشین حجرہ محبت کی رخصت ٹھہری شام با دل ناکام بادشاہ دامن سحر کی صورت

گریباں چاک کرمع ارکانِ سلطنت دو کوس شہر سے باہر سرِ راہ دامنِ کوہ پہ جا بیٹھا وزیرِ خوش تدبیر
سے فرمایا کہ تم شہزادے کو رخصت کرو ہم یہاں سے جلوس سواری سامانِ سفر دیکھ لیں گے یہ خبر اہل
شہر کو معلوم ہوئی تمام خلقت پانچ برس کا لڑکا بچا نوے برس کا بوڑھا رنڈی مرد دوسرے
ٹیکرے پر اُسی دم جمع ہوئے جھٹپٹے وقت جانِ عالم نے سواری طلب کی ہرکاروں نے عرض کی بادشاہ
راہ کی طرف متوجہ ہوا روشنی نمود ہوئی پلٹنیں آئیں سجی سجائی توپ خانہ گذرا پھر بارہ ہزار ہاتھی
سواری کا ہودج و عماری کا ہزار بارہ سو جنگی بار کش مست چاروں پھٹیاں ٹیکتیں بان پٹے سونڈوں
میں چڑھے بھسونڈے رنگے طلائی نقرئی زنجیریں کھنکتیں جھولیں زربفت کی نئے نئے رسے کلابتوں
کے ہیکلیں جڑاؤ مغرق گجگاہیں پڑیں دو رویہ اِس انداز کی کہ اگر اصحابِ فیل انہیں دیکھتے خوف
کھاتے کبھی کعبہ ڈھانے نہ آتے فیلبان زربفت کی قبا یا کمخاب کی پہنے جوڑ یدار پگڑیاں باندھے
کمر میں پیش قبض یا کٹارہ ہاتھوں میں گجباگ جواہر نگار مستول کیا تھ دو لوڑی بردار ایک چہ کٹا
سنڈا ہاتھ میں ڈنڈا دو برچھی والے دیکھے بھالے آگے پیچھے تریل قریب سانٹھ مار برابر دو سوار
پھر کئی لاکھ سواروں کے پرے ہاتھیوں سے پرے پرے سر سے تا پا لوہے کے دریا میں ڈوبے ہیں
اکیس برس کا ہر ایک شخص کا سن شباب کی راتیں جوانی کے دن خود بکتر زرہ پہنے بائیں دہنے چار
آئینہ فولادی ہیں ہر دم روئے مرگ معائنہ کرتے ہاتھوں میں داستانے خانہ جنگیوں کے بانے دو تلواریں
ایک قاش زین میں دوسری ڈاب میں تپنچے کی جوڑیاں قبور میں سرور بہادری سے سرور
ہیں کمر میں قرولی یا کٹار آبدار سپر لپشت پر برچھا ہاتھ میں تیکھا پن ہر بات میں مثل نہنگاں بحر
ہیجا و شیرانِ اکنامِ دغا مونچھوں پر تاؤ دیتے ہر بار نوک کی لیتے گھوڑے وہ خوش خرام کہ سمند
سبز فام جس کا قدم دیکھ کر آج تک چال بھولا ہے دیکھنے والے کہتے تھے چمن رواں گیا پھلا
پھولا ہے دو صفیں باندھے ہوئے بیچ میں ہنجشاخے روش گھوڑے کداتے جوبن دکھاتے
چلے گئے پھر ہزار بارہ سو سانڈنی سوار خوش رفتار زرد زرد قبائیں دربر سرخ پگڑیاں سر پہ
آبی بانات کے پاجامے پاؤں میں ہتھیار لگائے مہاریں اٹھائے ستاروں کی چھاؤں میں سانڈنیوں
میں دو دو سو کوس کا دم بختی فلک اب تک بلبلاتا ہے جب اُن کا دھیان آتا ہے قدم قدم
یہ جب بڑھے تو سواری کے خاص خاصے نظر آئے عربی ترکی تازی عراقی یمنی اور کاٹھیاواڑ

نگارہ

کا دکھنی وہ وہ گھوڑا جو ابلق لیل و نہار کی نظر سے نہیں گزرا ہڈا نہ موٹرا نہ رس کا خلل زنگ اُجاڑ نہ کھوٹا اکھاڑ سا نہیں نہ ناگن عقرب اُر جل شبکور نہیں منہ زور نہیں کم خور نہ مٹھانہ کھوٹا بال بھونری سے صاف جنتری کمری کہنہ لنگ نہیں سینہ کا تنگ نہیں ہمہ تن اوصاف کسی پر جڑاؤ زین بندھا کسی پر چار جامہ وحال کو کسا کسی کی فقط گردنی الٹی گنڈہ پٹہ ساز یراق جواہر نگار پوزی دمچی طرحدار پر ہما کی کلغی لگی پاکھر پُر تکلف پٹھوں پر پڑی دوگاما گام شہ گام یرغہ ایلبہ پہوار ڈلکی کا منجا الیں کرتا جلودار چنور لئے مشغول مگس رانی میں ہمرکاب تپائی بردار معقول سرگرم جانفشانی میں باگ ڈوریں پُر زر سائیس لے کر نکلے اُن کے بعد نوبت نشان ماہی مراتب علم اژدہا پیکر جلو میں نصرت وظفر یہ سب جلوس باکروفر آیا نوبت کی ندا جھانجھ کی جھانجھ سے صدا قرنا سے شور وغل شہنا میں بھیروں بھباس کے سُر بالکل نقیب اور چوبداروں کی آواز پر سوز وگداز عجب کیفیت کا عالم تھا ادھر نقارہائے شتری وفیلی سے گوش کروبیاں کر ہوا جاتا تھا ایک طرف شہر کے لڑکوں کا غول بجادے بجادے کا غل مچاتا چلا آتا تھا میر سوز کہے تو پھر وہ لے کر عصائے نور ہاتھوں میں :: یہی کہتے تھے گردوں پر ادب سے اور تفاوت سے :: پھر شکار کا سامان میر شکار لائے باز آہنی چنگال تیز بال بحری باشے شاہین عقاب فلک سیر جہاں کے طیر اُنکے قریب تازی ولایتی کتے بودار گلڈانگ تازی جانبازی کرنیوالے چیتے جو دشمنوں کو بُرا چیتے بلکہ لہو پیتے سیاہ گوش واغوش ہرن لڑنے والے خانہ زاد گھر کے پالے اُن کے بعد ہزار سقہ خواجہ خضر کا دم بھرتا چھڑکاؤ کرتا کمر میں کھاروے کی لنگیاں شانوں پہ باولے کی جھنڈیاں مشکوں میں بید مشک بھرا دہانے میں ہزارے کا فوارہ چڑھا متعدد غلام باولہ پوشش حلقہ بگوش ہاتھوں میں ہیرے کے کڑے پڑے منقل انگیٹھیاں سونے چاندی کی لئے ہوئے بھونکتے نکلے پھر تو کوسوں تک جنگل رشک تاتار مثل طبلہ عطار ہو گیا اُن کے متصل دو ہزار لالٹین والے کمسن بلور کی صاف صاف شفاف لالٹینیں لئے شمع مومی وکافوری روشن کئے وہ سب غنچہ دہن زیب انجمن بڑھے پھر صدائے اہتمام نقیبان خوش گلو چار سو بلند ہوئی اور صبح صادق نے جلوہ دکھایا ہاتھ کو ہاتھ نظر آیا شاہ خاور بھی دریچۂ مشرق سے سر نکال کر مشغول نظارہ ہوا حسرت میں آوارہ ہوا دم سحر نسیم وصبا کی فرفر شمع کا جھلملا جھلملا اداس جلنا سواری کا آہستہ آہستہ چلنا پہاڑی جانوروں کی سیر

ذکر جی میں وحشی دلِ طیر سرسبز درخت پھلے پھول رنگ برنگے کے ڈیڈ بے سقوں کی آب پاشی صدائے نالہ مرغانِ خوش الحان سے دلخراشی خضر و انجم کا مع ثابت وسیارہ چھپتے جانا سورج کی کرن کا جگمگانا پھولوں کی بو باس چشمہ سرو وشیرین آس پاس خلق کا مجمع دامن کوہ پر سب کی نگاہ کبھی اس کیفیت پر گاہ اس انبوہ پر ادھر مسافروں کی کثرت اُدھر بادشاہ پر ارمان خلق خدا باحسرت بچشم انتظار اُمیدوار آمد پیادہ و سوار و تماشائے عجیب روزگار تھے یکایک غول خاص برداروں کا آیا کمخاب کی مرزائی انگرکھے گجراتی مشروع کے گھٹنے دلی کی ناگوری پاؤں میں سر پہ گلنار پھٹیے طرحدار خاصیونکے غلاف باناتی سقرلاتی باغ و بہار گردپوش ململ کے سینگڑے ساز مطلا جھلاجھل کے رفل چقماق توڑے دار قرابین شیر بچے جس سے شیر زندہ نہ بچے جواہر نگار اور برچھی دار باندار گتے والے بیچ بیچ قرار دسماہی دار راکب و مرکب جھمکڑے کا عالم گرداگرد بیچ میں شہزادۂ جانعالم اسپ باد رفتار پہ سوار برابر انجمن آرا کا سکھپال پری تمثال ہزار پانسو کہاریاں پیاری پیاریاں کمسن جسم گدرایا شباب چھایا زربفت واطلس کے لہنگے مصالحہ ٹکا ململ کے دوپٹے باریک بنت گوکھرو کی کرتی انگیا کاشانی مخملی کرتیاں کندھوں پر کچھ سکھپال اُٹھائے باقی پرا جمائے اِدھر اُدھر جڑاؤ کڑے ملائم ہاتھوں میں پڑے پاؤں میں سونے کے تین تین چھڑے کانوں میں سادی سادی بالیاں نشۂ حُسن میں متوالیاں کسی کا کان جو آلا تھا تو حسن کی دوکان میں ناز و ادا کا نرخ دوبالا تھا انداز و ناز نرالا تھا وہ آہستہ تیوری چڑھا کے پاؤں رکھنا کبھی سسکی جھجکی بڑی سیر تھی کئی سو سواری کا دوڑنے والا خواجہ سرا عجیب عجیب طرح کا لسکٹا قلماقنیں ترکنیں سرگرم اہتمام خواجہ سرایان ذی لیاقت معقول گھوڑوں پر سوار بند و بست میں مشغول جریب زمین میں پڑتی کوس کا ساتھ زمین کی پیمائش سواری کی آرائش بڑا تزک بہ مرتبہ کرو فر نہایت دھوم دھام بادشاہ کے پاس آ پہونچے جانعالم نے دیکھا ظلِ سبحانی کے چشمہ چشم سے جوئے خون جاری ہچکی لگی بیقراری طاری گھوڑے سے کود کر آداب بجا لایا بادشاہ نے بہ تبسم فرمایا اسوقت ہمارے پاس آؤ خدا کو سونپا چلے جاؤ شہزادہ مجرا کر کے سوار ہوا جس دم جانعالم نے گھوڑا بڑھایا تمام خلقت کا جی بھر آیا علی الخصوص بادشاہ کی بیقراری جانعالم اور انجمن آرا کی گریہ و زاری دیکھ کر تماشائی واویلا مچا کہنے لگے آج رونق شہر کی رخصت ہے زینت سلطنت کی فرقت ہے ایسے مہر و ماہ کے جانیسے شہر میں غدر پڑیگا اندھیر ہو جائیگا انکا الم جدائی رنج

تصویر جان عالم مع سامان سفر و سکھپال انجمن آرا و ادھر ادھر ٹٹوؤں پر لوگ بیٹھے اور سواری رواں



دشت پیمائی ہزار روز سیہ شام غم دکھائیگا کہتے ہیں کہ سینکڑوں مرد و زنڈی بے کہے سُنے ہمراہ ہوئے غریب الوطنی اختیار کی وہاں بود و باش گوارا نہ ہوئی اُن کے بعد چھ سات سو پالکی نالکی چنڈول محافہ امیرزادیوں کا اور انیسوں جلیسوں کی تین چار سو کھڑکھڑیاں اور فنس پیش خدمتوں کا دو تین سو میانہ چوپہلا مغلانی آتون محلداروں کا ہزار نوسو رتھ اکبرآبادی دو برجے سائبان دار نئے مغرق پردے چمکتے ناگوری بیل جو ثور فلک نے نہ دیکھے تھے جتنے ؛ انّا چھوچھو چھیٹی نویس باریدار لونڈیاں باندیاں سوا یہ بھی قطار قطار گذر گئے اور چھکڑے اونٹ ہاتھی خزانے اور اسباب سے ڈیرے خیمے لدے لدائے کسے کسائے چکڑے نظر آئے غرضکہ تا شام بہیر بنگاہ بازاری سرکاری سب لوگ چلے گئے لکھا ہے کہ روپے اور اشرفیاں امام ضامن کی دم رخصت اتنی آئیں کہ تمام راہ سید مسافروں نے پائیں اور کھجور کلچوں کا یہ حال ہوا کہ راتب کے سوا ہاتھیوں کو کلچے ملے اور اہل لشکر کو بانٹ دئے کھجوریں جو بٹ نہ سکیں راہ میں پھینک دیں وہ اُگیں اُس کے درخت اُگے کم تھے اُس دن سے جنگل ہو گئے اُسوقت بادشاہ سراسیمہ بدحواس باحال یاس دولت سرا میں آیا وہ لبالب بھرا شہر اجڑا ویران نظر آیا بازار میں جابجا چراغ گل سر شام پگڑی غائب اندھیرا بالکل جس طرف دیکھا لوگ تھکے ماندے پھر کر پڑے تھے بازار میں تختے لگے سرچڑھے تھے لوگ سوز مفارقت سے دردمند دوکانیں بند جو جہاں پڑا تھا شہزادی کی رخصت کا ذکر کر رہا تھا دو شخص اگر باہم بیٹھے بادل پرغم تھے کوئی سوتا تھا کوئی چپکا پڑا روتا تھا بستی سُنسان بازار میں سناٹا خلق خدا اندوہ کی مبتلا بادشاہ کو دونا قلق سوا رنگ فق ہوا محل سرا میں آیا وہاں بھی چھوٹے بڑے کو غمگین پایا لوگو نکے عزیز جدا ہو گئے

سب اُس یوسفِ رفتہ کے زندانِ فراق میں اسیر بلا ہو گئے علی الخصوص انجمن آرا کی ماں جس کی نظر سے
وہ چاند سورج چھپ گئے زمانہ آنکھوں میں تیرہ و تار دل غم سے خار خار حیرت میں نقش دیوار ہو رہی
تھی آنکھوں پر زور نتھا روتی تھی بادشاہ نے سمجھایا ہاتھ منہ دھلوایا کچھ کھلایا یہ تو سب نالہ بلب آہ
درد دل جانِ عالم اور انجمن آرا رو بمنزل پانچ پانچ کوس کا کوچ دو چار دن کے بعد ایک دو مقام پر
براحت و آرام کرتے چلے فوج ظفر موج ساتھ اردوئے معلّیٰ کا عجب عالم تھا ایک عالم روز ہمراہ جہاں
کی نعمت تیار شام و پگاہ صراف بزاز جوہری روپیہ پیسہ اشرفی ڈھاکے کا ریزہ بنارس کا گلبدن گجرات کا
کمخواب الماس زمرّد یاقوت احمر جو چاہو سو لو ایک طرف قصاب اور نانبائی تکّی لپکائی لئے ہوئے میوہ
فروش خانہ بدوش حلوائی طرح طرح کی مٹھائی بنا بازار باغ و بہار جُدا جُدا ہر گنج کا جھنڈا گڑا چوبڑ کا بازار
بڑا جلوخانے کے روبرو نصف شب گذرنے تک دوکانیں کھلیں اکاسی دیا جلتا بھولا پھرتا اُسکی روشنی میں آکر کوتوال
سرگرم پاسبانی بازار یونکی نگہبانی نرسنگا روندیں پھکتا غرضکہ سب خُرم و شادمان رواں تھے مگر جانعالم جذب
محبّت ملکہ سے کبھی یہ کہتا تھا شعر سامان سفر باخود دل رنجیدہ دارم ؛ بکف چیزیکہ دارم دامن برچیدہ دارم

ورود لشکر فیروزی اثر دیار ملکہ مہر نگار میں پیر مرد کی ملاقات اور انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کی دوبدو گفتگو پھر جانعالم کا نکاح بعد رخصت بصد شوکت و حشمت

شاطرہ خامہ نے عروسِ سخن کو بصد زیب و زینت حجلۂ بیان میں یوں جلوہ آرا کیا ہے کہ جس روز ورود
لشکر فیروزی اثر ملکہ مہر نگار کے باغ سے قریب ہوا خبر داروں نے یہ مژدۂ جاں بخش فوراً ملکہ کو پہونچایا
کہ مبارک ہو شاہزادہ تشریف لایا لیکہ غم مفارقت سے تاب و طاقت طاق تھی سُنتے ہی غش آیا پھر
سنبھل کر فرمایا بخت خفتہ کب بیدار ہوتا ہے ایسا پاؤں پھیلائے سوتا ہے اور جو میرا دل بہلانے کو
کہتے ہو تو سُن لو مؤلف تفریح کلفتوں کی ترغیب ہے لاحاصل ؛ بہلانے کی باتیں ہیں یہ دل بھی
بہلتے ہیں ؛ چندے جو یہی لیل و نہار ہے تو قصّہ فیصلہ ہے تدبیر خلاف تقدیر سراسر بے کار ہے
مؤلف گر اُس کے ہجر میں یونہیں اندوہگیں رہے ؛ تو ہوئیگا وصال دلا یہ یقیں رہے ؛ ہے احتیاط
شرط کہ اس چشم تر پہ آہ ؛ دامن رہے رہے نہ رہے آستیں رہے ؛ مدفن کا اپنے ہم کو تردد ہو کس لئے
کوچہ کی تیرے یار سلامت زمیں رہے ؛ تو گلشن وصال کی کر سیر عندلیب ؛ ہم خرمن فراق کے بس خوشہ چیں رہے

جو جو کہ انتخاب تھے صفحے پہ دہر کے :: ایسے وہ مٹ گئے کہ نشاں بھی نہیں رہے :: کس کی خوشی کہاں کی ہنسی کیسا اختلاط :: ہم کو نہ چھیڑو تم کہ وہ اب ہم نہیں رہے :: چھوٹا نہ نزع میں بھی خیال اُس کا اے سرور :: دم بھرتے ہم اُسی کا دم واپسیں رہے :: اُس عرصہ میں وہی خواص دل آرام نام بارہ دری سے نیچے اُتری پھر کہا خدا جانے یہ لشکر کہاں سے آکر اترا ہے ملکہ ہنسکر بحیلہ سیر خواصوں کے کندھوں پر ہاتھ دھر ٹھنڈی سانس بھر کوٹھے پر چڑھی دیکھا تو فی الحقیقت لشکر بے پایاں سپاہ فراواں ہے خیام شاہی استادہ ہیں پھرتے چلتے سوار اور پیادہ ہیں یکایک شہزادہ جانعالم بچند سوار اسب صرصر خرام رخش تیز گام پر سوار نظر آیا اول تو اُسے نچا کھچا منزلوں کا مارا دشت غربت کا آوارہ دیکھا تھا اب حشم و خدم جاہ و حشم سے پایا بدن تھرآیا اعضا اعضا میں رعشہ ہوا یہ روز تماشہ ہوا اُستادو آتے ہی ترے چھٹتا ہے رعشہ سا بدن میں :: ہر چند کہ ہیں بیٹھے ہر لحظہ سنبھل ہم :: وہ زردی چہرہ پر غم مژدہ وصل کی سُرخی سے بدل گئی غش سے سنبھل گئی شہزادہ گھوڑے سے اُتر سیدھا ملکہ کے باپ کے پاس گیا رسم سلام بجا لایا اُس نے دعائے خیر دیکر چھاتی سے لگایا کہا الحمد للہ تمہیں بصحت و عافیت اللہ نے کامیاب دکھایا پھر انجمن آرا کی سواری آئی تسلیم بجا لائی پیر مرد نے فرمایا شہزادی نے فقیر کے حال پر کرم کیا اللہ بھلا کرے اُس نے عرض کی کہ کنیز مدت سے حضور کی صفت و ثنا ظل سبحانی کی زبانی سُنا کرتی تھی آج شہزادہ کی بدولت سعادت آستاں بوس حاصل ہوئی دو گھڑی بیٹھی پھر التماس کیا کہ اگر اجازت دیجئے ملکہ کی ملاقات سے مسرور ہوں اس مرد حق پرست نے فرمایا اس کا پوچھنا کیا بابا بے تکلف خانہ خانۂ شما است جانعالم رخصت ہو خیمہ میں آیا انجمن آرا نے ملکہ کے مکان کا رستہ لیا آنیکی خبر

تصویر انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کے باہم گلے ملنے کی



پیشتر ملکہ کو پہونچی تھی سامان اُس اُجڑے مکان کا درست ہوا تھا جب سواری اُتری لبِ فرش
لینے کو آئی فراشی سلام کیا گلے سے انجمن آرا نے لگایا ملکہ آبدیدہ ہو کر بولی تم نے مجھے محجوب کیا میں فقیر
کی بیٹی تم شہزادی ہر چند شاہ و گدا دونوں بندۂ خدا ہیں اِلّا تمہارے قدم آنکھوں پر رکھوں
تو بجا ہے آپ کے آنے سے مجھے بڑا افتخار حاصل ہوا ہے انجمن آرا بولی ہم نے یہ خوب کیا رنڈی پنے چہچلے
کی باتیں بیگانہ وار نہ کرتی تو کیا ہوتا اے صاحب ہمارے تمہارے تو رشتہ ہمسری و برابری ہے اور حساب کی راہ
سے پہلے تو سلامتی سے تمہیں ہو سرکاری اُلش ہمیں لا ہے پہلے مزا آپ نے چکھا ہے جوبن لوٹا ہے غرض کہ
دو دو نوکیں ہو گئیں اختلاط حرف و حکایات رمز و کنایہ شب بھر رہے جس وقت عروسِ شب نے
مقنعہ مغرب میں منہ چھپایا اور نوشاہ روز مشرق سے نکل آیا انجمن آرا جانعالم کے پاس آئی دیر تک
اخلاق و محبّت ملکہ کا مذکور کیا کہ اس صفت کی عورت آج تک نہ دیکھی تھی دوسرے دن جانِ عالم نے
ملکہ کے باپ سے عرض کی کہ الکریم اذا وعدہ وفی اُس سالک راہ حق نے ارشاد کیا ہم اس لائق
کہاں ہیں لیکن مصرعہ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را ؛ تم قول کے پورے ہو اقرار کے سچے ہو
بسم اللہ اپنے زمرۂ کنیزوں میں سرفراز کرو شادی کا نام لینا منہ چڑھانا ہے نہ وہ ہم ہیں نہ وہ ہمارا زمانہ
ہے آخر بطور شرع شریف ملکہ کا نکاح جانعالم کیساتھ ہوا اب یہ معمول ہوا کہ ایک شب انجمن آرا کی دوسری
رات ملکہ کی ملاقات کی ٹھہری اور اُن دونوں میں وہ راہ و رسم محبّت و الفت کی بڑھی کہ شہزادے کی عاشقی
نظر سے گر گئی نظری ہوئی اور سچ ہے جو طرفین سے نجیب الطرفین ہوتے ہیں اُن میں رشک و حسد رنج و ملال
دخل نہیں پاتا کٹی جلی ڈاہ بغض عداوت کج بحثی داننا کل کل روز کی تُو تُو مَیں مَیں چھوٹی اُمّت پر ختم ہے
لاکھ طرح انہیں سمجھاؤ نشیب و فراز دکھاؤ لیکن ان لوگوں سے بے جھونٹک جھانا نہیں رہا جاتا دو
دن ایک طرح پر صحبت برابر نہیں آتی ہے زندگی انسان کی تلخ ہو جاتی ہے لاکھ طرح کا غم ہوتا ہے ناک میں دم ہوتا ہے مولف

عشق میں طرفین سے اُلفت برابر چاہیئے	جو بدل بندہ ہو اُس کو بندہ پرور چاہیئے

داستان حیرت بیان رخصت جانعالم پیرمرد کا عمل بتانا چلتے وقت وزیر زادے کا مل جانا انجمن آرا کے میلان سی شہزادے کو بندر بنانا اس بیچارہ کا ہزاروں مصیبت اٹھانا مع الخیر صحت پانا

مصیبت نگار و مصائب رقم	جگر چاک و مغموم میرا قلم	زمانے کی کچھ طرز لکھتا ہے یاں

عجائب غرائب ہے یہ داستان جو یہ دوست ہیں ایسے دشمن نہیں ضرورت کی کچھ دوستی ہے ضرور	مری بات یارو یہ کرنا یقین نہیں ہیں نہیں ہیں نہیں ہیں نہیں	کسی کا کوئی دوست مطلق نہیں کیا امتحاں ہیں نے اکثر ہنر ور

قصہ کوتاہ چندے شہزادہ والا جاہ وہاں رہا ایک روز یہ عاشق و معشوق باہم بیٹھے تھے جانعالم نے کہا ہمیں وطن چھوڑے عزیزوں سے منہ موڑے عرصہ ہوا ہنوز دلی دور ہے اب چلنا ضرور ہے وہ دونوں نیک خو رضا جو بولیں بہت خوب اُسی روز حرف رخصت ملکہ کے باپ سے درمیان آیا اُس نے بھی روکنا مناسب جانا سفر کی تیاری ہوئی دم رخصت استعداد مال و اسباب نقد و جنس کی قسم سے شہزادے کو ملا کہ انجمن آرا کا جہیز بھول گیا اور وقت وداع پیر مرد نے بادلِ پر درد جانعالم سے کہا فقیر کے پاس کچھ نہ تھا جو پیشکش کرتا مگر ایک نکتہ بتاتا ہوں جب امتحان ہوگا خزانہ قارون سے زیادہ کام آئیگا اگر احتیاط کرو گے پھر چند فقرے تنہا لیجا کر بنا کر تاکید کی کہا اگر یہ مقدمہ حقیقی بھائی سے اظہار کرو گے یا درکھو حضرت یوسف سے زیادہ صدمے سہو گے زمانہ کے اخوان الشیاطین پر از کید آمادۂ کین ہیں اسی سبب سے دنیا میں راز کہنا برا ہے چپ رہنا بھلا ہے یہ نکتہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے سب کو یاد ہے کہ دنیا میں برادر حقیقی دشمن مادر زاد ہے بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی ؛ بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر ہووے ؛ پھر انجمن آرا پاس آ فرمایا شہزادی فقیر زادی کنیز کو عزیز جانکر نظر الطاف و کرم ہر دم رکھنا یہ بھی خدمتگذاری میں قصور نہ کریگی اسے تمکو سونپا تمہیں حافظِ حقیقی کے سپرد کیا لو خدا حافظ سواری دیکھ تیاریہ تھی لوگوں پر ثابت تھا کہ کوئی امر پوشیدہ درویش با وقار شہزادے پر تکرار اظہار کرتا ہے اتفاق زمانہ اُسی دن وہ وزیر زادہ جو وطن سے ساتھ نکل ہرن کے پیچھے گھوڑا پھینک دشت ادبار میں شہزادے سے جدا ہوا تھا گشتہ و پریشان پھرتا پھرتا پیادہ پا ادھر آ نکلا اس نے جو یہ لشکر جرار قافلہ تیار دیکھا پوچھا کس کی سواری ہے کہاں کی تیاری ہے لوگوں نے تمام جانعالم کا قصہ سُنایا یہ خوش ہوا جی میں جی آیا پوچھا شہزادہ کہاں ہے وہ بولے پیر مرد جو یہاں کا مالک ہے فقیر سالک ہے کچھ کہنے کو جدا لیگیا ہے اس عرصہ میں جانعالم رخصت ہو سوار ہوا وزیر زادے نے مجرا کیا شہزادے نے گھوڑے سے کود کر گلے لگایا دیر تک نہ چھوڑا اسی دم لباس فاخرہ پہنا ہمراہ سوار کیا راہ میں سرگذشت تفرقہ پوچھتا کہتا چلا جب خیمہ میں داخل ہوا وزیر زادے کو محل سرا میں طلب کیا انجمن آرا اور ملکہ کو نذر دلوا کہا یہ وہی شخص ہے جسکا الم مفارقت مدام دل میں کانٹا سا کھٹکتا تھا جی سینے میں بھٹکتا تھا دیکھو جب اچھے دن آتے ہیں بچھڑے ملجاتے ہیں ایکدن گردوں نے

ہمیں آوارۂ دشت ادبار کیا تھا جُدا ہر ایک دوستدار و غمخوار کیا تھا اب مساعدت بخت سے ایام سخت دُور ہوئے بہم مہجور ہوئے وزیرزادے کا حال سُننا انجمن آرا کا حُسن و جمال بےمثال دیکھ دیوانہ ہو ہوش و حواس عقل کھو نمکحرام بنا وصل کی تدبیریں پھنسا

استادؔ یار اغیار ہو گئے اللہ! — کب زمانے کا انقلاب ہوا
استادؔ خدا ملے تو ملے آشنا نہیں ملتا — کوئی کسی کا نہیں دوست سب کہانی ہے

دو چار گھڑی یہ صحبت رہی پھر اپنے اپنے خیموں میں گئے وزیرزادے کیواسطے خیمہ عالی استادہ ہو پھر جتنی انیسیں جلیسیں ہمسن مہ جبیں دونوں شہزادیوں کے ہمراہ تھیں اُسے دکھا فرمایا جس طرف تیری رغبت ہو دلوا دوں وہ نطفۂ حرام اور خیال میں تھا عرض کرنے لگا میری کیا مجال ہے اور کیا تاب و طاقت ہے جو انہیں بُری نگاہ سے دیکھوں جانعالم بہت رضامند ہوا کہ بڑا نیک طینت صاف باطن ہے بہ اسباب ظاہر اس نظر سے زیادہ مد نظر ہوا دل میں گھر ہوا تمام صحبتیں حال سفر رنج راہ نفع و ضرر شہزادے نے بیان کیا مگر جب پیر مرد کے مشورے کا ذکر آتا تامل جاتا وہ سمجھا کہ کچھ اسمیں بھید ہے ایک روز ملکہ مہر نگار اور انجمن آرا نے متفق ہو کر جانعالم سے کہا یہ کیا ماجرا ہے ہر دم ایک شخص غیر اور جوان کو شریک صحبت خلا ملا رکھنا کیا مناسب ہے اور داب سلطنت سے بھی یہ امر بعید ہے شیطان کو انسان دُو نہ جانئے غیر تو کیا اپنے کا اعتبار نہ مانئے جانعالم نے کہا پھر ایسا کلمہ زبان پر نہ لانا اُسنے تمہاری لونڈیوں کا پاس کیا نہ کہ تمہارا حفظ مراتب اور میں بھی تو ایسا بیہودہ نادان نہ تھا جو خلاف وضع حرکت کرتا ملکہ یہ سنکر ہنسی انجمن آرا سے مخاطب ہو کر کہا برائے خدا انصاف تو کیجیے خاطر کی نہ لیجیے انکے حق میں کس بیوقوف کو تامل ہو گا آپ اگر عقل کے دشمن نہ ہوتے تو کیوں حوض میں کود کر ساحرہ کی قید میں پھنستے نام ڈبوتے بھلا یہ کہو شرمندہ نہ ہو جی میں کیا سمجھے تھے جو کود پڑے ذرا یہ خیال نہ آیا غواص فکر کو محیط تامل کو غوطہ زن نہ فرمایا کہ کہاں انجمن آرا کجا جنگل کا حوض وہ اسمیں کیونکر آئی وہ از نسل شاہی تھی یا از خاندان ماہی تھی جانعالم کھسیانا ہو گیا کہا بات اور مسخرا پن اور کہاں کا ذکر کس جگہ ملایا کیا میری حماقت کا موقع تمہارے ہاتھ آیا یہ تو سمجھو شعر

عشق ازیں بسیار کردست و کند — سبحہ را زنار کردست و کند
استادؔ کہتے ہیں جسے عشق وہ از قسم جنوں ہے — کیونکہ کہ حواس اپنے میں پاتے ہیں خلل ہم

بھلا اپنی باتیں تو یاد کرو دل میں منصف ہو ملکہ نے کہا دیکھا اب شرمائے تو یہ کہانی لائے ہیں زندی
ہوں ناقص عقل سب کہتے ہیں بھلا صاحب اگر مجھ سے بیوقوفی کی حرکت ہوئی تعجب نہیں شکر کرنیکی جا ہے
کہ آپکا مزاج بھی میرا ہی سا ہے آخر یہ بات ہنسی میں اُڑ گئی مگر وہ مکار ہر کوچ و مقام میں وقت کا منتظر تھا
ایک روز غم اندوز شہزادے کا خیمہ صحرائے باغ و بہار دشت لالہ زار رنگ ہمہ تن خار خار پرآزار میں ہوا فضائے
صحرا نے کیفیت دکھائی پھولوں کی خوشبو دماغ میں سمائی جا بجا چشمے رواں دیکھکر یہ لہر آئی کہ تنہا وزیرزادے کا ہاتھ پکڑ لب چشمہ جا
بیٹھا کشتی شراب کی طلب ہوئی جدھم جانعالم کی آنکھوں میں سرور آیا اختلاط کا زبان پر بند کور آیا اُس دغا شعار غدار نے
وقت تنہائی صحبت بادہ پیمائی نشے کی حالت غنیمت جانی رونے لگا شہزادے نے ہنسکر کہا خیر ہے وہ بولا جو شرط
رفاقت حق خدمت دنیا میں ہوتا ہے غلام سب بجا لایا مگر محنت و مشقت غریب الوطنی دشت نوردی کا عوض خوب بھر
پایا جب آپ سے قدرداں بات کو چھپاوے تو پھر اور کسی سے کس بات کی اُمید ہے جانعالم نشے میں انجام کار نہ سوچا اس
فیلسوف کے رونے سے بے چین ہو گیا کہا اگر تجھے یہی امر ناگوار ہے تو سُن لے جو اسرار ہے مجھے ملکہ کے باپ نے یہ بات بتائی
ہے کہ جس کے قالب میں چاہوں اپنی روح لیجاؤں اُسنے پوچھا کس طرح شہزادے نے ترکیب بتا دی جب وہ سب سیکھ
چکا بولا غلام کو بے امتحان غلطی کا گمان ہے شہزادہ اُٹھ کر جنگل کی طرف چلا چند قدم بڑھ کر ایک بندر مردہ دیکھا کہا
دیکھ میں اسکے قالب میں جاتا ہوں یہ کہکر شہزادہ زمین پر لیٹا بندر اٹھ کھڑا ہوا وزیرزادے کو سب ڈھنگ یاد ہو گیا
تھا فوراً وہ کور نمک زمین پر گرا اور اپنی روح جانعالم کے قالب خالی میں لا کھڑا ہوا اور کمر سے تلوار نکال اپنا جسم ٹکڑے
ٹکڑے کر کے دریا میں پھینک دیا شہزادے کا لاشہ کر کرا ہوا سمجھا بڑی خطا ہوئی ازماست کہ برماست خود کردہ را علاج
نیست وہ کافر بندر کے پیچھے دوڑا شہزادہ بیچارہ بھاگ کر درختوں کے پتوں میں چھپا پھر تو بدلجمعی تمام

تصویر بندر کے قالب میں آنا جانعالم کا اور وزیرزادے کا جانعالم کے قالب میں آنا اور اپنا قالب ٹکڑے کرنا



وہ نطفۂ حرام بھو کپڑوں پر چھڑک بیدھڑک ملکہ کے خیمہ میں آیا رویا پیٹا چلایا کہا اس وقت ستم کا حادثہ
ہوا ہیں وزیرزادے کیبا نفد سیر کرتا تھا یکایک جنگل سے شیر نکلا اُسے اُٹھا لے چلا ہر چند میں نے جانباز کا
سے شیر کو تہِ شمشیر کیا زخمی ہوا مگر اُسے نہ چھوڑا لے ہی گیا ملکہ نے تاسّف کیا سمجھایا قضا سے کیا چارہ
یہی حیلۂ مرگ اُسکے مقدر میں تھا پھر انجمن آرا کے پاس گیا وہاں بھی یہی اظہار کیا اِلیٰ گھبرایا ہوا باہر
چلا گیا ملکہ انجمن آرا کے خیمہ میں آئی وزیرزادے کا مذکور آپس میں رہا لیکن ملکہ کو قیافہ شناسی کا
بڑا ملکہ تھا پریشان ہو کر یہ کلمہ کہا خدا خیر کرے آج بہت شگون بد ہوئے تھے صبح ہی سے دہنی آنکھ پھڑکتی
تھی راہ میں ہرنی اکیلی راستہ کاٹ میرا منہ تکتی تھی اپنے سایہ سے بھڑکتی تھی خیمے سے اترتے وقت کسی نے
چھینکا تھا خواب متوحش نماز کیوقت دیکھا تھا تم بھی فضلِ الٰہی سے عقل و شعور رکھتی ہو آج کی حرکتیں
شہزادے کی غور کرو خلاف عادت ہیں یا مجھی کو وہم بیجا ہے انجمن آرا نے کہا تم جانتی ہو وزیرزادے سے
محبت کیسی تھی رنج والم بُرا ہوتا ہے بدحواسی میں اور کیا ہوتا ہے القصّہ وہ شب ملکہ کے پاس رہنے
کی تھی اُسے اندر کا حال کیا معلوم تھا طبیعت کے لگاؤ سے انجمن آرا کے خیمہ میں گیا جسوقت پہر بجا
ملکہ وہاں گئی دیکھا شہزادہ وہاں بیٹھا ہے مگر مضطر اُس نے پوچھا آج کہاں آرام کرو گے وہ جھجک کر
بولا جہاں تم کہو ملکہ نے کہا یہیں سو رہو شہزادے نے کہا بہت خوب یہ کلمہ بھی خلاف دستور ظہور میں آیا اُس کا
بہت خوب کہنا ملکہ نے بُرا مانا انجمن آرا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے خیمہ میں لائی رو دی بیٹھی چلائی انجمن آرا بولی ملکہ خدا کے
واسطے کچھ مفصّل بتاؤ وہ بولی غضب ہوا قسمت الٹ گئی شہزادے سے چھُٹ گئی خدا کی قسم یہ جانِ عالم نہیں وہ بھی
شہزادی تھی گو سیدھی سادھی تھی کہا درست کہتی ہو بہت سی باتیں اُس نے آج نئی کی ہیں ملکہ نے کہا خیر اب جو ہوا
سو ہوا تم یہیں سو رہو پھر جلشنوں اور ترکنوں سے فرمایا ہم سوتے ہیں تم درِ خیمہ پر مسلح جاگو اسوقت شہزادہ کیا اگر
فرشتہ آئے بار نہ پائے یہ خبر سنکر وہ بچا ڈرے اکیلے اور خیمہ میں جا پڑے ایک ڈر دو طرف ہوتا ہے ملکہ
نے کہا دیکھا اگر جانِ عالم ہوتا کبھی اکیلا نہ سو رہے تامّل چلا آتا بدمزگی کا باعث خفگی کا سبب پوچھتا
اُسے کس کا ڈر تھا اُس کا تو گھر تھا انجمن آرا کہنے لگی صورت تو وہی ہے اس وقت ملکہ نے ماجرا غیر کے قالب
میں روح لیجانے کا دم رخصت اپنے باپ کے بتانے کا مفصّل بتایا پھر کہا کہ یہ حال وزیرزادے سے
کہا ہو گا یہ فسانہ اُس کا ہے ہمیں اسکی جَون پر شک آیا تھا سامنے لانے کو منع کیا تھا سمجھایا تھا وہ
نادان ہمارا کہنا خاطر میں نہ لایا اس کا مزہ پایا القصّہ وہ شب کہ شبِ اولین گور تھی رونے پیٹنے میں

گئی انجام کار کا تردد و تفکر رہا کہ دیکھئے شیشۂ ناموس و ننگ سنگ ظلم سے کیونکر بچتا ہے اور یہ کہتی تھیں

جو ہو وے بھی تو ہاں شاید وہاں زخم خنداں ہو		اُستاد کسے تیغ جفائے چرخ سے اُمید ہنسنے کی

اسی فکر و اندیشہ میں صبح قیامت نمود ہوئی سواری ڈیوڑھی پر موجود ہوئی کوچ ہوا خبرداروں نے اس نئے شہزادے سے عرض کی یہ سرزمین غضنفریہ ہے یہاں سے پانچ کوس شہر ہے حاکم یہاں کا زرہ پوش غضنفر شاہ زرہ پوش ہے حکم کیا خیمہ ہمارا شہر کے قریب ہو کارپرداز حسب الارشاد عمل میں لائے جب شہزادیاں خیمہ میں داخل ہوئیں خود آیا ادھر یہ بیچاریاں ڈر سے با دل صد چاک اُدھر ملکہ کے رعب سے وہ بچا بھی خوفناک ساعت بھر بیٹھ کر اُٹھ گیا جب غلغلہ فوج اور آمد لشکر وہاں کے بادشاہ نے سُنا کہ لشکر بیشمار سپاہ جرار شہر کے متصل آپہونچی اسے بہت تشویش ہوئی وزیر خوش تدبیر کو چند تحفے دیکر استفسار حال در پردہ استقبال کو بھیجا تا ملازمت حاصل کر کے حضور میں من و عن عرض کرے وزیر حاضر ہوا عرض بیگیوں نے خبر پہونچائی وہ تو داب سلطنت ریاست کا رنگ ڈھنگ جانتا تھا وزیر اعظم کا بیٹا تھا روبرو طلب کیا بعد ذکر اذکار سیر شہر و دیار اپنا سبب آمد بجہت سیر و شکار اور اچھا ہونا آب و ہوا اس جوار کا اور دیکھنا یہاں کے شہر اور شہر یار کا بیان کیا دم رخصت خلعت فاخرہ وزیر کو عنایت ہوا اور بطرز دوستانہ کچھ ہدایا بادشاہ کو روانہ کیا جب وزیر اپنے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا حسن اخلاق دبدبہ شوکت وصولت آئین سلطنت رعب و جرأت کا اُس کے اس رنگ ڈھنگ سے ذکر کیا کہ وہ بادشاہ بیساختہ مشتاق ہو کر سوار ہوا خبرداروں نے اس حال سے مطلع کیا - ارکان سلطنت وزرا امرا بخشی سپہ سالار پیشوائی کو گئے. جب قریب پہونچا خود در خیمہ تک آیا معانقہ کر دونوں تخت پر جا بیٹھے سلسلہ کلام بلاغت نظام طرفین سے کھلا وہ بھی اُس کی صورت پر غش ہو گیا فصاحت پر عش عش کرتا رہا بصد تکرار شہر کا مکلف ہوا جلد جلد عمارات شاہی سجی سجائی خالی ہوئیں اُس کو تا سالشکر وہیں رہا پھر حسب طلب ملکہ و انجمن آرا سرچوک دو محل سرا برابر خالی ہوئے شہزادیاں وہاں اتریں چند روز دعوت کے جلسے رہے جب فرصت ملی دل میں سوچا اگرچہ جانعالم بندر ہے الا اس کے جینے میں اپنی مرگ کا خوف و خطر ہے ایسی تدبیر نکالئے کہ اُسے جان سے مار ڈالئے پھر بے کھٹکے آرام صبح شام کیجئے ملکہ سے ڈرتا تھا ہر مرد کے نام لینے سے مرتا تھا جیسے چور کی داڑھی میں تنکا یہ سوچ کر حکم کیا ہمیں بندر درکار ہیں جو لائیگا دس روپیہ پائیگا اہل شہر ہزاروں بندر

پکڑ لاتے جو سامنے آتا بغور دیکھ سر تڑواتا تھوڑے عرصے میں بہت بندر ہلاک اُس سفاک نے کئے جب
بندر کم ہوئے دام بڑھے بجد یکہ فی بندر سو روپیہ مقرر ہوئے دو کوس چار کوس گردو پیش نام و نشان
بندر کا نہ رہا عنقا ہو گیا چنانچہ وہیں کے بھاگے ہوئے آج تک متھرا اور بندرابن اور اودھ بنگلے
میں خستہ تن ہیں بلکہ اس زمانے میں بندرابن بالفتح تھا اب عرصہ دراز گذرا وہ بندروں کی کثرت جو نہ رہی
اس کسر سے یہ لفظ بالکسر خلقت کہنے لگی غرض کہ شہر میں ہر طرف غلغلہ ہوا سب کی یہی معاش ہوئی ہر شخص کو
بندر کی تلاش ہوئی ایک چڑی مار زیر دیوار سرا اس بستی میں بستا تھا مگر محتاج مفلوک بہزار جستجو
و تگا پو تمام دن کی گردش میں دس پانچ جانور جو ہاتھ آجاتے دو چار پیسے کو بیچ کر جورو خصم روٹی
کھاتے اگر خالی پھرا فاقے سے پیٹ بھرا ایک روز اُسکی جورو کہنے لگی تو سخت احمق ہے دن بھر
جانوروں کی تلاش میں دربدر خاک بسر آتو سا دیوانہ ہر ایک ویرانہ جھانکتا پھرتا ہے اس پر جو روٹی
ملی تو بدن پر لتا ثابت نہیں کسی طرح اگر ہنومان کی دیا سے ایک بندر بھی ہاتھ آئے تو برسوں کو
فرصت ہو جائے لالچ تو بُرا ہوتا ہے وہ راضی ہوا کہا کہیں سے آٹا لا روٹی پکا اور جس طرح بنے تھوڑے
چنے بہم پہونچا صبح بندر کی تلاش میں جاؤنگا نصیب آزماؤں گا اُسنے مانگ جانچ وہ سامان کر دیا
دو گھڑی رات رہے چڑیمار جال کھٹکی پھینک لاسا کمپا چھوڑ ٹٹی جو دھوکے کی تھی وہ توڑ روٹی
اور چنے اور رسی لے چل نکلا شہر سے چھ سات کوس باہر نکل درختوں میں ڈھونڈنے لگا وہاں
کا حال سُنئے شہزادہ جو بندر بنا تھا اُسنے جس دن سے بندر پکڑتے لوگوں کو دیکھا تھا اور سر تڑوانے
کا حال سُنا تھا بدحواس پریشان سراسیمہ نہ لیت سے یاس حیران ہر طرف چھپتا پھرتا تھا کہ مبادا

تصویر چڑیمار کے بندر کے پکڑنے کی مع شگاف درخت



کوئی پکڑ لیجائے زندگی میں خلل آئے اُس روز کئی دن کا بے دانہ و آب خستہ خراب ضعف و نقاہت سے ایک درخت کے کول میں غش ہو کر پڑا تھا چڑیمار نے دیکھا دبے پاؤں آ کر گردن پکڑی اُس نے آنکھ کھولی گلا دست قضا میں پایا جینے سے ہاتھ اُٹھایا یقین ہوا زیست اتنی تھی آج پیمانۂ بقا بادۂ اجل سے لبریز ہو کر چھلکا پکارا اے گردوں دوں انا للہ وانا الیہ راجعون چڑیمار نے کمر سے رسی کھول مضبوط باندھا پھر شہر کا رستہ لیا تھوڑی دور چل بندر نے کف افسوس مل کہا اے شخص کیوں خونِ بیگناہ راندۂ درگاہ اپنی گردن پر لیتا ہے مصیبت زدے کو اور دُکھ دیتا ہے وہ بولا کیا خوب تو باتوں سے مجھے ڈراتا ہے اگر دیو بھوت جن آسیب جو بلا ہے بلا سے مگر تیرا چھوڑنا ناروا ہے آج قسمت آزمائی ہے نعمت غیر مترقبہ ہاتھ آئی ہے تجھے بادشاہ کو دوں گا سو روپے لوں گا چین کروں گا یہ سُنتے ہی سُن ہو گیا رہی سہی جان قالب سے نکل گئی ہر چند منت و سماجت سے کہا لالچ کا کام بُرا ہوتا ہے کچھ کام نہ آیا چڑیمار نے جلد جلد قدم بڑھایا قریب شام شادکام گھر آیا جورو سے کہا اچھی ساعت گھر سے گیا تھا طائر مطلب بیدام و دانہ خواہش کے جال میں پھنسا یہ کہہ کر خوب ہنسا اب دو کلمے یہ سُنئے جب دن شہزادہ گرفتار بلائے تازہ ہوا یعنی چڑیمار کے دام حرص میں گرفتار ہوا ملکہ دل گرفتہ خود بخود گھبرائی رو رو یہ بیت زبان پر لائی اُستاد ہوئی کیا وہ تاثیر اے آہ تیری : تھی آگے تو کچھ بیشتر آزمائی :: انجمن آرا سے کہا تم نے سُنا یہ کمبخت بندر پکڑوا سر کھلواتا ہے یقین جانو جانعالم اسی ہیئت میں ہے اور آج خدا خیر کرے صبح سے بیطرح دلِ ناکام کو اضطراب ہے جان زار کو پیچ و تاب ہے گھر کاٹتا ہے غم کلیجہ چاٹتا ہے معلوم ہوتا ہے شہزادہ پکڑا گیا یا اور کوئی آفت تازہ ستم نو بے اندازہ

چرخ کہن دکھائیگا ہنسی کے بدلے رلائیگا	خبر جب سے جی کو کمال ہوا الفت	جس کی جانب درست ہو نسبت
جنبش اُس کی پلک کو گرداں ہو	دل میں یاں کا وحشی اک نمایاں ہو	یار کو درد چشم اگر ہو وے
چشم عاشق لہو سے تر ہو وے	واں دہن تنگ یاں ہے دل تنگی	حُسن اور عشق میں ہے یکرنگی

انجمن آرا نے جھلا کر کہا اس سے اور فزوں کیا دنیا میں تباہی اور خرابی ہو گی شہر چھٹا سلطنت گئی ماں باپ اور عزیز و اقربا کی جدائی نصیب ہوئی زخم دل و جگر آئے پڑے ہیں جان کے لالے پڑے ہیں مصحفی

مرض الموت سے کچھ کم نہیں آزار اپنا	دل میں دشمن کے بھی یارب نہ چبھے خار اپنا

اور جس کیواسطے آوارہ و سرگشتہ ہوئے یہ صدمے سہے نحوست بخت نافرجام گردش ایام سے اُسے کھو بیٹھے

وطن سے ہاتھ دھو بیٹھے اب رضینا بہ قضا مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ نا سیخ مجھے فرقت کی اسیری سے رہائی ہوتی :: کاش عیسیٰ کے عوض موت ہی آئی ہوتی :: ابر رحمت سے تو محروم رہی کشت مری کوئی بجلی ہی فلک تو نے گرائی ہوتی :: ہوں وہ غم دوست کہ سب اپنے ہی دل میں بھرتا :: غم عالم کی اگر اس میں سمائی ہوتی :: یہاں تو یہ باتیں تھیں اُدھر چڑیمار کی جورو چراغ لیکر بندر دیکھنے لگی بندر سوچا وہ کمبخت مرد بے مہر بے رحم نہ ہوا کیا عجب یہ رنڈی ہے اگر نرم زبانی سے مذکور آفت آسمانی سنے اور مہربانی کرے اس خیال سے پہلے سلام کیا وہ ڈری تو یہ کلام کیا اے نیک بخت خوف نہ کر دو باتیں میری

تصویر چڑیمار کی بندر لئے ہوئے اور اسکی جورو کا چراغ سے دیکھنا اور بندر کا سلام کرنا



گوش دل سے سن لو گنواریاں جی کی کڑی بھی ہوتی ہیں بندر کا بولنا اچنبھا سمجھ کر کہا کہہ وہ بولا ہم غریب الوطن گرفتار رنج و مبتلائے محن گھر سے دور قید سے مجبور ہیں ماں باپ نے کس کس ناز و نعم سے پالا فلک نے کون کون سی مصیبت دکھانے کو گھر سے نکالا یہاں تک دربدر حیران و پریشان کر کے بُرے دن دکھائے کہ تیرے پاس گرفتار ہو کر آئے استاد پیدا کیا خدا نے کسی کو نہیں عبث :: لایا مجھی کو یاں پہ جہاں آفریں عبث :: اب صبح کو جب ہم گردن مارے جائیں گے تب سو روپے تمہارے ہاتھ آئیں گے خون بے گناہ کی جزا حشر کے دن پاؤ گے بیکنٹھ چھوڑ نرک میں جاؤ گے پیسہ روپیہ ہاتھ کا میل ہے اس پر جو میل کرتے ہو کتنے دن کھاؤ گے وہ بٹہ جیتے جی نہ چھوٹے گا دھوتے دھوتے مر جاؤ گے۔ اگر ہمارے حال پہ رحم کرو گے خدا اور کوئی صورت کرے گا سو روپیہ کے بدلے تمہارا گھر اشرفیوں سے بھر لیگا ہمارے قتل میں گناہ بے لذت یا ایک موذی کی حسرت نکلنے کے سوا اور کیا فائدہ ہے اگرچہ ایسا جینا مرنے سے برا ہے،

لیکن خدا جانے ارادۂ ازلی مشیت ایزدی کیا ہے ہماری تقدیر میں کیا کیا لکھا ہے جو خدا کے نام پہ نثار ہے اللہ اُس کا ہر حال میں مددگار رہے تونے بادشاہ یمن کا قصہ سُنا نہیں ایک سلطنت للہ دی دو پائیں لالچیوں کی قضا آئی جانیں گنوائیں زندگی موم کی ناک ہوتی ہے جب گھر گئی جدھر پھیرا اُدھر پھر گئی۔ بندر کی باتوں پر کچھ تعجب کچھ تاسف کر کے کہنے لگی ہنومان جی وہ کہانی کیسی ہے سناؤ مہراج

فسانۂ شاہ یمن سلطنت سائل کو دینا اور بی بی کو مع بیٹوں لیکر شہر سے باہر نکلنا راہ میں سوداگر کا فریب پھر فرزند کی جدائی آخر سلطنت ہاتھ آئی

بندر نے کہا سرزمین یمن میں ایک بادشاہ تھا ملک اُس کا مالامال دولتِ لازوال بخشندۂ تاج و تخت نیک سیرت فرخندہ بخت جدم سائل کی صدا گوش حق نیوش میں در آئی وہیں احتیاج پکاری میں بر گئی یہاں تک کہ لقب اُس کا خدا دوست نزدیک و دور مشہور ہوا۔ ایک روز کوئی شخص آیا اور سوال کیا کہ اگر تو خدا دوست ہے تو للہ تین دن مجھے سلطنت کرنے دے بادشاہ نے فرمایا بسم اللہ جو رکن سلطنت مسند نشین حکومت حاضر تھے بنا کید انہیں حکم ہوا کہ جو اسکی نافرمانی کریگا مورد عتاب سلطانی ہوگا یہ فرما وہ فرماں روا تخت سے اُٹھا سائل جا بیٹھا حکمرانی کرنے لگا چوتھے روز بادشاہ آیا کہا کیا قصد ہے سائل بولا پہلے تو وہ فقط امتحان تھا اب بادشاہت کا مزا ملا برائے خدا تاج و تخت مجھے یک لخت بخشدے بادشاہ نے فرمایا کہ یہ حکومت آپکو مبارک ہو بادشاہت دیکر کچھ نہ ہمراہ لیا فقط لڑکوں کا ہاتھ میں ہاتھ بی بی کو ساتھ لیا

تصویر سائل کی تخت پر بیٹھنے کی اور بادشاہ کا بی بی اور لڑکوں کو ساتھ لیکر چل نکلنا



دل کو سمجھایا کہ اتنے دنوں سلطنت کی حکومت کی چندے فقیری کی کیفیت فاقے کی لذت دیکھئے گو مفقود ہے مگر شاہی بہر کیف موجود ہے اس شہر سے کہیں اور چلنا فرض ہے حکم خدا فسیروا فی الارض ہے۔ دنیا جائے دید ہے عنایت خالق سے کیا بعید ہے جو کوئی اور صورت نکلے ایک لڑکا سات برس کا دوسرا نو برس کا تھا غرض کہ وہ حق پرست شہر سے تہی دست نکلا بلکہ تکلف کا لباس بھی نہ لیا جامۂ عریانی جسم پر چست کیا اور چل نکلا دنیا کا زور نقشہ ہے مصرعہ کہ این عجوزہ عروس ہزار داماد است ❊ کل وہ سلطنت ثروت کروفر افسر و تاج آج یہ مصیبت اذیت دربدر پیادہ پا سفر محتاج کبھی دو کوس کبھی چار کوس بے نقارہ و کوس بہزار رنج و تعب چلنا جو کچھ میسر آتا تو روزی ہوتی نہیں تو روزہ یوں ہی ہر روز راہ طے کرتا جب یہ نوبت پہونچی چند روز میں ایک شہر ملا مسافر خانے میں بادشاہ اترا اتفاقاً ایک سوداگر بھی کسی سمت سے وارد ہوا قافلہ باہر اترا آپ ہوا کے گھوڑے پر سوار سیر کرتا ہوا مہمان سرا میں وارد ہوا شہزادی گو کہ گرد راہ صعوبت سفر میں مبتلا تھی لیکن اچھی صورت کبھی چھپی نہیں رہتی سعدی حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را ❊ سوداگر کی جو آنکھ پڑی بیک نگاہ از خود رفتہ ہوا بادشاہ کے قریب آکے سلام کیا یہ بیچارے اللہ کے ولی وہ ولد الزنا شقی بادشاہ نے سلام کا جواب دیا اس عرصہ میں وہ غدار حیلہ سوچا بہت افسردہ خاطر ہو کر کہا اے عزیز میں تاجر ہوں قافلہ باہر اترا ہے میری عورت کو درد زہ ہو رہا ہے دائی کی تلاش میں دیر سے گدائی کر رہا ہوں ملتی نہیں قریب مرگ ہے

تصویر سوداگر کا شہزادی کو گھوڑے پر بٹھا کر لے بھاگنا



بچے ادائی نہ کر اس نیک بخت کو للہ میرے ساتھ کر دے کہ اس کے واسطے سے اُسکو رنج سے نجات ملے و گرنہ ایک بندۂ خدا کا مُفت خون ہوتا ہے یہ اللہ کا نام سُنکر گھبرائے بی بی سے کہا نہے نصیب جو محتاجی میں کسی کی حاجت رفع ہو کام نکلے بسم اللہ دیر نہ کر اُسنے دم نہ مارا سوداگر کیسا تھ روانہ ہوئی دروازے ہی باہر نکل اُس غریب سے کہا قافلہ دور ہے مجھے آئے ہوئے عرصہ گذرا ہے آپ گھوڑے پر چڑھ لیں تو جلد پہونچیں وہ فلک کی ستائی فریب جانتی تھی سوار ہوئی سوداگر نے گھوڑے پر بیٹھا باگ اٹھائی قافلے کے پاس آ کوچ کا حکم دیا آپ ایک سمت گھوڑا پھینکا اُس وقت اُس نیک بخت نے داد بیداد فریاد مچائی تڑپی روئی پیٹی چلائی آہ و زاری اُسکی اُس بیرحم سنگدل کی خاطر میں نہ آئی بادشاہ پہر بھر منتظر رہا پھر خیال میں آیا خود چلیئے دیکھئے وہاں کیا ماجرا ہوا بیٹوں کا ہاتھ پکڑے سرا سے نکلا ہر چند ڈھونڈھا نشان کے سوا قافلے کا نشان نہ ملا دور گرد اُڑتی ہوئی دیکھی جرس کی صدا سنی نہ پاؤں میں دوڑنے کی طاقت نہ بی بی کے چھوڑنے کی دل کو تاب سب طرح عذاب نہ کوئی یار نہ غمگسار نہ خدا ترس نہ فریاد رس بحسرت دیاس قافلے کی سمت دیکھ کر یہ کہا مصحفی

تو ہم یاں قافلہ سے کہیو اے صبا		ایسے ہی گر قدم ہیں تمہارے تو ہم رہے

ناچار لڑکوں کو لے کر اُسی طرف چلا چند گام چل کر راہ بھول گیا ایک ندی ملی مگر نہ کشتی نہ ڈونگی نہ ملاح راہ سے بہ نا آشنا دہاں سیاح کا گذارا ایک نعرہ مارا اور ہر طرف ماہی بے آب سا واہی تباہی پھرا

تصویر بادشاہ کے دریا پر پہنچنے کی اور ایک لڑکے کو بھیڑیئے کا لیجانا اور دوسرے کا دریا میں گرنا



رہبر کامل کو پکارا ساحل مطلب سے ہمکنار نہ ہوا مگر کچھ ڈھب ڈھبانے کا ڈھب

تھا ایک لڑکے کو کنارے پر بٹھا چھوٹے کو کاندھے پر اُٹھا دریا میں در آیا نصف پانی بصد گرانی طے
کیا تھا کنارے کا لڑکا بھیڑیا اُٹھا لے چلا وہ چلایا بادشاہ آواز سُن کر گھبرایا پھر کر دیکھنے جو لگا کندھے
کا لڑکا پانی میں گر پڑا زیادہ مضطرب جو ہوا خود غوطے کھانے لگا لیکن زندگی باقی تھی بہر کیف
کنارے پر پہونچا دل میں سمجھا بڑے بیٹے کو بھیڑیا لے گیا چھوٹا ڈوب مرا نیرنگی فلک سے عالم حیرت
بی بی کے چھٹنے کی غیرت بیٹوں کے الم سے دل کباب سلطنت کے دینے سے خستہ و خراب اسی پریشانی میں
شکر کرتا پھر چلا سہ پہر کو ایک شہر کے قریب پہونچا در شہر پناہ پر خلقت کی کثرت دیکھی اُدھر آیا اُس
ملک کا یہ دستور تھا کہ جب بادشاہ عازم اقلیم عدم ہوتا ارکان سلطنت رؤسائے شہر وہاں آکر باز
اُڑاتے تھے وہ جس کے سر پہ بیٹھ جاتا اُسے بادشاہ بناتے تھے چنانچہ یہ روز وہی تھا باز چھوڑ چکے
تھے ابھی کسی کے سر پہ نہ بیٹھا تھا اس بادشاہ گدا صورت کا پہونچنا تھا کہ باز اُس کے سر پہ آبیٹھا لوگ
معمول کے موافق حاضر ہوئے تخت روبرو آیا ہر چند یہ تخت پر بیٹھنے سے باز رہا کہا مجھ گم کردہ

تصویر باز کے بیٹھنے کی بادشاہ کے سر پر اور لوگوں کا اُس کو بادشاہ بنانا



آشیاں کو سلطنت شایاں نہیں ہے میں نے اسی علت سے اپنے مرز بوم شوم کو چھوڑا ہے حکومت
سے منہ موڑا ہے مگر وہ لوگ اُس کے سر پر باز کا بیٹھنا غنیمت سمجھ نہ باز رہے جو شاہین تھے تاڑ
گئے پر بن پہچان گئے کہ یہ مقرر ہمائے اوج سلطنت ہے قصہ مختصر یہ گڑ جھگڑ تخت طاؤس پہ بٹھایا
نذریں دیں توپخانے میں شلک ہوئی بڑے تزک و حشمت سے آشیانہ سلطنت کا شانۂ دولت میں
داخل کیا تمام قلمرو نقد و جنس اشیائے بحری و بری اُن کے تحت حکومت قبضۂ تصرف میں آیا گز
سکے پر نام جاری ہوا منادی نے ندا دی دہائی پھر گئی کہ جو ظلم و جور کا بانی ہو گا وہ لٹیرا گردن مارا جائیگا شعر سوز

پل میں چاہے تو گدا کو وہ کرے تخت نشین ۔۔۔ کچھ اچنبھا نہیں اس کا کہ خدا قادر ہے

کارخانۂ قدرت عجیب و غریب ہیں نہ اعتماد سلطنت نہ قیام غربت و حسرت مرزا رفیع ؎

عجب ناداں ہیں جنکو عجب ہے تاجِ سلطانی ۔۔۔ فلک بالِ ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

یہ سلطنت تو کرنے لگا مگر افسردہ خاطر پژمردہ دل بہ سبب شرم وحیا منفعل حال کسی سے نہ کہتا تھا شب و روز غمگین اور ساندوہناک پڑا رہتا تھا جب وہ بلبل ہزار داستان یعنی فرزند شمع دودمان یاد آتے تھے ظل سبحانی آہ کو لب پر لاتے تھے۔ اب لڑکوں کا حال سنئے جس کو بھیڑیا اٹھائے لئے جاتا تھا اُدھر سے کوئی تیر انداز سبکدست آتا تھا اُس نے چھڑا دیا دوسرا جو غوطے کھاتا تھا اُس کو ماہی گیر نے دام محبت میں الجھایا وہ دونوں لاولد تھے اُسی شہر کے رہنے والے جہاں اُن لڑکوں کا باپ بادشاہ ہوا تھا وہ اپنے اپنے گھر میں لاالقدر مقدور لڑکوں کو پرورش کرنے لگے جل جلالہٗ کیا سنگ تفرقہ فلک نے پھینکا کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گیا۔ چند عرصہ میں بیٹوں کی مفارقت نے بادشاہ کو بے چین کیا وزیر سے فرمایا کہ دو لڑکے قوم شریف کے ہماری صحبت کے قابل لا وزیر نے تمام شہر کے لڑکے طلب کئے حکم حاکم مرگ مفاجات وہ دونوں بھی آئے سبحان اللہ جامع المتفرقین بھی اُسی کا نام ہے بچھڑے ملانا اُسکے روبرو کتنا کام ہے وہی وزیر کو پسند آئے روبرو لایا بہ سبب طول زمان مفارقت اور تکلیف و حسرت نقشے بدل گئے تھے قطع اور ہو گئی تھی نہ بادشاہ نے پہچانا نہ لتقاضائے سن سے لڑکوں نے باپ جانا اور نہ یہ سمجھ آئی کہ ہم دونوں بھائی ہیں یہ بھی قدرت نمائی ہے بہم ہوئے مگر جدا ہے لیکن بادشاہ بہ محبت تمام مصروف عنایت علی الدوام تھا سب نے سنا ہے کامل کا یہ نکتہ ہے کل امر مرہون باوقاتہا تھوڑے دن میں معتمد و مقرب ہوئے اور وہ سوداگر جو فروش گندم نما دغا کا پتلا یہاں کے پہلے بادشاہ سے رسائی عملے سے شناسائی رکھتا تھا اس نظر سے وہ بھی اُس عورت ناراض کو لیکر وہاں وارد ہوا خبر مرگ بادشاہ سنکر ملول ہوا کہ مطلب نہ حصول ہوا لوگوں نے کہا بادشاہ تازہ وارد اُس سے زیادہ خلیق و غریب پرور ہے بوساطت وزیر اعظم تحفہ تحائف حضور میں نذر کر کے شرف اندوز ملازمت ہوا اُس کو بھی بادشاہ نے نہ پہچانا نہ سوداگر نے حریف جانا مگر بادشاہ اُس کو ذی اعتبار سیاح دیار دیار سمجھ بیشتر اطراف و جوانب کا مذکور سنتا ایک دن قریب شام حضور میں حاضر تھا بادشاہ نے فرمایا آج کی شب گھر نہ جانا کچھ پوچھنا ہے وہ بیٹھا تو مکدر و پریشان

بادشاہ نے تردد کا سبب پوچھا یہ باعث عنایت فی الجملہ گستاخ ہو چلا تھا دست لبستہ عرض کی
خانہ زاد کے پاس ایک عورت ناراض ہے اس کو فدوی سے اغماض ہے اُسکی نگہبانی بذات خود کرتا
ہوں ایسا نہ ہو کہ نکل کے رازِ پنہاں فاش کرے حمایتی تلاش کرے حکم ہوا یہ مقدمہ آج ہمارے ذمہ
ہے وہی لڑکے لبسکہ معتمد تھے خاص دستہ اُن کے ہمراہ کر پاسبانی کی تاکید کی لڑکے آداب بجا
لاکر سوداگر کے مکان پر گئے باغ میں خیمہ برپا تھا۔ در خیمہ پر کرسی بچھا کر دونوں بیٹھے لوگ گرد
کھڑے ہو گئے جب آدھی رات گذری ایک کو نیند آنے لگی دوسرے نے کہا سونا مناسب نہیں
ایسا نہ ہو کہ کوئی فتنہ خوابیدہ جاگے خیمہ سے کوئی چونک بھاگے وہ بولا تو ایسا فسانہ کہہ جو نیند
اچٹنے کا بہانہ ہو اُس نے کہا خیر آج ہم سرگذشت کہتے ہیں اگر غور سے سنو گے تو نیند کیا کبھی روز بھوک
پیاس پاس نہ آئے گی اے عزیز باتمیز میں بادشاہ یمن کا بیٹا ہوں میرا باپ للّٰلہ سلطنت سائل
کو دے مجھے اور ایک میرا چھوٹا بھائی کہ وہ تم سے بہت مشابہ تھا اسکو اور اپنی بی بی کو ہمراہ لیکر
غریب الوطن ہوا تھا راہ میں ایک سوداگر فریب سے شہزادی کو لے گیا ہم دونوں بھائی ساتھ رہے
آگے چل کر دریا ملا ناؤ بیڑہ کچھ نہ تھا بادشاہ مجھ کو کنارے بٹھا چھوٹے کو کندھے پر اٹھا پار چلا مجھے
بھیڑیئے نے پکڑا میرے چلانے سے بادشاہ بدحواس ہوا بھائی دوش سے آغوش دریا میں کھسک پڑا
خود غوطے کھانے لگا پھر نہیں معلوم کیا ہوا مجھے تیرانداز نے دہن گرگ سے چھڑایا اب فلک اس بادشاہ
پاس لایا وہ رو کر لپٹ گیا کہا بھائی دریا میں ہم گرے تھے مچھلی والونکے باعث ترے تھے پھر دونوں
بغلگیر ہو ایسے چلائے وہ عورت چونک پڑی پردے کے پاس آکر حال پوچھنے لگی انہوں نے ماجرائے
گذشتہ بیان کیا وہ پردہ الٹ لڑکوں سے لپٹ گئی کہا ہم اب تک سوداگر کی قید میں ہیں اُسی دم یہ
خبر بادشاہ کو پہونچی سواری بھیجی طلب کیا اسوقت سب نے پہچانا سوداگر کو قید کیا صبحدم جب جلاد سپہر
بے مہر شمشیر شعاع کھینچ کر ہنگامہ پرداز عالم ہوا سوداگر کو کاروان عدم کا ہمسفر کر بار ہستی سے سبکدوش
کیا یمن میں اخبار نویسوں نے حال لکھا وہاں ہڑبونگ مچا تھا وہ سائل ستم شعار بدرجہ ظلم پیشہ جفا کار نکلا رعیت
نالاں ارکان سلطنت ہراساں رہتے تھے ہزار دل رنج رات دن سہتے تھے جب یہ خبر وہاں پہونچی وزیر نے
زہر دیکر اُسے مارا تلخکامی سے نجات پائی اور عرضداشت اپنی بادشاہ کو مع تمنائے قدمبوسی تمام شہر کی تحریر کی
بادشاہ کو بھی محبت وطن دلمیں جوشزن ہوئی سفر کی تیاری ہونے لگی قطعہ حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر

خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر ؀ یوسف کہ بہ مصر بادشاہی میکرد ؀ میگفت گدا بودن کنعانی خوشتر
الغصہ یمن میں آیا دونوں سلطنتیں قبضہ میں رہیں جب بندر نے یہ فسانہ تمام کیا پھر کہا اے نیکبخت مطلب
اس کہانی سے یہ تھا کہ جو بادشاہ عاشق اللہ خدا پرست کر تھا ایک سلطنت دی دو پائیں یہ دونوں بدبخت
جو لالچی تھے انہوں نے جانیں گنوائیں قیامت تک مطعون خلائق رہیں گے جتنے نیک ہیں یہ قصہ سنکر بد کہیں گے
رنڈی ان باتوں سے بہت رحم ہوئی بندر کی تسکین کی کہا تو خاطر جمع رکھ جبتک جیتی ہوں تجھے بادشاہ کو نہ دونگی فاقہ
قبول کرونگی پھر اسے روٹی کھلا پانی پلا کھنڈری میں لٹا سو رہی صبح کو چڑیمار اٹھا بندر کے لیجانیکا قصد کیا عورت
نے کہا آج اور قسمت آزما پھر جانور پکڑنے جا جو روٹی میسر آئے تو کیوں اس کی جان جائے ہم پر ہتیا لگے بدنامی
آئے نہیں تو کل لے جانا وہ بولا تو اسکے دم میں آگئی بندر نے کہا ماشاء اللہ رنڈی تو خدا پرست ہے تو مرد ہو
کر مضطر ہوتا ہے پاجی تو زن مرید ہوتے ہیں پھر وہ ٹپک جھٹک جال پھنکی اٹھا لا سا کمپا ٹٹی کندھے پہ رکھ
لگا کر گھر سے نکلا یا تو دن بھر گھر سے خراب ہو کر دو تین جانور لاتا تھا اس روز دوپہر میں بکا یک ٹھ جانور ہاتھ
آئے پھنکی بھر گئی خوش خوش گھر پھرا کئی روپے کو جانور بیچے آٹا دال لون تیل لکڑی خرید تھوڑی مٹھائی لے بھٹی
پر جانکے کا ٹھر اپیا ہاتھ پیر بھول گئے جھومتے گیت گاتے گھر کا رستہ لیا مفلسی کا غم بھول گئے جورو سے آتے ہی
کہا اری ہنومان جی کے قدم بڑے بھاگوان ہیں بھگوان نے دیا کی آج روپیہ دلوا لیے اتنے جانور ہاتھ آئے
وہ گھر بسی بہت ہنسی پہلے مٹھائی بندر کو کھلائی پھر روٹی پکا آپ کھا اسے کھلا پڑ رہی بندر بچارا سمجھا چند سے
پھر جان بچی جو فلک جل مرے ڈر اسکا رشک نہ کرے مؤلف کیا شاخ گل پہ پھول کے بیٹھی ہے عندلیب ؀ ڈرتا
ہوں میں نہ چشم فلک کو برا لگے ؀ جب لا یا بار یاس ہی لا یا یہ بے ثمر ورد ؀ گا ہے نہ نخل غم میں ثمر اس سوا لگے ؀ اب روز
چڑیمار کی ترقی ہونے لگی تھوڑے دنوں میں گھر بار کپڑا لتا گہنا پاتا درست ہو گیا قضارا کوئی بڑا تاجر سہر اپنی ہو
بھٹیاری کے گھر میں آترا جس کی دیوار تلے چڑیمار رہتا تھا ایک روز بعد نماز عشا سوداگر وظیفہ پڑھتا تھا ناگاہ
آواز خوب صدائے مرغوب جیسے لڑکا پیاری پیاری باتیں کرتا ہے اسکے کان میں آئی بھٹیاری سے پوچھا یہاں کون رہتا ہے وہ
بولی چڑیمار سوداگر نے کہا اسکا لڑکا خوب باتیں کرتا ہے بھٹیاری بولی لڑکا بالا تو کوئی نہیں فقط جورو خصم رہتے ہیں سوداگر
نے کہا ادھر سے کیسی آواز آتی ہے بھٹیاری جو آئی لڑکے کی آواز پائی وہ بولا اس صدا کے بوسے در دیا ہے
اس کو میرے پاس لا باتیں کرونگا کچھ لڑکے کو دونگا اور تیرا بھی منہ میٹھا کروں گا بھٹیاری چڑیمار کے
گھر گئی بندر باتیں کرتا تھا اسے دیکھ چپ ہو رہا وہ دونوں بھٹیاری کے پاؤں پہ گر پڑے منت

کرنے لگے کہا ہم نے اسے بچوں کی طرح پالا ہے اپنا دکھڑا لا ہے شہر پہ آشوب ہو رہا ہے بندر کش
بادشاہ اترا ہے ایسا نہ ہو یہ خبر اڑتے اڑتے اسے پہونچے بندر چھن جائے ہم پہ خرابی آئے وہ
بولی مجھے کیا کام جو ایسا کلام کروں سرا میں آکر سوداگر سے کہا وہاں کوئی نہ تھا اس نے کہا دیوانی
ابھی وہ آواز کس کی تھی بغور سنئے کہ کیا معقول جواب وہ نامعقول دیتی ہے بلبیا ال لول بھلا مجھے
کیا غرض جو کہوں بندر بولتا ہے سوداگر خوب ہنسا پھر کہا تو ہٹرن ہے اری بندر کہیں بولتا ہے۔
پھر بولی جی گریب پرور حصے گئی اسی سے تو میں بھی نہیں کہتی بندر بولتا ہے سوداگر کو سخت خلجان
بمرتبہ خفقان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے مکان قریب تھا خود چلا گیا اور دیکھا تو فی الحقیقت ایک عورت
دوسرا مرد مچھندر نبیرا بندر ہے یقین کامل ہوا یہی بندر بولتا تھا بھٹیاری سچی ہے وہ سوداگر کو دیکھ بندر
کو چھپانے لگی اسنے کہا بھید کھل گیا اب پوشیدہ کرنا لاحاصل ہے مصلحت یہی ہے بندر ہمیں دو جو احتیاج
ہو اس کے جلد نہیں تو میں بادشاہ سے اطلاع کر دوں گا یہ بیچارہ مارا جائیگا تمہارا کیا جائیگا دونوں
رونے پیٹنے لگے بندر سمجھا اب جان نہیں بچتی اتنی ہی زیست تھی چڑیمار سے کہا اے شخص فلک کجرفتار
گردوں دوار نے اتنی جفا پر صبر نہ کیا یہاں بھی چین نہ دیا مناسب یہی ہے رضائے الٰہی پر راضی ہو مجھے
حوالہ کر دو قضا آئی ٹلتی نہیں تقدیر کے آگے تدبیر چلتی نہیں فرد بشر کو حکم قضا و قدر سے چارہ نہیں
اس کے ٹال دینے کا یارا نہیں اذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون چڑیمار نے کہا دیکھو بندر
کی ذات کیا بیوفا ہوتی ہے ہماری محنت و مشقت پر نظر نہ کی طوطے کی طرح آنکھ پھیر لی سوداگر کے ہتھے جانے
پر راضی ہو گیا بڑا آدمی جو دیکھا ہمارے پاس رہنے کا مطلق پاس نہ کیا بندر نے کہا اگر نہ جاؤں اپنی جان کھوؤں
تم پہ خرابی لاؤں آخر کار بہ ہزار گریہ و زاری سوداگر سے دونوں نے قسم لی کہ بادشاہ کو نہ دینا اچھی طرح
پرورش کرنا یہ کہہ کر بندر حوالے کیا سوداگر نے اس کے عوض بہت کچھ دیا بندر کو سرا میں لا پیار کیا
بدلداری و نرمی حال پوچھا بندر نے یہ چند شعر حسب حال سودا کے سوداگر کے روبرو پڑھے مرزا رفیع

نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں	میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں
گریہ بشکل شیشہ وخنداں بشکل جام	اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں
میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقول درد	جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

اے عزیزہ آتش کارواں نقش پائے یاراں رفتگاں ظاہر ہوں مگر نہاں ہوں بلبل دور از گلزار گم کردہ

آشیان صیاد در پئے آزار گھات میں باغبان کیونکر نہ سرگرم فغاں ہوں حضرت عشق کی عنایت ہر زمانے کی شکایت ہے حاجت روائے عالم محتاج ہے تخت ہے نہ افسر ہے نہ وہ سر ہے نہ تاج ہے غریب دیار چرخ موجد آزار شفیق و مہربان نہیں حال زار کا کوئی پرساں نہیں حیرت کا کیوں نہ مبتلا ہوں اپنے ہاتھ سے اسیر دام بلا ہوں خود گرفتہ پنجۂ ستم ہوا کبھی مجھے جن کا الم تھا اب انہیں میرا غم ہوا مرنے سے ہم اس لئے جی چھپاتے ہیں کہ ہمدم میرے فراق میں موئے جاتے ہیں مجھے دام مکر میں الجھایا دوستوں کو میرے دشمن کے پھندے میں پھنسایا گردش چرخ سے عجیب سانحہ پیش آیا میر تقی

سخت مشکل ہے سخت ہے بیداد
بیکسی چھٹ نہیں ہے کوئی رفیق
اب ٹھہرتا نہیں ہے پائے ثبات

ایک میں خوں گرفتہ سو جلاد
آہ جو ہمدمی سے کرتی ہے
ایک میں اور ہزار تصدیعات

کوئی مشفق نہیں جو ہووے شفیق
اب تو وہ بھی کمی (؟) کرتی ہے
مصرعہ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

مگر آج خوش قسمتی سے آپ سا قدرداں ہاتھ آیا ہے انتشار طبیعت برطرف ہو تو بہ دلجمعی تمام آغاز سے تا انجام اپنی داستان غم سانحۂ ستم گذارش کروں گا سوداگر کے اس مضمون دردناک سے آنسو ٹپک پڑے سمجھا یہ بندر نہیں کوئی فصیح و بلیغ عالی خاندان والا دودمان سحر میں پھنس گیا ہے کہا اطمینان خاطر رکھو تیری جان کیا تو میری جان ہے اب نہ لیت و لعل کا یہی مان ہے بندر کو تسکین کامل حاصل ہوئی غزلیں پڑھیں نقل و حکایات میں سرگرم رہا اپنا حال پھر کچھ نہ کہا تمام شب سوداگر نہ سویا اس کے بیان جانکاہ پر خوب رویا اب بہت تعظیم و تکریم سے بندر رہنے لگا مگر امر شدنی بہر کیف ہوا چاہے راز فاش ہوا اگر خدا چاہے سوداگر کا یہ انداز ہوا جو شخص نیا اس کی ملاقات کو آتا اسے بندر کی باتیں سنواتا وہ استعجاب سے غرق بحر فکر ہوتا ہر جگہ ذکر ہوتا آخر اس کی گویائی کا چرچا کوچہ و بازار میں مچا اور یہ خبر اس کور نمک محسن کش کے گوش زد ہوئی سنتے ہی سمجھا یہ وہی ہے بعد مدت فلک نے پتہ لگایا اب مطلب ہاتھ آیا فوراً چوبدار بندر کے لینے کو سوداگر کے پاس بھیجا یہ بہت گھبرایا اور تو کچھ بن نہ آیا بصد عجز و نیاز عرض داشت کی غلام صاحب اولاد نہیں اس اندوہ میں دل مضطر شاد نہیں طبیعت بہلانے کو اسے بچہ سا لے کر فرزندوں کی طرح پالا ہے رات دن دیکھا بھالا ہے بندر ہے مگر عنقا ہے مفارقت اس کی خانہ زاد کی جان لے گی آئندہ جو حضور کی مرضی چوبدار یہاں سے خالی پھرا وہ ظالم اظلم غضب میں بھرا وہاں کے بادشاہ کو لکھا اگر سلطنت اور آبادی مملکت اپنی منظور ہو سوداگر سے جلد بندر لے کر

یہاں بھیج دو نہیں تو اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا نام و نشان مٹا دوں گا یہ خبر وحشت اثر سنکے
غضنفر شاہ متردد ہوا شیریں خوش تدبیر امیر وزیر سمجھانے لگے کہ خداوند نعمت ایک جانور کی خاطر آدمیوں
کا کشت و خون زبوں ہے حکم ہوا کہ کچھ لوگ سرکاری وہاں جائیں جس طرح بنے سوداگر سے
بگڑ کر بندر لائیں ڈیوڑھی پر پہونچائیں جب بادشاہی دستہ سرا میں آیا بندر دست بستہ زبان پہ
لایا کہ اے مونس غمگسار وفا شعار اس اجل رسیدہ کے باب میں کد و کوشش بیکار ہے سراسر بیجا ہے
قضا کا زمانہ قریب پہونچا ورنا کامی وا ہے مبادا کسی طرح کا رنج میری دوستی میں تمہارے دشمنوں کو
پہونچے تو مجھے حشر تک حجاب و ندامت رہے خلق خدا برا بھلا کہے سوداگر نے کہا استغفر اللہ یہ کیا
بات ہے جو کہا وہ سر کے ساتھ ہے جب بادشاہ کے لوگوں کا تقاضائے شدید ہوا اور دن کم رہا بعد
رد و قدح بہ معذرت بسیار و منت بشمار ہزار دینار دیکر اس شب مہلت لی اور صبح کے وقت چلنے
کی ٹھہری بموجب مثل مصرع زر بر سر فولاد نہی نرم شود؛ اس عرصہ میں یہ حال تباہ و ماجرائے
جانکاہ گلی کوچے میں زبان زد خاص و عام ہوا کہ ایک بندر کسی سوداگر کے پاس باتیں کرتا تھا وہ بھی
کل مارا جائیگا بلکہ اس کشتۂ انتظار مایوس دلفگار یعنی ملکہ مہر نگار کو بھی معلوم ہوا وہ شیدائے جانی سمجھی
سمجھی کہ یہ بندر نہیں شہزادہ ہے افسوس صد ہزار افسوس اب کونسی تدبیر کیجئے جو اس بیکس کی جان بچے
دل کو مسوس وزیر زادی کو کوس پوچھا دم سحر کدھر سے وہ سوداگر جائے گا یہ تماشہ ہمارے دیکھنے میں
کیونکر آئیگا لوگوں نے عرض کی حضور کے جھروکے تلے شاہراہ ہے یہی ہر سمت کی گذرگاہ ہے یہ
سن کے تمام شب تڑپا کی نیند نہ آئی دو گھڑی رات سے برآمدے میں برآمد ہوئی اور ایک طوطا پنجرے
میں پاس رکھ لیا فجر سے پیشتر بازار میں ہلڑ تھا تماشائیوں کا میلہ سا ہو گیا جس وقت تاجر زرنے متاع
انجم کو نہانخانۂ مغرب میں چھپایا اور شحنۂ چرخ چارم خونخواری کو مشرق سے نکل آیا سوداگر نماز
صبح پڑھ ہاتھی پر سوار ہو کر کمر میں پیش قبض رکھ گود میں بندر کو بٹھا مرنے پر کمر مضبوط باندھ کر چلا
بندر سے کہا پریشان نہ ہو جب تقریر سے اور اسراف کثیر سے کام نہ نکلے گا جو بن پڑیگا وہ کرے گا
اپنے جیتے جی تجھے مرنے نہ دوں گا قول مردان جان دارد اور ہیچ بعد از سرمن کن فیکون شد،
شدہ باشد سوداگر کا سراسیمہ آگے بڑھنا تھا کہ خلقت نے چار طرف سے گھیر لیا بندر
لوگوں سے مخاطب ہو کر یہ کہنے لگا میر سوز

برقِ طپیدہ یا شررِ پر جہیدہ ہوں — جس رنگ میں ہوں میں غرض از خود رمیدہ ہوں
اے اہلِ بزم میں بھی مرقع ہیں دہر کے — تصویر ہوں دیئے لبِ حسرت گزیدہ ہوں
صیاد اپنا دام اٹھا لے کہ جوں صبا — ہوں تو چمن میں پر گُلِ عشرت نہ چیدہ ہوں
اے آہ و نالہ مجھ سے نہ آگے چلو کہ میں — بچھڑا ہوں کارواں سے مسافر جریدہ ہوں
غم ہوں الم ہوں درد ہوں سوز و گداز ہوں — سب اہلِ دل کے واسطے میں آفریدہ ہوں

صاحبو دنیائے دوں نیرنگی زمانہ سفلہ پرور بوقلموں عبرت و دید کی جا ہے گرما گرم آیند و روند کا بازار ہے کس و ناکس جنس ناپائدار ہے لہو و لعب کا خریدار ہے اپنے کام میں مصروف قضا ہے جو شے ہے فنا ہے معاملات قضا و قدر سے ہر ایک ناچار ہے یہی مسئلہ جبر و اختیار ہے کوئی کسی کی عداوت میں ہے کوئی کسی کا شیدا ہے جسے دیکھا آزادنہ پایا کسی نہ کسی بکھیڑے میں مبتلا ہے ایک کو اتنا سوجھتا نہیں کیا لین دین ہو رہا ہے سود کی امید میں سراسر زیاں ہے سر ہی ہونیکا سودا ہے اسکی قدرت ناطقہ دیکھو مجھ سے بے زبان ناچیز کو بہ تکلف گویائی عنایت کیا تم سب کا سامعون میں چہرہ لکھ دیا باتیں سننے کو ساتھ چلے آتے ہو جدائی میری شاق ہے جو ہے مشتاق ہے حال زار پر رحم کھا آنسو بہاتے ہو یہ رحیمی کی صفت ہے شانِ قہاری دیکھو اسی تقدیر کی دھوم سے ایک ظالم شوہر سے مجھ مظلوم کا مقابلہ ہوتا ہے یقین کامل ہے وہ قتل کریگا بیگناہ کے خون سے ہاتھ بھریگا سواد الوجہ فی الدارین ہوگا تب اسے آرام و چین ہوگا یہ گویائی گویا پیام مرگ تھا دنیائے جائے آزمائش ہے ہمیشہ جانتے ہیں یہ مقام قابل آرام و آسائش ہے دو روزہ زیست کی خاطر کیا کیا ساز و سامان پیدا کرتے ہیں فرعون بے سامان ہو کر زمین پر پاؤں نہیں دھرتے ہیں جب سر کو اٹھا آنکھ بند کر چلتے ہیں خاکساروں کے سر کچلتے ہیں آخرکار حسرت و ارمان فقط لیکر مرتے ہیں جان اسکی جستجو میں کھوتے ہیں جو شے ہاتھ آئے ذلت سے جمع ہو پریشانی و مشقت سے پاس رہے خست سے چھوٹ جائے یاس و حسرت سے بھرے سر پر ہاتھ دھرتے ہیں ناسخ

دنیا اک زال بیسوا ہے — بے مہر و وفا و بے حیا ہے
دنیا کی عدو ہے دین کی دشمن — رہتی نہیں ایک جا پہ جم کر
مردوں کیلئے یہ زن ہر جائی — پھرتی ہے برنگ نرد گھر گھر

انجام شاہ گدا دو گز کفن اور تختۂ تابوت سے سوا نہیں کسی نے ادھی یا محمودی کا دیا یا تنزیب کربلا کسی کو گزی گاڑھا میسر ہوا بصد کرب و بلا اس نے صندل کا تختہ لگایا

اس نے ہیرے کے چھلوں میں چھپایا کسی نے بعد مرگ سنگ مرمر کا مقبرہ بنایا کسی مرمر کے گور گڑھا پایا کسی کا
مزار مطلا منقش رنگا رنگ ہے کسی کی مانند سینۂ جاہل گور تنگ ہے حسرت دنیا سے کفن خاک ہوا
بستر دونوں کا فرش خاک ہوا نہ امیر سمور و قاقم کا فرش بچھا سکا نہ فقیر پھٹی شطرنجی اور ٹوٹا بوریا
لا سکا بعد چندے جب گردش چرخ نے گنبد گرایا اینٹ سے اینٹ کو بجایا تو ایک نے بتایا کہ دونوں
میں یہ گور شاہ ہے یہ لحد فقیر ہے اس کو مرگ جوانی نصیب ہوئی یہ استخوان بوسیدہ پیر ہے سو یہ بھی
خوش نصیب نیک کمائی والے گور گڑھا کفن پاتے ہیں نہیں تو سینکڑوں ہاتھ رکھ کر مر جاتے ہیں
لوگ در گور کہہ کر چلے آتے ہیں کتے بلی چیل کوے بوٹیاں نوچ نوچ کر کھاتے ہیں دامن دشت عریاں
کفن گور بے چراغ صحرا کا صحن ہوتا ہے یاس و حسرت کے سوا کوئی نہ سرہانے روتا ہے تمنا چھٹ کوئی
پائینتی نہ ہوتا ہے سالہا مقبروں کی عمارت عالی اور سازو سامان کی دیکھا بھالی میں سریع السیر ہے
ہزاروں رنج گور بے چراغ غریباں کی دید میں بیٹھے بٹھائے سہے طرفہ نقل ہے کہ والی وارث اُن کے
سر پر سلطنت مسند حکومت پر شب و روز جلوہ افروز ہیں مگر تنبیہ غافلوں کو قدرت حق سے گنبدوں
میں آشیانۂ زاغ و زغن میناروں پر مسکن بوم شوم قبروں پر کتے لوٹتے دیکھے میر

مزار غریباں تاسف کی جا ہے	وہ سوتے ہیں پھرتے جو کل جا بجا تھے

رنگ چمن صرف خزاں دیکھا ڈھلا ہوا حسن گلرخاں دیکھا اگر گل خنداں پر جوبن ہے بہار ہے
غور کیا تو پہلوئے نازنین ہیں نشتر سے زیادہ خلش خار ہے سینہ فگار ہے دنیا میں دل ربا ت
زق زق بق بق ہے کوئی پیچھے کرتا ہے کیسکو قلق ہے نوبت کیغم گزینش ہے ہر سر کو کڑی منزل در پیش ہے مولف

بلبل کو خزاں میں جان کھوتے پایا	صیاد کو سر ٹیک کے روتے پایا
گلچیں کی بھی نیند اڑ گئی لیک سرور	جو اہل دول تھے ان کو سوتے پایا

مدتوں صدائے مرغ سحر کے رنج اٹھائے کبھی دم نہ مارا شکوہ لب پر نہ لائے برسوں ندائے اللہ اکبر
کے صدمے سے شکر کیا چپ رہے مہینوں گجر کی آواز نے دم بند کیا قلق جی پر لیا نالہ نہ بلند کیا سچ ہے
تو وصل مہرویان خواب شب تھا لطف اُنکا عین غضب تھا تمام عالم کی خوب سیر کی کبھی حرم محترم
میں مسکن رہا گاہ دھونی رمائی کنشت و دیر کی عالم سے آیہ حدیث وعظ پند ناقوس برہمن سن
سر دھنتا وہ بد کیش مانع ملت صنم لطف زلیست حظ نفس کا دشمن تھا یہ کوتاہ اندیش رخنہ پرداز

اہل ایمان و دین کا رہزن تھا مائل کیا تو اُن دونوں سے دور حسد بغض بیز ہونا معلوم اپنے نزدیک اُن کا انجام بخیر ہونا معلوم واللہ اعلم یہ لوگ کیا سمجھے خود اچھے ٹھہرے اور کو بُرا سمجھے مطلب کی بات ہیہات دونوں کی سمجھ میں نہ آئی بایں دانائی اُن سے خدا سمجھے مؤلف

اچھے کو بُرا بُرے کو اچھا سمجھے — کتنی یہ بُری سمجھ ہے اچھا سمجھے

دنیا فقط رہگذر ہے ہر دم مثال تار نفس در پیش سفر ہے تا زیست ہزاروں مفسدے ہیں ڈر ہے مرنے کے بعد باز پرس کا خطر ہے کسی طرح انسان کو مفر نہیں کون سا نفع ہے جس کی تلاش میں مفر نہیں حاصل کار یہ ہے کہ دنیا میں جینے کی خوشی نہ مرنے کا غم کرے تا مقدور کسیکی خاطر نہ برہم کرے ورنہ شعر

نیم شبے آہ زند پیر زال — دولت صد سالہ کند پائمال

دل شکستہ کی دلداری پا فتادہ کی مددگاری کرے ہوا و ہوس جو دل سے دوچار ہو جائیں تو مال سے یا کمال سے باب و نخوت نزدیک نہ آئے عنایت ایزدی پر قانع ہو شکر ہر نعمت سپاس خدمت کرے منہیات کا مانع ہو رنج کا حامل رہے سب ننگ ہیں شامل رہے زمانہ کی مکروہات سے گھبرائے نہیں صحبت غیر جنس سے نفرت کرے تو بدنامی پاس آئے نہیں دولت کا اعتبار کیا مفلسی سے ننگ و عار کیا ایک دن مرنا ہے جینا مستعار ہے اس پر کس کا اختیار ہے نیک عمل کا خیال رکھے کہ قید ہستی زیست کا نام ہے رہائی یہاں سے انجام ہے شعر

کسی کے مرگ پر اے دل نہ کیجے چشم تر ہرگز — بہت سا رویئے اُن پر جو اس جینے پہ مرتے ہیں

عمر خضر کی تمنا اور حشمت خسروانہ خزانہ قارون کی فکر میں ہر ایک صبح و مسا ذلیل و خوار ہے تحصیل لاحاصل کوشش اس امر میں سراسر بیکار ہے بقول ناسخ

ہاتھ آتی ہے کب علم و ہنر سے دولت — ملتی ہے قضا اور قدر سے دولت
جو علم و ہنر رکھتے ہیں وہ ہیں محروم — مانوس ہے بل احمق و خر سے دولت

روپے کا جمع ہونا جواہر کی تلاش میں دن کا جاگنا چاندی سونے کی امید میں رات کا نہ سونا سیمیں تن لعل لبوں سے بہم ہونا جنہیں میسر ہر بار ہے انہیں مفارقت دنیا ناگوار ہے اور یہ کلام ہے مؤلف

یاں کے جانے سے جی الجھتا ہے — کیا ہی دلکش سرائے فانی ہے

سلف سے اہل کمال دنیا کے مال سے محروم رہے جو سزاوار حکومت تھے وہ محکوم رہے شعر

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان		طوق زریں ہمہ در گردن خری بینم

لیکن کبھی صبح عشرت ہے گاہ الم کی شام ہے دنیا عجب مقام ہے نہ امیر ہوتے عرصہ نہ فقیر ہوتے کچھ دیر ہے اس کارگاہ بے ثبات میں عجب اندھیر ہے سودا

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار		رکھتا نہیں یہ ہاتھ عناں کا بیک قرار
جنکے طویلے بیچ کئی دن کا ذکر ہے		ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانیکے ہاتھ سے		موچی سے کفش پا کو گھٹاتے ہیں وہ اُدھار

اور جب وعدہ آ پہونچا تو نہ روپیہ کام آتا ہے نہ فوج ظفر موج سے کچھ ہو نہ تہمتن جرار بچاتا ہے نہ کوئی آشنا دوست آڑے آئے نہ عزیز و اقربا پنجۂ ملک الموت سے چھڑائے اگر یہی امر مانع قضا و قدر ہوتے جمشید و کاؤس دارا و سکندر بصد حسرت افسوس جان نہ کھوتے نیک عمل کرے تو وہ ساتھ جاتا ہے احتیاج کسی کی بر لائے باللہ کچھ دے یہ البتہ کام آتا ہے ورنہ دنیا مزرعِ ہندگی بدتر از حباب ہے پابند اسکا خراب ہے ترک کر پھر الا مایاب ہے

ترک دنیا کا سوچ کیا ناسخ	شعر	کچھ بڑی ایسی کائنات نہیں
اِس گلشن ہستی میں عجب سیر ہے لیکن	شعر	جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
دنیا خوابیست کش علام تعبیر است	قطعہ	صیدا جل است از جوان و پیر است
ہم روئے زمیں پُر است و ہم زیر زمیں		ایں صفحۂ خاک ہر دو رو تصویر است

الا مقتضائے عقل یہ ہے کہ عالم اسباب میں کسی اسباب کا پابند نہ ہو تعلق خاطر نہ رکھے ہمیشہ اُس نے بھلے سے بُرائی کی ہے جو گیا یہاں سے یعنی جہان گذران سے اسکا شاکی تھا بادشاہ سے فقیر تک جوان سے پیر تک حقیقت میں نفس امارہ سخت ناکارہ ہے اسکو بہر کیف پچھاڑے گرد ہوا و ہوس سے دامن جھاڑے شعر

دیوانہ باش تاغم تو دیگراں خورند		آنرا کہ عقل بیش غم روزگار بیش

آدمی کو لازم ہے وہ بات پیدا کرے تا صفحۂ دنیا پر چندے نیکی نام یاد رہے شعر

اس طرح جی کہ بعد مرنے کے		یاد کوئی تو گاہ گاہ کرے

دنیا میں کسی سے دِل نہ لگائیے کہ یہ کارخانہ بہت بے ثبات ہے وصل سے فرحت ہجر کی مصیبت اپنے سر پہ نہ لائے کہ مر جانیکی بات ہے معشوق باوفا عنقا کی طرح ناپید ہے اور پُر دغا ہر جائی ہر جا مہیا ہے خواہش کا انجام کاہش ہے تمنا دل سے دُور کرنے میں جان کی آسائش ہے مؤلف

کبھی نہ چین سے رہنے دیا تمنّا نے ۔ خراب وخستہ ہیں اس دل کی آرزو سے رہا

مگر وائے شمت ہائے نادانی کہ جب نشۂ جوانی کا موسم پیری میں خمار اترتا ہے اسوقت آدمی سر پہ ہاتھ
دھر کر روتا ہے وقت از دست رفتہ وتیراز شست جستہ کب ہاتھ آتا ہے ناچار ہو کف افسوس ملکر پچھتاتا ہی گذشتہ
را صلوات کہہ کر دلکو سمجھاتا ہے آدمیونکو بندر کی تقریر دلخراش پر اثر سے عبرت وحیرت حاصل تھی کبھی نصیحت وپند
گاہ کلام رنگین ودلچسپ پا دل دردمند کبھی سخنان وحشت افزا سنتا چلا جاتا تھا اہل دل طبیعت کے گداز سے روتے
ساتھ آتے تھے ہر فقرہ پر دُر پر ضبط نہو سکتا تھا چلاتے تھے خلق خدا ابنار کی طرح ہاتھی کی ہمراہ تھی ایک عالم کے لب پر
نالے تھے فغاں وآہ تھی اسی سامان سے ملکہ کے گھر کے تلے پہونچے وہ منتظر تمام شب نالہ بلب سوداگر سے بولی ایکدم ٹھہر جا
میں اسکی تقریر کی مشتاق ہوں سوداگر نے ہاتھی روکا ملکہ نے کہا اے معتبر بے زبان گم کردہ خانماں اگرچہ اب ہم کس لائق
ہیں مگر تیری داستان ظلم وجور کے شائق ہیں بندر نے آواز پہچانی پہلے تو خوب رویا پھر جی ٹھہرا کر کہنے لگا شعر ہر کس
از دست غیر نالہ کند ؛ سعدی از دست خویشتن فریاد ؛ میر کیونکہ کہیے کوئی نہیں آگاہ ؛ اک قیامت بپا
ہے یاں سر راہ ؛ کچھ چھپا اب نہیں رہا یہ راز ؛ ہے جہاں اس سبب سخن پرواز ؛ بس تغافل نہ کر ترحم
کر ؛ گوش دل جانب تکلم کر ؛ شعر قسمت تو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی جا کمند ؛ دو تین ہاتھ جبکہ لب بام رہگیا ؛ اسکی
یار نے عیاری کی دغا سے یہ نوبت ہماری کی جبکا رونا ہمیں ناگوار تھا وہ ہمارے لہو کا پیاسا قتل کا روادار تھا
یہ مثل سچ ہے تیر سوئیں صیدی کا ہے نیکی کا بدلہ بدی ہے مجنون کی تمنا دلمیں رہی وطن جانیکی حسرت آب وگل میں رہی دوستوں
کا کہا نہ مانا وہ آگے آیا پچھتانا پڑا ابلے اجل جلاد کے فریب سے ذبح ہوئے طالب ومطلوب جان جو کھوں میں پھنسے زندہ
درگور ہوئے الحق دنیا دم مار نیکی جا نہیں راز کسی سے کہنا اچھا نہیں منصور حلاج نے کلمہ حق کہا تھا
ناحق لوگوں نے دار پہ کھینچا غرض جو بولا مارا گیا جان سے بچارا گیا کہتے تو کہا پر سوچکر بات بنائی جی میں دہشت
آئی کہ مبادا یہ خبر اُس کافر اکفر کو پہونچے تو یقین ہو کہا اے ملکہ کوئی کسی کمال سے دنیا میں نہال ہوتا
ہے یہ بیگناہ گویائی کے سبب ناحق حرامزادی کی بدولت حلال ہوتا ہے **مؤلف** کمال شئے زوال
شئے ہے اُس پہ لاکھ حاسد ہوں ؛ بھلا نازاں نہ ہوں کیونکہ میں اپنی بے کمالی کا ؛ خدا جانے ہے
دیکھا دیکھ کر یہ چاند منہ کس کا ؛ ہوئی ہے عید غیروںکو ہمیں ہے چاند خالی کا ؛ میں نے اپنے ہاتھ سے پیر ول میں
کلہاڑی ماری فلک نے بنا کر بات بگاڑی **مصرعہ** اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی ؛ **شعر** گل وگلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ
نہ کر ؛ تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث ؛ اب سر دست کچھ تدبیر نہیں آتی ہے صورت مرگ آئینہ چشم میں بدنظر ہے

ہماری ہمیں کو خبر ہے کوئی گھڑی میں مفت جان جاتی ہے جو جانتا ہے وہ دیکھتا ہے جسے خبر
نہیں اُس سے کہدو تمہارے واسطے غریب دیار ہوئے اور تمہارے سبب سے قتل کے سزاوار ہوئے ست
بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست ❊ تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست ❊ ان باتوں سے رہے
سہے تنک ملکہ کے برطرف ہوئے سمجھی جانعالم یہی ہے جواب دیا جو جانتے تھے اُن سے کیا ہو سکا
انجان کو تکلیف دینے سے کیا فائدہ اور طوطے کی گردن مروڑ پنجرا باہر نکالا بندر کی نگاہ جو پنجرے پر
پڑی سمجھا ملکہ پہچان گئی یہی فرصت کا وقت ہے ہنگامہ و تلاطم تو مچا تھا کسی نے دیکھا نہ بھالا بندر سوداگر
کی گود میں لیٹ کر طوطے کے قالب میں پرواز کر آیا طوطا پھڑکا ملکہ کا دل خوشی سے دھڑکا پنجرا اندر کھینچ

تصویر سوداگر مع بندہ ہاتھی پر سوار اور ملکہ کا طوطے کے قالب میں لانا بندہ کو اور مرنا بندر کا



لیا سوداگر نے دیکھا بندر مر گیا چاہا ہلاک ہو بدنامی کا قصہ پاک ہو جو شخص خواصی میں بیٹھا تھا سمجھانے لگا
بندہ پرور شکر کرنے کی جا ہے شکایت کا موقع کیا ہے حرمت رہی جان بچی مرگ فرزند سے ماں باپ کو چارہ
نہیں مر جانا بجز حماقت عقلمند کو گوارا نہیں اگر بادشاہ جبر سے چھین کر بندر کو مار ڈالتا جان کھونیکی جگہ تھی صبر
کیجئے جو خدا کی مرضی اُسکی رضا میں مجبوری ہے جائے صبوری ہے صابروں کا مرتبہ بڑا ہے اُن کے حق میں اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے تم نے سُنا ہے ان اللہ مع الصابرین تماشائیوں پر جو حال کھلا رونے پیٹنے کا دونا شور و غل مچا سب نے
متفق ہو کر یہی کہا البتہ بندر عشق تھا یہ پیام طلب کو سُن چل تھا سامنے جانیکی نوبت نہ آئی سوداگر کی گود میں جان
گنوائی اپنا تشق ثابت ہوا خوف سے مر گیا داغ تقریر ہمارے صفحۂ دل پر دھر گیا یہ خبر اُس کافر کو پہونچی اُسپر بھی چین

نہ آیا لاش منگا جلا کر دل ٹھنڈا کیا خاک تک برباد کی جب تسکین ہوئی وہاں ملکہ مہر نگار پنجرہ لے بیٹھی لوگوں کو پاس سے سرکا دیا میاں مٹھو نے ہو بہو ابتدا سے انتہا تک مفصل سب حال سُنا دیا کہ اس طرح نشہ کی حالت میں اُس کے رونے پر عمل بتایا وہ ہمیں پر عمل میں لایا بندر بنایا پھر چڑیمار کے جال میں پھنسے دوست روئے دشمن ہنسے وہاں سے سوداگر متاع خوبی سمجھ کر اپنے پاس لایا تملک نے بعد خرابی بسیار آج تم سے ملایا ملکہ نے کہا خاطر پریشان جمع رکھیے انشاءاللہ تعالیٰ جلد کوئی صورت ہوئی جاتی ہے یہاں یہ گفتگو تھی کہ اُس نطفہ شیطان کی آمد ہوئی ملکہ باہر نکل آئی تعظیم کی ہمیشہ یہ معمول تھا جب وہ آتا ملکہ بات نہ کرتی خفیف ہو کر اُٹھ جاتا اُس روز جو گفتگو ہوئی وہ مردک سمجھا بندر کا مرنا بچشم ملکہ نے دیکھا اس سے دب گئی ہمکلام ہوئی اب جلدی نہ کرو امروز فردا میں مقدمہ درست ہو جائیگا لیکن پہلے اس سے فیصلہ شرط ہے ملکہ کے باپ کا بہت ڈر تھا اس باعث ملکہ سے ہراس کرتا تھا نہایت پاس کرتا تھا جب رخصت ہونے لگا ملکہ نے کہا ایک بکری کا بچہ خوبصورت سا ہمیں بھیجدو پالیں گے رنج کو ٹالیں گے یا تو چپ رہتی تھی یا آج بچہ مانگا یہ بچا بہت خوش ہوئے اُسی وقت ایک بکری کا بچہ تحفہ بھجوا دیا دوسرے روز جو آیا ملکہ کو زیادہ متوجہ پایا اُس کے روبرو بچے سے کھیلا کی دو تین روز یہی صحبت رہی ایک روز ملکہ نے بچہ کو دبا کر ادھ موا کر دیا اور چوبدار دوڑایا شہزادے کو جلد بلا لا عرض کرنا اگر دیر لگاؤ گے جیتا نہ پاؤ گے یہ خبر سُنکر وہ محل سرا کا عازم ہوا ملکہ نے پنجرہ اُس ہمائے اوج سلطنت کا پلنگ کے پاس رکھ لیا جب وہ نابکار روبرو آیا ملکہ نے بچہ کو گود میں اٹھا اس زور سے دبایا کہ وہ مر گیا اُس کا مرنا اس کا نالہ و فریاد کرنا گریبان چاک کرنا بکھیڑا پاک کرنیکی تدبیر کی وہ بیقرار ہو کر بمنت بولا ملکہ ہزار بچہ اس سے اچھا ابھی موجود ہوتا ہے تم کیوں روتی ہو ملکہ نے اُس حالت میں کہا میں کچھ نہیں جانتی تم اسے ابھی جلا دو جو میری خوشی چاہتے ہو وہ بولا بھلا مردہ کہیں جیا ہے کبھی کسی نے ایسا کام کیا ہے ملکہ نے رو کر کہا واہ تم نے میری مینا جلائی تھی جب میں جلبلائی تھی یہ دل میں سمجھا کہ شاید شہزادے نے یہ حرکت کی ہوگی کار خانے مسبب الاسباب کے معروف و مشہور ہیں دنیا میں مثل ہے کہ کر و کہ نیافت جس نے جیسا کیا ویسا پایا ہر فرعونے را موسیٰ قطعہ اے یار جو کسی کو کلپا دیگا ؛ یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پاویگا ؛ اس دار مکافات میں سُن اے غافل ؛ بیداد کریگا آج کل پاویگا ؛ وہ بد حواس پوچھنے لگا ہمنے مینا کیونکر جلائی تھی ملکہ بولی تم پلنگ پر لیٹ رہے تھے وہ جی اُٹھی تھی یہ بھی درست پایا کہا بچہ گود سے رکھ دو ملکہ نے پھینکدیا وہ پلنگ پر لیٹا اپنی روح بکری کے بچہ کے قالب میں لایا وہ کودنے لگا ملکہ مہر نگار نے گود میں لیا پیار کیا و سوچا

دو گھڑی ملکہ کی طبیعت بہل جائے گی پھر روح قالب میں لیجاؤنگا مطلب تو نکل آئیگا یہ نہ سمجھا فلک کی گھات ہے فریب کی بات ہے چرخ کو کچھ اور منظور ہے اب اس جسم میں جانا بہت دور ہے شہزادہ جانعالم یہ سب معاملہ پنجرے سے دیکھ اور سُن رہا تھا فوراً اپنی روح اپنے جسم میں لا اُٹھ کھڑا ہوا یہاں وہ بزدلہ جانعالم کو دیکھ کر تھرا گیا خوف چھا گیا سمجھا قسمت اب بُری ہے کوئی دم کو گلا ہے اور چھُری ہے ملکہ نے

تصویر وزیر زادے کی پلنگ کے اوپر لیٹ کر اپنی روح بکری کے قالب میں لانیکی اور جانعالم کا اپنے قالب میں پرواز کرنا

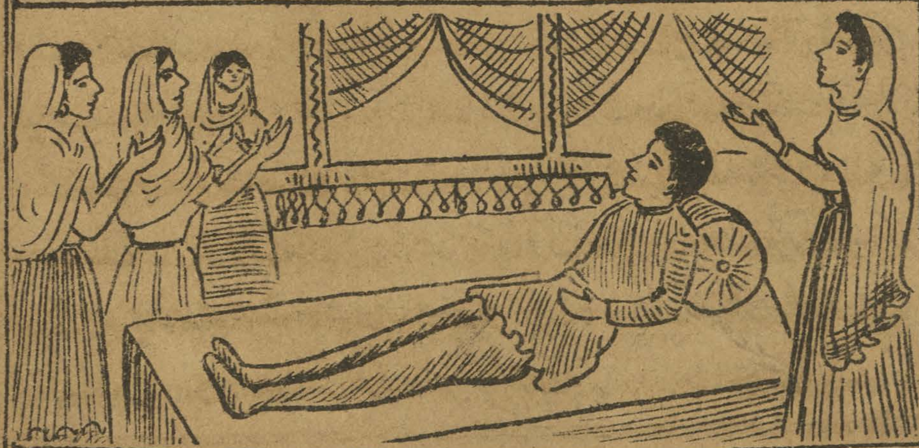


جلد دوا پھر وہ پڑھ کر پھونکدیئے کہ وہ اور کے قالب میں روح لیجانا بھول گیا پھر انجمن آرا کو بلایا کہا لو صاحب مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری و ہماری حُرمت و آبرو کو بچایا بچھڑے سے ملایا یہ آپکا احمق الذی شہزادہ ہے وہ بکری کا بچہ بدبین وزیرزادہ ہے یہ کہکر تینوں عاشق و معشوق گلے مل مل خوب روئے جو جو محرم راز تھیں دوڑیں مبارک سلامت ہوئی جانعالم نے اُسی وقت سوداگر کو طلب کیا سب حال مفصل کہہ دیا بعد ادائے شکر نعمت خلعت و انعام ہر اقسام کا عنایت کیا وطن آنیکا وعدہ بھی لیا پھر چڑیمار اور اسکی جورو کو بلایا بہت زر و جواہر دیا اور بمشورہ غضنفر شاہ اُس مملکت کے چڑیماروں کا چودھری کر دیا پھر لشکر ظفر پیکر کو حکم تیاری سامان سفر فرمایا آپ رخصت ہونیکو غضنفر شاہ کے پاس آیا آخر کار بدقت تمام طول کلام و درازی ایام مفارقت والدین کہہ کر اُسے راضی کیا پیش خیمہ اسی دن لدگیا دو چار دن رخصت کی دعوتوں میں اور لگے اخیر جلسے خوب دھوم دھام کے ہوئے اپنے عمل تک وہ ساتھ آیا تمام لشکر نے اپکا لپکا پایا پھر رخصت ہوتے ہی دو چار کوچ ایک دو مقام کرتے براحت و آرام چلے چلے اور

ورود لشکر نصرت اثر دشت پر خوف و خطر میں لب حوض خیام شاہی ہونا ساحرہ کا آنا تمام لشکر کو نصف پتھر بنانا پھر ملکہ کے باپ کا آنا اور جادوگرنیوں کی لڑائی شہپال کا قتل فوج کی رہائی

نگارندۂ داستان عجیب ؛ یہ لکھتا ہے پھر ماجرائے غریب ؛ طلسم جہاں دید کا ہے مکاں ؛ پھنسے اس میں رہتے ہیں پیر و جواں ؛ ولیکن ہنسا جو کوئی غنچہ ساں ؛ ہوا مثل گل دستبرد خزاں ؛ جسے ہم نے دیکھا وہ تھا دل حزیں ؛ خوشی کی جگہ یہ ہے دنیا نہیں ؛ محرران جادو نگار سحر ساز راقمان فسانہ ہوشربا حیرت پرداز نے لکھا ہے جانعالم ہر صبح مثل مہر درخشاں قطع منازل و مراحل یعنی کوچ و شام مانند ماہِ تاباں مقام کرتا چند عرصے میں پھر اسی دشت اوبار صحرائے خار خار جہاں حوض میں کود پڑا تھا وارد ہوا حوض کے متصل سراپردہ خاص نصب ہوئے گرد لشکر نصرت اثر اترا انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کو وہ چشمہ دکھایا جب دن تمام ہوا نماز شام کیواسطے جدا خیمہ میں تشریف لایا نماز پڑھ کر کسل راہ سے پلنگڑی جواہر نگار بچھی تھی اس پر لیٹ رہا ماندگی کے باعث غنودگی سی تھی کہ دفعتاً ایک خواص خاص انجمن آرا کی بدحواس دوڑی آئی کہا شہزادہ جانعالم کی عمر دراز ہو نصیب دشمناں شہزادی کی طبیعت ناساز ہے شدت سے کلیجے میں درد ہوتا ہے وہ نقش سلیمانی اور لوح دیجیے دھو کر پلا دیں عارضۂ مزاج مطلوب بدمزگی طبیعت محبوب سنکر بیقرار ہوا کچھ نیند کا خمار کچھ طبیعت کا انتشار دیکھا نہ بھالا نقش و لوح حوالہ کیا نقش دیتے ہی نقشہ بگڑ گیا ایک آواز مہیب پیدا ہوئی کہ اے جانعالم بہت دنوں اڑتا پھرا مدت کے بعد پھنسا خبردار ہو جا ایسی آواز ہولناک تھی کہ سب لشکری

تصویر جانعالم کے پتھر بننے کی نصف بدن تک مع لشکر اور زنڈیوں کا دعائیں مانگنا



ڈر گئے شجاعوں کے دل تھرا گئے محل میں رنڈیوں کو غش آ گئے گھبرا کر شہزادے نے اٹھنے کا قصد کیا جگہ سے ہلا نہ گیا غور جو کیا تو آدھا جسم پتھر کا ہو گیا تھا پھر تو جہاں بیٹھا تھا بیٹھا رہ گیا جو کھڑا تھا اینٹھا رہ گیا ہر طرف غل اور شور تھا جو پڑا تھا زندہ درگور تھا کچھ دکھ کچھ ہنسی تمام فوج آفت ناگہانی میں پھنسی عجیب کھلبل مچی نامردی کی بائی بچی کل لشکر انسان سے حیوان تک نیچے کا دھڑ پتھر کا اور اوپر کا جسم بدستور آہ و نالہ و فریاد و بکا سب لشکر میں بپا تھا اور محل سرا میں بھی یہی ہنگامہ مچا تھا ہر ایک گرفتار بلا تھا وہ رنڈیوں کی ملکہ انجمن آرا کی بیقراری علی الخصوص ملکہ کے بیان سے زمین و آسمان کانپتا تھا جب وہ کہتی تھی ؎ ہر دم زمانہ داغ دگرگونہ در دہد ؛ یک داغ نیک ناشدہ داغ دگر دہد ؛ تمام لشکر میں از شام تا پگاہ ہر ایک کے لب سے نعرہ جانکاہ بلند رہا جب دم ماہ دم سرد بھر تا نقاب سیاہ منہ پہ ڈالے تابان پر ملال کر غم کدہ مغرب کی طرف روانہ ہوا اور آفتاب جگر سوختہ مشرق سے نکل کر خدنگ آہ بیکساں کا نشانہ ہوا ایک ابر تیرہ تار آیا آدمی خوفزدہ ہو کر دیکھنے لگے اُس ابر سے اژدہا خونخوار شعلہ فشاں آتش دہاں نکلا ایک رنڈی اُس پر سوار وہ بھی آتشبار شہزادے کے خیمہ میں اُتری جانعالم نے پہچانا کہ وہی جادوگرنی ہے جس سے کہا تھا اپنا دور رہا موت قریب آئی قسمت نے کس جگہ لا کر نیرنگی دکھائی وہ بولی جانعالم کہو اب کیا قصد ہے شہزادے نے کہا وہی جو تھا اُس نے کہا اب وہ نقش سلیمانی اور لوح پیر مرد کی نشانی کہاں ہے جس کے بھروسے پر کودتے تھے اگر زندگی مع لشکر درکار ہے تو ملکہ اور انجمن آرا سے انکار کرو ہماری اطاعت اور محبت مقدم جانکر ہم سے دار و مدار کرو نہیں تو میں ایکدم میں سب کو بے گور و کفن طعمۂ زاغ و زغن کر دونگی دشت لاشوں سے بھر دونگی شہزادے نے کہا ہمارے لوح دل پہ نقش ارادت حافظ حقیقی کلک قدرت سے منقش ہے عادت سے مجبور ہوں بیوفائی سے دُور ہوں جو کہا سو کہا جو کیا سو کیا اگر قضا آئی ہے مرنے سے کیا چارہ ہے مگر جیتے جی بات جانی کب گوارا ہے یہ سُنکر وہ جل گئی غصے سے رنگت بدل گئی کچھ بڑبڑا کر جانعالم پر پھونکا یا نصف پتھر تھا اب حلق تک پتھر ہو گیا حسرت و یاس سینہ میں بھری تھی تصویر آذری سی بلنگڑی پہ بیحس و حرکت دھری تھی وہ تو اژدہے پر چڑھ کر اُڑی اور پکاری اے اجل رسیدہ آج کے دن اور رات مہلت کی ہے اگر صبح کو بھی انکار کیا تو یاد رکھنا لشکر کا خون اپنی گردن پر لیا یہ سُنا کر وہ تو ہوا ہوئی جب تک شہزادہ آدھا پتھر تھا تو ملکہ اور انجمن آرا اپنے خیموں سے گھبرا کر پکارتی تھیں جانعالم جواب دیتا تھا یہی آواز کا سہارا اُنکی زیست کا سبب تھا اب تا حلق پتھر ہونے سے وہ جرس قافلہ گم کردہ راہ دشت غربت بے صدا ہو گیا وہاں صبر کا رہبر جدا ہو گیا ہر چند دونوں چلائیں شہزادے نے

مطلق جواب دیا بلا ہی ہ گیا پھر ملکہ مہر نگار بادل فگار سرپیٹ کر کہنے لگی میر حسن ؎ فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا کہ جسکے عوض یوں رلانے لگا ؛ مژدہ اے مرگِ غریب الوطنی خوب حیلہ ہاتھ لگا تو بدنامی سے بچی ہنسنے ناکامی میں جان دی چرخ ستم شعار زور رنگ لایا انجمن آرا بیچاری مصیبت کی ماری سب کا منہ حیرت سے تکتی تھی اور روتی تھی نہ بین کراتے تھے نہ غل مچایا جاتا تھا گھٹ گھٹ کر جان کھوتی تھی خواصیں سر کھولکر کہتی تھیں ہے ہے ہم اس جنگل ویران میں لُٹ گئے وارث سے چھٹ گئے ؎ تو وہ کریم ہے ناشاد کو جو شاد کرے مراد مند کو ہر طرح بامراد کرے ؛ لوگو ہم کدھر جائیں کیونکر اس بلا سے کیونکر نجات پائیں کوئی کہتی تھی شیطان کے کان بہرے خدانخواستہ اگر جانعالم کے دشمنوں کا رونگٹا میلا ہوا شہزادیاں خاک میں مل جائیں گی غم جدائی سے جانیں گنوائیں گی ہم اُن کے ماں باپ کو کیا منہ دکھائیں گے اس دشت ادبار میں سر ٹکرا کر مر جائیں گے یہ جادوگرنی قربان کی تھی یونہی بے کفن رکھے گی اور آتوں محلدار جگر افگار سر سے چادریں ٹپک مدینے کی طرف پکار پکار کر یہ شعر کہتی تھیں ؎ تصدق اپنے نواسوں کا یارسول اللہ ؛ کہو یہ حل کریں مشکل ہماری حضرت شاہ ایک طرف مغلانیاں غم کی ماریاں دم گرم آہ سرد بھرتی تھیں ایک سمت انیسیں جلیسیں نجف کی طرف بال کھولکر التجا سے گریہ و بکا سے یہ عرض کرتی تھیں ؎ تم نے مدد کی نوح کی طوفان سے کشتی پار کی ؛ یا مرتضیٰ مشکلکشا کیوں دیر میری بار کی ؛ کوئی کہتی تھی ہمارا لشکر اس بلا سے جو نکل گیا تو مشکلکشا کا کھڑا دونا دونگی کوئی بولی میں سہ ماہی کے روزے رکھونگی کونڈے بھرونگی صحنک کھلاؤنگی دودھ کے کوزے بچوں کو پلاؤں گی کسی نے کہا میں اگر جیتی چھٹی جناب عباس کی درگاہ جاؤنگی سقائے سکینہ کا علم چڑھاؤنگی چہل منبری کر کے نذر حسین سبیل پلاؤنگی غرضکہ لشکر سے زیادہ خیموں میں تلاطم پڑا تھا صدائے حزیں نالۂ غمگیں سے ہنگامۂ محشر بپا تھا اتفاقاً ایک شاگرد ملکہ کے باپ کا رشید فن سحر میں دیدہ و شنیدہ اُس مرد بزرگ کی ملاقات کو بردے ہوا اُڑا جاتا تھا یہ نالہ بلند صدائے ہر دردمند اُس کے کان میں جو پہونچی زمین کا جو متوجہ ہوا دیکھا تو ایک لشکر عظیم بہ حال سقیم سحر کا مبتلا ہے شور و غل ہو رہا ہے جب قریب تر آیا طرفہ ماجرا نظر آیا کہ انسان سے تا جانور سب آدھے پتھر ہیں سمجھا کہ شہباں میں خراب حال ہیں لوگوں سے پوچھا یہ ستم رسیدہ لشکر کس کا ہے کہاں سے آیا ہے وہ ملکہ مہر نگار کے ملازم تھے اپنا حال سب نے بیان کیا جب اُسے یہ امر معلوم ہوا کہ استادزادی کی خانہ بربادی ہے در خیمہ ملکہ پہ آیا سرپیٹا چلایا ملکہ نے آواز پہچانی کہا بھائی اس وقت پڑھ کہاں تھا یہاں آکر بالمشافہ

ہمارا عذاب اور حال خراب دیکھو وہ اندر آیا ملکہ کو بھی اُسی عالم میں پایا ملکہ نے فرمایا عداوت ساحرہ
سے ہمارا قافلہ تباہ ہے وہ عرض کرنے لگا مجھے اس کی ہمسری کی طاقت نہیں اور وقفہ کم صبح سب کا
کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ بجز آپ کے والد بزرگوار کے تشریف لائے یہ بلا ٹلتی نہیں تو خدا
حافظ و ناصر ہے یہ کہکر بحال خستہ و تباہ لب پر نالہ و آہ اس تیز قدم سے چلا کہ ادھم صبا کی ڈپٹ
ہر قدم پر نثار تھی ٹھوکروں میں صرصر بے قرار تھی پہر بھر میں وارد باغ ہوا گل سا چاک گریبان
غنچے کی طرح خموش شبنم نمط اشک رواں پیر مرد نے فرمایا خیر ہے اُس نے شمۂ گرفتاری جانعالم ملکہ
کی بیقراری انجمن آرا کا الم لشکر کا حال ابتر کہہ کر عرض کی جلد چلیے اگر شام تک نہ پہونچے وہاں صبح
ہی دم سحر ملک الموت کا بازار گرم ہوگا ارمان سب دل میں رہیگا کشتوں کو عالم بے والی وارث
کہیگا کوئی گور و کفن نہ پائے گا خاتمہ بالخیر ہو جائیگا پیر مرد نے آہ سرد بھر کر فرمایا افسوس شہزادے کو سب
کچھ سمجھایا تھا مگر عمل پیش لایا میر سوز ۔ ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا ؛ پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ
نئی ؛ اُسی دم شاہین تیز پر سوار ہوا مغرب کی نماز لشکر میں داخل ہو کر پڑھی پہلے جانعالم کے خیمہ میں آیا حال
دیکھ کر سخت گھبرایا پھر انجمن آرا کی جا کر تسکین کی وہ رونے لگی۔ وہاں سے ملکہ کے پاس آ کے کہا تمہاری
بدبختی نے ہماری وضع میں فرق ڈالا برسوں کے بعد باغ سے نکالا ملکہ نے رو کر عرض کی یہ وقت
تدبیر نہ ہنگامہ تعزیر لبعد رہائی اس آفت سماوی کے جو چاہنا فرمانا القصہ مجبور و ناچار وہ عارف باوفا
شہزادے کے خیمے کے نزدیک دور تک حصار کھینچ کر بیٹھا یہ مرد بزرگ نیک صفات فن سحر کے سوا
عامل اسم ذات کا تھا کچھ پڑھنے لگا کبھی مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات کرتا کہ اے یاور زیردستان
و سرفرو کنندۂ گردن کشاں اس بوڑھے کی شرم تیرے ہاتھ ہے قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں
اخیر وقت کا تو حافظ و نگہبان ہے مجھ پر جو مشکل ہے تیرے وردِ آسان ہے سفید داڑھی کو بدنامی
کے وسمہ سے نہ رنگنا تیرہ بختی کا دھبہ اپنی ریش سفید نہ لگانا ؎ مشکل ز توجہ تو آسان ؛ آسان
ز تغافل تو مشکل ؛ جبکہ سجادہ نشین چرخ اوّل با مجمع مریدان کواکب حجرۂ مغرب میں روپوش ہوا اور
ساحر فلک چہارم پر شوکت دبا چشم طلسم مشرق سے نمودار با جوش و خروش ہوا اور وہ عبادت گذار
پیر جوانمرد و شب زندہ دار وظائف صبح سے فرصت پا چکا تھا یکایک وہ نابکار شیطان صفت ناپاک
عورت اژدہے پر سوار بچشم خونخوار بعزم قتل جانعالم لشکر میں تنہا آئی پہلے ملکہ کے باپ پاس گئی آنکھیں

لال لال طپش کمال اور بہ آواز کرخت پکاری کہ اے پیر مرد سست تدبیر تیری اجل بھی دامنگیر ہو کر
کشاں کشاں اس دشت میں لائی ہے مجھے شرم آتی ہے کہ تو پیر مرد نود سالہ ہوچکا ہے بے مارے
مر رہا ہے تیرے قتل میں بدنامی چھٹ فائدہ کیا ہے جدھر سے آیا ہے سیدھا چلا جا نہیں بیک نگاہ
کج نشان لشکر اس صفحۂ زمین سے مثل حرف غلط کارِ سحر سے مٹائے دیتی ہوں مرد بزرگ نے آشفتہ
ہو کر فرمایا اے ننگ فرقۂ بنی آدم مردودِ عالم تجھے جوش شہوت و ولولۂ مباشرت نے آمادۂ قتل ہزارہا
بندہ اللہ بے جرم و گناہ کیا ہے مرگ عزیزاں دیکھوں مرنے سے ڈروں بقول تیرے آج نہ موا کل مر جاؤنگا
جیتے جی خلق کو کیا منہ دکھاؤنگا ہمچشموں سے ناحق آنکھ چھپانی پڑیگی تو بدبخت مجھ سے کیا لڑیگی یہ سنکر
وہ فاحشہ جھلا آستین چڑھا سحر کی نیرنگیاں دکھانے لگی اُنکی بھی دعا کی تاثیر سپر ہوکے اسکا سحر اس پر ڈھال
رنگ مٹانے لگی صبح سے پہر دن باقی رہا کوئی دقیقہ طرفین سے باقی نہ رہا طول اُس مقام کا بیچا تھا اسی
کلمہ پر تمام کیا کہ جب وہ عاجز ہوئی تب سحر کی طاقت سے شیرنی کی صورت بنائی پیر مرد نے اسد اللہ الغالب
کو یاد کر وہ مہیب شیر ببر بنا اور اس طرح للکار کر گونجا کہ جنگل کے چارپائے نعرے کے خوف سے دریا میں گھسے

تصویر ایک شیر ببر اور دوسری شیرنی کی باہم لڑنا اور شیر کا غالب آنا



اور پانی کے جانور خشکی میں چھپتے پھرے کچھ دیر اس ہیئت میں لڑائی زور آزمائی رہی آخر کار وہ
روبہ خصال اُس ہزبر نیستاں شجاعت کی تاب نہ لائی گیدڑ بھبکی دکھائی اور عقاب بنکر اڑ چلی و شاہین
اوج دلیری سوچا کہ بے گرفتاری طائر مطلب یعنی اُس ڈھڈو کے لشکر جنجال سے نہ نکلے گا اسی طرح
یہ پھٹکی چٹکی ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلے گی بلا سے کچھ ہوا سے پھنساؤ زور میں کم پایا تھا فوراً باز
تیز پرواز ہو اس سنّاٹے سے جنگل آہنی میں اُسے دبوچا اور ایسا نوچا کہ اسکی جان سنسنا گئی

بھاگتے وقت رجال الغیب سامنے تھا موت پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑی بہت تڑپی پنجۂ قضا سے نہ چھوٹ
سکی اُسی کشمکش میں اینچا کھینچی میں مرغ روح اس کا مجروح کفن تن سے اُڑ کر آشیانۂ جہنم میں پہونچا غلغلۂ
حشر و شور نشور اُس صحرا میں نزدیک و دُور مچا ہر طرف سے دار و گیر کی صدا آئی آسمان چکر میں آیا زمین
تھرائی دشت تیرہ و مکدر ہوا آندھی چلی سحر کا کارخانہ اُڑ گیا ابتر ہوا قریب شام وہ سیاہی موقوف
ہوئی خورشید نے رُخِ انور دکھایا اپنا بیگانہ نظر آیا جانعالم گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اہل لشکر نے رہائی
از سر نو زندگی پائی جانعالم خیمہ سے نکل نادم و خجل پیر مرد کی خدمت میں حاضر ہوا سب نے دیکھا
دور حصار میں ایک رنڈی اسّی نوّے برس کا سن ضعف کا زور شور بڑھاپے کے دن قد کمان



مرنے پر لٹیں آنکھیں تو وہ طوفان جسم کا ہر ہٹّا دریۂ ژولیدگی گھنی ہوئی رگیں صاف نظر آتی تھیں ہڈیاں
پسلیاں بوسیدہ جلد کے باہر سے گنی جاتی تھیں درج دہاں بے در دنداں حقۂ خالی کی طرح وا داڑھ
دانت کے نام سے منہ خاک نہیں بھاڑ سا کھلا نیلے نیلے مسوڑے سڑے تالو لوہے کا توا جیب جھلسی
چھالے پڑے بابا ہاتھ سا کھو کا ڈالا اور دہنا برگد کا ٹہنا قد کا ڈنڈل زالا عوج بن عنق کی خالہ
ٹانگ ہر ایک تاڑ سے بڑی کھڑی ہو تو سقف بےستون کی آڑ وا ڑہ ہو گنبد چرخ کی پاڑ ہو پھیلا ئے
پڑی تھی گویا پھورا کے محل کی کڑی تھی سینۂ پر کینہ تنگ چھاتیوں کے تکلے تکلے کی طرح
سیدھے لٹکتے پیٹ کے لپیٹ کی انتہا نہیں بے خاک گور کبھی بھرا نہیں دل پہاڑ کی
سل سے سخت تر گردہ توپ کا ہمسر ہڈی سے گوشت گوشت سے کھال جدا پیر زال فرہاد کش
بڑھیا چہرے کا یہ رنگ کہ سلہٹ کے سپر کا اس کے روبرو منہ سفید ہو جائے شب فرقت کی سیاہی

ہیں کالی بلا سی نظر آئی کوبڑ کا وہ ڈھنگ کہ سب کہتے تھے بیچا ہے لڑکوں کو کاٹ نہ کھائے ماتھے
پر سیندور کا ٹیکہ دُور سے نظر پڑا اور سفید چونڈا چنور کی طرح لٹکتا سیاہی کا دھبہ بجز تیرہ بختی کہیں
نہ دیکھا ایسے سر کی مانگ میں بھی مانگ جانچ سیندور بھرا بالوں میں ناریل کا تیل بھٹے بھٹے دیدوں میں
ندیدوں کی طرح کاجل ریل پیل گہنے کے عوض سانپ بچھو لپیٹے کھوپڑی اور ہڈیوں کے ہار گلے میں
پڑے سحر کا سنگار کئے لیشت بہ بہشت روئے بخس سوئے جہنم چت پڑی تھی شہزادہ پیر مرد کو ساتھ
لیکر محل سرا کے خیمہ میں آیا شہزادیوں نے جان پائی جلیسوں کے منہ پر رونق آئی خواصوں نے
شکر جناب باری کیا ماما اصیلوں نے پیر مرد کے قدم پر گر کر عرض کیا مصرع اے آمدنت باعث آبادی ما
اُس بزرگ نے فرمایا ابھی اس معرکے سے نجات نہیں ہوئی آفت عظیم کا سامنا باقی ہے جانعالم نے
پوچھا قبلہ وہ کیا ہے اُس نے فرمایا اس کا باپ شہنشاہ جادوان ہے کوئی دم میں ضرور آئے گا بکھیڑا مچائیگا
ملکہ مہر نگار مضطرب ہوئی پیر مرد نے فرمایا اللہ یار ہے وہ کیا نابکار ہے مصرع دشمن اگر قولیست نگہبان قوی
تراست ؛ یہ کہہ کے دو ماش چپ و راست پھینکے دو جانور نئی صورت کے پیدا ہوئے ہرن کے چہرے طاؤس
کے دھڑ یاقوت کے سینگ الماس کی آنکھیں زمرد کے پر اور دو ٹھیکریوں پر کچھ لکھ کے اُنکے سامنے
رکھا وہ ہر ایک چونچ میں اُٹھا اُڑ گیا وہ رات بھی بیم و ہراس میں گذری جسوقت ساحر شب بیدار عامل
صبح کی آمد کے دبدبے سے بھاگا ہوا تند چلی برق چمکی رعد کی آواز ہوئی اہل لشکر ڈر گئے مثل مشہور
ہے مارگزیدہ از ریسمان پیچیدہ می ترسد پیر مرد کے گرد جمع ہوئے کہ ایک سمت سے غول کے غول غٹ
کے غٹ جادوگروں کے جھٹ پٹ باز جرے باشے بھجنگے پہ ننگے دھڑنگے سوار قطار قطار آئے میدان
میں مرشد کامل نے اُن کا پرا جمایا دوسری جانب سے جادوگرنیاں طاؤس اور ناگنوں پر سوار آتشبازی کے
حقے اڑاتی ناریل اچھالتی اکتارے چھیڑتے بادلے کی جھنڈیاں کھلی ہوا سے اُڑتی ہوئیں آسیبیں چھیڑ چھاڑ
سحر آزمائیاں ہاتھوں کی صفائیاں ہوتی لڑائی کے عزم پر سر کرتی موجود ہوئیں اُسی پرے کے
مقابل ٹھہریں اُنہیں دیکھ کر جانعالم کا جی کلبلایا فوج کے سرداروں کو بلایا اور فرمایا گو آج دغدغہ
کامل ہے مگر یہ جلسہ اور معرکہ دیکھنے کے قابل ہے زندگی ہے تو ایسا روز کبھی کا ہے کو نظر سے
گذریگا وگرنہ مرگ انبوہ جشن دارد ہماری فوج بھی جھمک دمک سے صف آرا ہو اسباب نیا سب نکالو
یہ خبر سنکر پہلے جلدار نکلے پست و بلند زمین ہموار کر کنکر پتھر چن کر جھاڑی جھنڈی کاٹ ڈالی

چادر بچھاڑی ہوئی زمین صاف برابر نکالی پلٹنوں کی خاطر مورچے درست کیے توپوں کے لیے دمدمے
نکال باندھے جھانکی لگائی کہیں سرنگ کا پوشیدہ رنگ جمایا باروت کو بچھایا میدان جنگی بنایا پھر سقّے
آبپاشی کر گئے توپخانے والے بالچوں میں پانی بھر گئے فوج کی آمد ہوئی صفِ کارزار آراستہ ہونے لگی
راست و چپ پانچ پانچ سو ہاتھی مست پٹے سونڈوں میں چڑھے ایک ایک پہلوان قوی ہیکل زرہ پوش
گرزگراں بردوش اُن پر سوار پھر پلٹنیں اور توپخانہ آیا قرینے سے جمایا گیا توپ فلک شکوہ سورج
جھنکارہ اور نانک متی کے بیٹے کی گردن گردان پر چوٹ کرنے والی مدد کو ہوٹ کوسوں کی چوٹ کی
اور وہ غبالے جس کا گولہ قصرِ چرخ میں اُتارے پھر سواروں کے پرے میں میمنہ و میسرہ قلب و جناح
ساقہ و کمینگاہ درست کر دیا آگے ہراول پیچھے سواروں کے پیدل فوجوں کے دل نقیب
چار سو سے نکلے کلے سے کلہ کنوتی سے کنوتی پٹھے سے پٹھا دُم سے دُم سُم سے سُم ملا دیا
نشان برداروں نے علم سبز و سُرخ درافشاں کو جلوہ دیا ہر علم ماہی پرچم کی چمک چشم دلاوران
میں بادۂ جرأت کا کام کر گئی نامردوں کو ہول ہوئی بھاگنے کی فکر پڑی پیٹ میں کھلبلی مچی کتنوں کی چلتے
چلتے جان گئی دریائے فوج ظفر موج موج زن تھا حشر کا میدان رن تھا غُش کوس حربی صدائے
نقارخانہ جنگی چرخ پر برج ثور تک زیرِ زمین گاو ثری کو پہونچی اور صدمۂ دمامہ تند مہیب آوازِ دہل گوش
فریب سے کرۂ ارض و سما دہل گیا اور قرنائے چینی کے غلغلے سے صور کی ہمدمی کا دم بھرا اِذَا زُلزِلَتِ
الارضُ زِلزالَهَا کا وقت قریب آیا جانِ عالم بھی بصد حشم اسپ پری پیکر پر جلوہ گر ہوا چترِ زرنگار
بالائے سر تاجِ شہریاری کج رکھ کر شمشیر برق دم زیبِ کمر فولادی سپر لپٹ پر بائیں ہاتھ میں مرکب کی عنان
دہنے میں نیزۂ اژدہا پیکر دو زبان فتح و نصرت جلو میں اقبال یاور تک و دو میں ہمت و غیرت دست بستہ
بہم جرأت زیرِ قدم قدم بوس زمین میں کمان کیانی چہرے پر رعب و جلال کشورستانی سمندِ صبا
دم کو گرم عنان کر کے پرے کے برابر باگ لی چاؤش طرار خبردار باش [illegible] مریخ سا خنجر گذار
بالائے چرخ الامان پکارا کرڑکیتوں نے کڑکا شروع کیا نقیبوں نے نہیب دی دلاورو آج
عرصۂ جنگ و جگہ نام و ننگ کی ہے دنیا میں زندگی چار دن ہے لڑنے بھڑنے کا نوجوانی ہی سن
ہے کسی کو بقا بجز ذاتِ خدا نہیں ہمیشہ دنیا میں کوئی رہا نہیں ع رستم رہا زمیں پہ نہ بہرام رہ
گیا ؛ مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا ؛ اس صدا سے جو سدا کے بہادر صاحبِ جرأت تھے

اُن کا دریائے شجاعت سینے میں موجزن ہوا مونچھیں کھڑی آنکھیں سُرخ چہرے بشاش ہو گئے تم
لبِ ان شیر دلیر قبضہ ہائے شمشیر دیکھنے لگے اور چُست و چالاک ہو کر مستعدِ کارزار ہے جانفشانی کو تیار
ہوئے ہر دم باہم یہ اختلاط تھا دیکھیں آج تلوار کس کی خوب کاٹتی ہے کس کس کا لہو چاٹتی ہے پہلے نیزہ
کس کا سینۂ عدو پر چلتا ہے نیزے کی تان پر کون چھاتی تانتا ہے لوہا کون مانتا ہے کس کے تیر کے
نشانہ سے خون کا فوارہ اچھلتا ہے آبِ پیکاں دشمن کے حلق میں کون اُتارتا ہے سر پیکاں کس کا
طالب سوفارہ سرخرو ہوتا ہے کسکو کون للکار کر ڈانٹ کر مارتا ہے دوا کو کون پکارتا ہے عرصۂ کارزار
میں حق نمک شاہزادہ ادا کیجیے دشمنوں کا لہو پیجیے جب بگڑے تو وہ کام بنے جس سے رستم کی گور
ٹھٹر آئے سام نریمان کا رنگ فق ہو جائے کوہ کو پرکاہ کی طرح اکھاڑ دے دیو اگر سامنے آ جائے تو
پچھاڑ دیئے رئیں قدردان سر میدان سرگرم نظارہ ہے دیکھیے کون کام کا ہے کون ناکارہ ہے
کس کے ہاتھ کھیت رہتا ہے کون کون کھیت رہتا ہے من چلا پن کر لو زرہ سُرخ و سفید سپر بھر لو
آج ہی تو آن بان ہے یہی گو یہی میدان ہے دہل گنڈوں کا لاحول ولا یہ ڈول ہوا کہ ہول سے چہرے
زرد لب پہ آہ سرد منہ پر ہوائیاں اُڑتی تھیں ہر بار بھاگنے کو باگیں مُڑتی تھیں کھڑے ہوئے اپنے
منہ نوچنے تھے پیٹ پکڑے پھرتے تھے دست پر دست چلے آتے تھے ڈر کے مارے بے مارے
موئے جاتے تھے کوئی کہتا تھا میاں جان ہے تو جہان ہے نوکری نہ ملے گی بھیک مانگ کھائیں گے
جائیں کہاں پائیں گے حرمت گئی تو گئی جان تو رہے گی لہو کی ندی تو بدن سے نہ بہیگی یہی نا کوئی نامرد
کہیگا آبرو جائے گی جی تو رہیگا یہاں کی پگڑی اور کہیں بنا لیں گے تیر تلوار کی گولی بچا کر گالیاں
کھالیں گے لڑنے کو سپاہیوں نے کمریں باندھی ہیں کو سنے کو ہم موجود ہیں کوسوں بھاگنے کو آندھی
ہیں چونکیں لگانے میں ہمارے ماں باپ بھنگ پلاتے تھے معجون کھلاتے تھے کسی کی فصد کھلی دیکھ
کر ہمیں غش آتے تھے ہم تو دوست ہو یا دشمن دونوں کی خیر مانگنے والے ہیں سب سے پہلے
معرکے سے بھاگنے والے ہیں ہمیشہ گالی گلوج کو خانہ جنگی دھول دھپے کو میدان داری سمجھے
لڑائی بھڑائی سے کبھی بھڑکے نہ نکلے تمام عمر بدن میں سوئی نہ گڑنے دی گالیاں کھا کھا کے
زندگی بسر کی بےعزتی کا بھلا ہو جس نے آج تک جان سلامت رکھی اس پر بھی قسمت نے یہ دن دکھایا
خدا نے ہمیں ہیجڑا کیوں نہ بنایا فوج میں اسطرح کی کھلبل ہل چل مچی تھی اُدھر انجمن آرا اور مہر نگار نے

چادر بھی اونچا ٹیکرا تجویز کر کے خیمہ بپا کیا چلمن چھوڑ آ بیٹھیں سیر دیکھنے لگیں اس عرصے میں لشکر غنیم کی آمد
ہوئی یعنی شہپال جادوگر نو لاکھ ساحر ہمراہ رکاب شکست انتساب لیکر تخت پر سوار چالیس اژدر خونخوار
تخت اٹھائے بڑے کر و فر سے آیا فوج بے قیاس وہ خدا ناشناس لایا اور سامنے جوانان تہمتن و گردان
صف شکن کے اپنا پرا جمایا پھر علم کالے آگے نکالے اور پرچم سیاہ ہم صورت بخت اس گمراہ کے کھلے دف
و جھانجھ بجنے لگے ادھر کوس کور گرجنے لگے وزیر اس کا پیام پیر مرد کے پاس لایا دست ادب باندھ
کر عرض کی ایلچی کا زوال نہیں زیادہ گوئی کی مجال نہیں شہپال نے فرمایا تمہارا مرنا جینا برابر ہے
کہ گرم و سرد زمانہ دیکھ کر عمر طبعی کو پہونچے مگر ان نوجوانوں پر رحم نہ کیا ان کے خون کا حساب اپنی
اعمال کی کتاب پر لکھوایا بوجھ اپنے ذمہ لیا پیر مرد نے جواب دیا اے اس اجل رسیدہ پیر نابالغ
سے کہنا طرفین سے جس کا خون زمین پر گریگا اس کا مظلمہ مواخذہ تیری بیٹی جو فاحشہ تھی اس کی
گردن پر ہوگا ہم سمجھے تھے وہی ننگ خاندان تھی لیکن اب معلوم ہوا ایسوں کے ویسے ہی ہوتے ہیں -
تجھے سفید داڑھی کی شرم نہ آئی کہ وہ مری تیرا کلنک کا ٹیکہ مٹا تو تو اس سے بھی زیادہ بے حیا، سیہ
قلب نکلا یہ مقام رزم ہے جائے نیزہ و شمشیر یا بزم ہے جو محل تقریر ہو گفتگو بے فائدہ ہے لاطائل
باتوں سے کیا حاصل جو منظور ہو بسم اللہ اسمیں دیر نہ کرو دیکھیں آج کس کے حصے میں تخت و تاج ہوتا ہے
اور گور و کفن کو کون محتاج ہوتا ہے وزیر محجوب پھرا شہپال سے سب حال کہا پھر تو وہ کافر غدار گبر
ناہنجار مثل مار دم بریدہ بر خود پیچیدہ ہو شعلہ غضب سے وہ ناری جل گیا چہرے کا رنگ گرگٹ
کی طرح بدلگیا پہلے تو آپ خفہ آتشی پیر مرد پر مارا پھر لشکر کے سرداروں کو للکارا دوپہر تک عجیب
غریب سحر سازی ہنگامہ پردازی جادوگر اور جادوگرنیوں کی لڑائی رہی کہ دیکھی نہ سنی کسی
نے کسی کو جلایا کسی نے بجھایا کسی سنگدل نے پتھر برسائے سب کچھ سحر کے رنگ دکھائے
آخر کار جب جادوگری ختم ہوئی لڑائی کی نوبت بگرز و شمشیر و نیزہ و تبر آئی پھر تو شہزادہ جان عالم
کی بن آئی باگ اٹھائی فوج جرار غازیان نامدار خبردار ہوئے سپاہ مانند ابر چہار سمت گھر آئی
برق شمشیر چمکی پہلوانوں کے نعرے نے رعد کا کام کیا خوب لوہا برسایا سب تازہ دم وہ دوپہر
کے شل سنگڑوں ٹاپوں میں کچل گئے گھوڑوں کی جھپٹ میں کھندل گئے شمشیر صاعقہ خصال
جان عالم کا یہ حال تھا جس کے سر پہ پڑی سر اس خود سر کا کاٹا حلق میں قطرۂ سیماب کیطرح اتر سینہ

تیر کینہ کا ہو چاٹا وہی سر جو پناہ خود میں تھا پلک جھپکی تو گود میں تھا پھر گھوڑے کے تنگ سے چست تھی
گذر زخم کشادہ کرغانہ زمین سے زمین میں قرار لیا سر بالین اس کی قضا کو روتے دیکھا اسے خواب
مرگ میں پاؤں پھیلاتے سوتے دیکھا جس پر لپک کر ایک وار کیا دو کیا دو کو چار کیا حواس خمسہ
کسی کے درست نہ تھے ششدر رہ گئے ساتوں زمین کے طبقے تھرائے آسمان کو چکر ہوا مردے
قبروں سے چونک کر باہر نکل آئے جو لپکا اسے مار لیا بھاگتے کا پیچھا نہ کیا گھڑی بھر میں خون
کا دریا بہہ گیا لاشوں کا انبار رہ گیا کاسہ سر حباب دریا کی طرح بہتے نظر آتے تھے موج خون میں دھڑ
دھڑا ادھر غوطے کھاتے تھے دشمنوں کی کشتی زیست طوفانی تھی آب تیغ کی طغیانی تھی فوج عدو
کا زندگی سے دل سیر اب اور اچاٹ تھا لہولہان ہر نلوار کا گھاٹ تھا کوسوں تک لاشے پٹے تھے
یہ پاٹ تھا آخرکار فوج کو شکست ہوئی شہپال مارا گیا سر اس خود سر کا مثل خیارہ اتارا گیا باقی ماندہ
اس تیرہ بخت نگونسار کی فرار ہوئی زندگی دشوار ہوئی پھر تو غازیان فتح نصیب اور جادوگران مہیب
لوٹ پر ٹوٹ پڑے سب کچھ لوٹا ساز و سامان انکا ذرا نہ چھوٹا اس نشان کھلے شادیانے بجے وہ سب

تصویر معرکہ لڑائی شہپال کا مارا جانا اور تصویر بن جادوگروں کی ہیبت ناک



چادر پھراتے ماتم کرتے گریبان چاک سر و رو آغشتہ بخاک دم سرد بھرتے جسکا منہ جدھر اٹھا بھاگ نکلے میدان کشتوں سے اٹ گیا دشت لاشوں سے پٹ گیا آج تک طعمۂ زاغ زغن اُسی بن سے ہی صحرائی درندوں کے خوب پیٹ بھرے بلکہ جانوروں کی دعوتوں کو گوشت کے پچے قیمے کئے اُٹھار کھے بہت ہیضہ کر کر مرے وہ سرزمین قلعہ خزانہ جانعالم کے قبضے میں آیا بڑی جستجو و تگاپو سے وہ لوح اور نقش پایا پیر مرد رخصت ہوا اور جتنے مدارج پند و نصیحت تھے مکرر سمجھاتے راہ کا خطر مصیبت سفر ہر منزل و مقام کا نفع و ضرر کہکر کہا میری جان اب ایسی حرکت و سامان نہ کرنا جو پھر کوئی روزِ سیاہ دشمنوں کے سامنے آئے دوستوں نے دیکھا نجاتے ہمسے باغ چھڑائے لو اب اللہ حافظ و ناصر ہے رسول اُسکا اور تمہارا مددگار و یاور رہے

نزول موکب شوکت و جلال بعد فتح جادو شہپال ساحل دریائے شور پر جہاز کا آنا شہزادی کی طبیعت کا لہرانا پھر سوار ہونا اور جہاز کی تباہی باہم کی جدائی انجمن آرا کی بے سر و پائی جوگی کی ملاقات

آشنایانِ بحر تقریر و غواصانِ محیطِ تحریر شناورانِ شط الفت غریقِ لجۂ محبت نے گوہر آبدار سخن کو سلک گفتار میں منسلک کرکے زیب گوش سامعین ذی ہوش اسطرح کیا ہے کہ بعد فتح جنگ جادو شہپال اور ہاتھ آنے خزانہ مالا مال کے دو مہینے تک عساکر نصرت اثر شب و روز اُس دشت میں جلوہ افروز رہا جب پیر مرد باغ کو تشریف فرمایا ہوا جانعالم نے کوچ کیا چند مدت کے بعد ایک روز خیمہ لب دریائے شور ہوا شہزادہ معشوقان سے باہم تماشائے بحر زخار و نظارہ امواج پیچ دار اور سیر دریائے ناپیدا کنار کی پانی کا زور ہوا سے دریائے شور کا شور کیفیت لطمہ و گرداب دیکھتا تھا نظم

آب کیسا کہ بحر تھا زخار ؛ تند و مواج تیرہ و تہ دار ؛ موج کا ہر کنایہ طوفان پر ؛ مارے چشمک حباب عمان پر ؛ گذر موج جب تب دیکھا ؛ ساحل اُسکا نہ خشک لب دیکھا ؛ ناگاہ ایک جہاز پُر تکلف با نقش و نگار لب یار صبا رفتار نمودار ہوا شاہزادہ سمجھا کوئی سوداگر کہیں جاتا ہے جب قریب آیا جہاز کو لنگر کیا اور ناخدا در دولت پر شرف اندوز ہو کر عرض کرنے لگے ہم لوگ ملاح ہیں یہاں جو شاہ و شہریار رونق افروز ہوتا ہے ہم اُسے دریا کی سیر و شکار بحری جانور آبی دکھاتے ہیں موافق قدر و قسمت ہیں جو ہوتا ہے انعام پاتے ہیں یہ سنکر خواہش سیر دریا شہزادی کے سفینۂ دل میں موجزن و لطمہ پیرا ہوئی ملکہ سے کہا چلتی ہو اُسنے عرض کی ہنوز گرداب

غم تلاطم اندوہ والم سے ساحل فرحت وطرب کی ہمکناری میسّر نہیں ہوئی آپکو اور لہر آئی ہناؤ ھکوسلا سُوجھا جانعالم نے کہا دریا کی سیر جی کو مسرور کرتی ہے خفقان دور کرتی ہے طبیعت بہل جاتی ہی کیفیت نظر آتی ہے تم نے سُنا نہیں قول سعدی ؏ بدریا در منافع بیشمار است :: دو چار گھڑی دل بہلا کر چلے آئینگے ملاح محروم نہ رہجائیں گے ملکہ مہر نگار نے متردد ہو کر کہا یہ سب سچ ہے جو کچھ آپ نے فرمایا خفقان کیسا تمہارے دشمنوں کو مراق مالیخولیا ہے میں نے بارہا انجمن آرا سے کہا ہے سو یہ مرض لادوا ہے پانی سے دونا ہوتا ہے اس کے سوا میرے دماغ میں بھی کیا خلل ہے میرا دوسرے مصرعہ پر عمل ہے سعدی ؎ اگر خواہی سلامت برکنار است :: شہزادے نے کہا خیر ہم تو سڑی ہیں تنہا جائیں گے تم نہ چلو بیٹھی رہو آرام کرو جُدائی کی تاب محبّت کے مبتلا کو کہاں ہے الفت کا یہی بڑا امتحان ہے چار ناچار اُسی دم ملکہ مہر نگار اُٹھی اور انجمن آرا مع چند خواصوں ہمراہ ہوئی جہاز پر پہونچے بادبان کھنچے بالیں چڑھیں لنگر اُٹھا مہر نگار مضطربوار یہ شعر پڑھنے لگی حافظ ؎ درین دریاے بے پایاں درین طوفان موج افزا :: دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسیہا :: لوگ مصروف تماشا بلکہ غریق بحر تفکر غوطہ زن گرداب تحیر لطمۂ اندوہ والم کی آشنا بار بار انجمن آرا سے کہتی تھی خدا خیر کرے دشمن نہ ایسی سیر کرے بے طور موج الم سر سے گذرتی ہے خود بخود پانی دیکھ کر جان ڈرتی ہے اللہ حافظ و نگہبان ہے سر سر سامان بد نظر آتے ہیں، کلیجہ خوف سے لرزاں ہے القصہ چار گھڑی جہاز نے بادمراد پانی سیر دکھائی پھر آفت آئی ناخدا چلایا ملاح ہراساں ہوئے شہزادے نے پوچھا کیا ہے عرض کی کہ طوفان عظیم الشان اُٹھا ہے ابھی یہ ذکر تھا کہ ہوا عالمگیر ہوئی جہاز تباہی میں آیا بادبان ٹوٹ گئے مستول گرا ملاحونکے چھکے چھوٹ گئے سنبھالنے کا

تصویر دریا مع جہاز اور دونوں ملکہ کی مع خواصونکے اور جہاز کا ڈوبنا



مقدور نہیں رہا آخرش تلاطم آب صدمہ پیچ وتاب موج سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا کسی کو کسی کی خبر نہ ملی کون ڈوب گیا کون جیتا رہا ایک سے دوسرا جدا ہو گیا جانعالم تختے کے سہارے سے ڈوبتا تیرتا چار دن میں کنارے لگا جب تکان پانی کی موقوف ہوئی غش سے آنکھ کھلی دیکھا کنارے کیا ہوں بلکہ گور کنارے لگ رہا ہوں بڑی جد وکد سے اترا آہستہ آہستہ بیٹھتا اٹھتا ایک طرف چلا ایک بستی میں پہونچا وہاں کے باشندے اُسکا چہرہ اور جمال اور یہ خراب حال دیکھ کر بہت گھبرائے قریب آئے کوئی بولا یہ پریزاد ہے مثل سرو آزاد ہے چمن حسن وخوبی کا شمشاد ہے کسی نے کہا ابھی تو دن ہے یہ از قسم جن ہے غرض کہ جن جن نے اُسے جن کہا تھا پاس آ کچھ خوف سا کھا اس طرح بولے اُستاد کون ہو کیا ہو سچ کہو حور ہو یا پری ہو تم، جانعالم نے دم سرد دل اندوہگیں سے بھر چشم تر کر اُن لوگوں سے کہا لا اعلم

حالے دارم چناں کہ دشمن خواہد	جانے دارم کہ فرقت تن خواہد
ناکامی خویش را اگر شرح دہم	دشمن بخدا زندگی من خواہد

ایہا الناس میں گم کردہ کاروان جرس کی طرح نالاں ہوں دل گرفتہ نقش پائے یاران رفتہ ہوں حمق میں گرفتار ہوں بچھڑوں کا طالب دیدار ہوں غریب دیار بیتاب آب ودانہ نصیب ہوا نہ آب مفارقت یاران چند سے خستہ وخراب حیران ہوش وحواس یکلخت زائل ضعف سد راہ ناطاقتی حائل یاروں کی صورت نظر آئی نہیں دیدۂ دیدار طلب میں بینائی نہیں نہ تاب رفتار نہ طاقت گفتار **مؤلف**

بسان نقش پا بیٹھے جہاں واں سے نہ پھر سرکے	ٹھکانہ پوچھتے ہو کیا بھلا ہم بے ٹھکانوں کا
بیاد دوستاں پہروں مجھے ہچکی لگ آتی ہے	کہیں مذکور جب ہوتا ہے کچھ گذرے فسانوں کا
علم سے آہ کے ثابت ہوئی غم کی ظفر ہم کو	کہ باعث فتح کا ہوتا ہے کھل جانا نشانوں کا
چھڑا دے جبر سے پیر فلک نے دوست سب میرے	مٹے گا داغ کب دل سے میرے اُن نوجوانوں کا
شرر منہ سے نکلتے ہیں سرور دل حزیں ہر دم	بھلا دیوان ہو کیونکر جمع ہم آتش بیانوں کا

اس حکایت جانسوز شکایت چرخ بیمہر غم اندوز سے سب رونے لگے کہا یہ شہزادہ عالی تبار ہے الاول از دست دادہ محبوبوں سے دور فتادہ اس سبب سے دل افگار ہے منت وسماجت سے مکان پر لیگئے ہاتھ منہ دھلوایا کھانا پانی حاضر کیا جانعالم آب طعام دیکھکر رو دیا یہ کہا اُستاد

ہو خاک بھوک کی اُس فاقہ مست کو پھر بھا نچھ	جو اپنا خون جگر روز ناشتہ سمجھے

خدا جانے میرے بچھڑوں کا کیا حال ہوا کسی کو دانہ پانی میسر آیا یا کچھ نہیں پایا میں بھی نہ کھاؤں گا بھوکا پیاسا مر جاؤنگا وہ بولے حضرت سلامت کھانے پانی سے انکار نادانی ہے اسی سے بشر کی زندگانی ہے جو جیتے ہو تو کسی روز بچھڑوں سے مل جاؤ گے وگرنہ غربت کے مر جانے میں گور و کفن بھی نہ پاؤ گے ناچار سب کے سمجھانے سے دو ایک نوالے بجبر حلق سے اتارے پانی پیا ہاتھ پاؤں سنسنائے پیہم غش آئے جب طبیعت ٹھہری حال سب اپنا اس جہاز کی تباہی اپنا ہمرازں کی جدائی اپنا ڈوبنا اُچھلنے وہاں تک آنا اور اونکا پتہ نہ پانا بیاں کر کے بقول مرزا محسن صاحب کہا

همرهاں رفتند و ما ماندیم و وزداں در کمین
خانہ ملاح در چین است و کشتی در فرنگ

سب تاسف کرنے لگے ایک شخص نے کہا یہاں سے دو منزل ایک پہاڑ ہے کوہ مطلب بر آر نام ہے اُس پر جوگی کا مقام ہے مرد با کمال ہے شیریں مقال ہزاروں کوس سے حاجت مند اُنکے پاس جاتے ہیں سب کے مطلب بر آتے ہیں بلکہ اُس پر عنایت باری ہے چشمہ فیض اُس سے جاری ہے مشہور ہے کہ آجتک کوئی شخص محروم کام اُس مقام سے نہیں پھرا یہ مژدہ سنکر چہرے پر بشاشت چھا گئی گئی ہوئی جان اُسی آن بدن میں آ گئی گھبرا کر یہ شعر پڑھا

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

اُسیدم چلنے کا عزم کیا وہ لوگ مانع ہوئے کہا ابھی جانیکی طاقت آپ میں آئی نہیں پاؤں میں راہ چلنے کی تاب و توانائی نہیں دو چار روز یہاں آرام کرو قوت آجائے تو مختار ہو غرضکہ جانعالم نے اُن لوگوں کے سمجھانے سے وہاں مقام کیا عجب پریشانی میں صبح کو شام کیا گروہ سب حلقہ زن یہ بہ اندوہ معشوقاں گرفتار رنج و محن کبھی تو محزون چپ رہتا گاہ مثل مجنوں خود بخود بکنے لگتا اور جب حواس خمسہ درست ہوتے یہ خمسہ پڑھتا

ہر سو خبر اُلفت کہ کیا آپ سے پہونچائی
آگے بھی مرے لب پہ فریاد کبھی آئی
کیوں مجھ سے بگڑتا ہے او کافر ترسائی
تا داشت دلم طاقت بودم بہ شکیبائی
چوں کار بجاں آمد زیں پس من و رسوائی

گاہے مرے لب پر ہے فریاد گہے افغاں
پیارے غم دوری سے میں سخت ہوں بنالاں
یہ جائے ترحم ہے کر رحم ذرا جاناں
در زاویۂ الفت دور از تو چو مہجوراں
تنہا منم و آہے آہ از غم تنہائی

ہے دن کو تو یہ عالم ظالم ترے مجنوں پہ
ہیں گرد کھڑے لڑکے جھولی میں بھرے پتھر
سونے کی کسے فرصت اے یار اسے باور کر
شبہا منم و اشک و زخوں ہمہ بالیں تر

عشق ایں ہنرم فرمود از عیب نہ فرمائی

اعضا شکنی گاہے گہ درد جگر دیکھو — رومال بھگوتا ہوں لاکھوں ہی کبھی رو رو
گردن زدنی ہوں میں شکوہ کروں تیرا گو — صد رنج ہمی بینم اے راحتِ جاں از تو

از دیدہ تواں دیدن چیزیکہ تو بنمائی

تھا تاب و تحمل میں یکتا جگرِ خسرو — آگے تو نہ بہتے تھے یہ سلک گہر خسرو
تم اب تو نوازش تو چل کر خبرِ خسرو — بس در کہ ہمی ریزد از چشم تر خسرو

کز دست بروں رفتہ سر رشتۂ دانائی

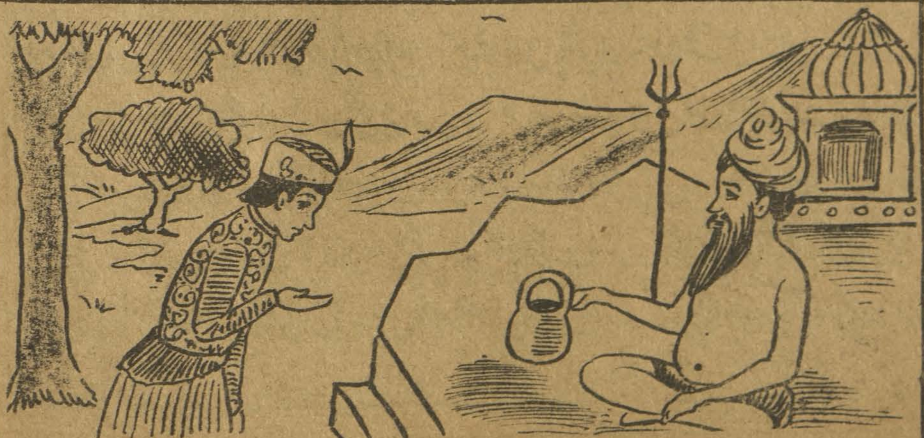
آخرش وہ رات کی رات بہزار عقوبات تڑپ تڑپ کر سحر کی نماز صبح کے بعد پہاڑ کی راہ لی چار دن میں وہ راہ طے کی پہاڑ پر پہونچا سنگ سفید کا پہاڑ بہت آبدار مانند ہمت جوان صاف باطن سربلند اور مثال طبع سخنوراں فرح افزا و دلپسند درہائے فراخ کشادہ روش جوش نباتات وریاحین و لالہ سے اور خروش مرغان خوش الحان سے رشکِ صد گلشن چشمہ ہائے سرد و شیریں جا بجا فرہاد کی روح کا ٹھیکہ ہر قسم کا میوہ دار درخت قدرت حق سے اُگا پھولا پھلا پتھر ہر ایک معدن لعل پرند چرند صاحبِ حُسن و جمال یہ سیر دیکھتا چلا ایک طرف درخت گنجان گھنے پختہ مزار بیدار دلوں کے بنے اور مندھ ھی کا گنبد گردون بیسوں کا جواب بنا ترسول گڑا کھاروے کی جھنڈی پھر پھر اُڑتی کلمۂ شہادت بخط جلی لکھا جب اُسکے نزدیک آیا دُور دُور تک مکان صاف صحن شفاف پایا مٹھ کے روبرو درخت کے تلے چبوترہ کے اوپر ایک جوگی سوا سو برس کا سن و سال مگر مانٹھا کمال داڑھی ناف سے بڑی گرہ لگی جٹا ہر ایک راکھ سے بھری قدمبوس ہو رہی پاؤں پر پڑی پلکیں دیدۂ حق بیں کا اسرار چھپانیکو چشم حاسد سے گزند بچانیکو مونچھوں کے ملیں جسم میں موج دریا کی طرح جھریاں پڑیں کمر میں کردھنی موٹی سی پہنیں بانکی عجب آن بان کی کھاروے کا لنگوٹ ستر عورت کی آڑ کے لئے میں محمودی کی کفنی حقہ چنگانی منہ سے لگائے افیونی کی شکل بنائے شیر کی کھال بچھائے بہت بھبوت ملے زبدۂ عبّاد بظاہر آنکھیں بند مگر دیدۂ دل کھُلا خموشی پسند دل بولتا نہ سوتا نہ جاگتا آسن مارے دنیا سے کنارے بیٹھا پیٹ پیٹھ سے لگا تیر سا قد راست مثل کمان خمیدہ گویا چلہ کھینچ چکا ہے زنار سا نگین عیاں کھال سے ہڈیوں کے جوڑ شمع فانوس نمط نمایاں تسبیح سلیمانی ایمان کی نشانی ہاتھ میں ہر بھجو ہر بھجو تکیہ کلام بات بات میں قشقہ ٹیکا ماتھے پر ہندوؤں کا سا اور سجدے کا گھٹا بدر کمال کی صورت چمکتا زرد مٹی بدن میں ذکر حق دل و دہن میں کہیں مصلے پر سبحہ و

سجدہ گاہ رکھی کپڑے کی جانماز بھی کسی جا پوتھی کھلی دھوتی رمی دونوں سے راہ رکھی عجب رنگ کا انسان خلاصہ یہ کہ ہندو نہ مسلمان بقول مرزا سودا

کس کی ملت میں گنوں آپکو بتلا اے شیخ	تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجھ کو

ایک طرف تکئے ہیں دو چار کیاریاں بیلے چنبیلی کی بہار رنگ کاریاں کہیں مرشدوں کے ڈھیر گرد کی چھتری بزرگونکے مزاروں پر مولسری درخت سایہ دار قطار قطار درختونکی ٹہنیوں میں پنجرے لٹکتے باہم بحث کرتے اٹکتے فاختہ کی کوکو قمری کی حق سرہ کو کلمہ کا دم سناٹے کا عالم کہیں مرگ چھالا بچھا شیر جو گی دیتا دھونی لگی لکڑ سلگتا کسی جا ببر کی کھال کا بستر آہوئے صحرائی اُس پر بیٹھا او دواسا تو بنا بنمیتا دھر ایک سمت بھوانی کا مٹھ تلسی کا پیڑ ہرا بھرا گرد چشمہ پانی کا بھرا جائے دلچسپ مکان رعب دار گل خودرو کی جا بجا بہار ایک طرف بھنڈار جاری کڑھا چڑھا موہن بھوگ ملتا کہیں پلاؤ قلیے کی تیاری چھانڈ بٹ رہا تھا کچھ مہنت بالکے کچھ مرید حال قال کے کوئی چلے میں بیٹھا کوئی دنیا سے ہاتھ اُٹھائے کھڑا کسی کے خرقہ و تاج ہیں کوئی چوا گن ہیں کہیں کتھا ہوتی کوئی وعظ کہہ رہا ایک طرف کھنجری بجتی طنبورا چھڑتا بھجن ہوتے ایک سمت حلقہ مراقبے کا بندھا نوحہ پڑھتے لوگ روتے عجیب وہ گروہ مرشد غریب یہ مرید چیلے روز ایک دو کو مونڈتا تیسرے چوتھے دن عرس میلے حاصل کلام یہ کہ وہ عجیب جلسہ تھا کہ دیکھا نہ سنا یہ اجتماع نقیضین آرام نہ چین سے شہزادے کے پاؤنکی آہٹ جو پائی مرد آگاہ دل روشن ضمیر نے پلک ہاتھ سے اُٹھائی آنکھ ملائی دیدے لال لال چہرے پر رعب و جلال جانعالم کو بغور دیکھا اُسنے جھک کر مودب سلام کیا اُس خوش تقریر شیریں مقال نے کہا بھلا ہو بچہ بڑی مصیبت فلک نے دکھائی جو یہ صورت

تصویر پہاڑ اور مٹھ اور بھنڈارہ جوگی مع ترشول وغیرہ اور جان عالم کی



یہاں تک آئی بیٹھو گرو بھلا کرے مُرشد کی دعا سے حق حاجت روا کرے ہم تمہارے امانت دار ہیں سواری کھڑی ہے چلنے کو تیار ہیں جانعالم متعجب ہو رہا تھا اور زیادہ حیران ہوا کہ یہ کیا اسرار ہے پاس جا بیٹھا۔ جوگی اٹھا خیمہ میں نہایا گیروا چادر پھینک سفید اوڑھ عطر لگا جانعالم کے نزدیک آ با نکتہ زبان پر لایا بابا ایک دن ذوق وشوق کے عالم میں ہمارے مرشد گرو نے تیرے حال سے خبر دی تھی کہ ایک شہزادہ کا جہاں تباہ ہو جائیگا وہ بسراغ مطلب یہاں آئیگا اس کا کام تجھ سے اور تیرا کام اُسکے سامنے پورا ہو جائیگا اس بات کے سُننے سے شہزادے کو نہایت مسرت ہوئی کہا جوگی جی تمہارے نام سے میری زندگی ہوئی وگرنہ دو چار دن میں گریبان صبر چاک ہو جاتا سر ٹپک کر ہلاک ہو جاتا خوبصورتی کا بھی عجب مزا ہے جہاں اُس کا شیدا ہے عالم کو مرغوب ہر طرحدار سب کا محبوب ہے پیر فقیر غریب امیر سب کو عزیز ہے اسکا خواہشمند ہر باتمیز ہے جوگی سمجھانے لگا کہ یہ اضطراب بیجا ہے دیر آید درست آید بابا دنیا کا یہ نقشہ ہے گاہ خوشی کبھی غم یہ دونوں امر باہم ہیں کبھی وصل کی شام کو دل کیسا بشاش ہوتا ہے کبھی ہجر کی صبح کو کلیجہ پاش پاش ہوتا ہے ایک شب لذّت ہمکناری ہے ایک دن پہلو تہی آہ وزاری ہے کبھی شب وصل کیا کیا اختلاط ہوتے ہیں گاہ فصل کے دن سر پیٹتے ہیں روتے ہیں آدمی جب رنج سے گھبرائے اور غم مفارقت دوست جان ہونٹوں پر لائے دل کو یہ تسکین دیکر سمجھائے ؎ چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند ع در پس ہر گریہ آخر خندہ الیست مصحفی

زندگی ہے تو خزاں کے بھی گذر جائینگے دن		فصل گل جیتوں کو پھر اگلے برس آئیگی

جو وصل میں راحت وآرام پاتا ہے وہی ہجر کے دُکھ قلق اُٹھاتا ہے تو نے ان دونوں بھائی جو توام پیدا ہوتے تھے اُن کا قصہ سنا نہیں کہ پہلے اُنہوں نے کیا کیا صعوبت اٹھائی پھر ایک نے سلطنت پائی دوسرے کے ہاتھ شہزادی آئی جانعالم نے کہا ارشاد ہو کیونکر ہے

قصہ برادران توام کا شکار کو جانا پھر شب کو اندھیرے میں دونوں جانوروں کا پھنس جانا انکا کھانا ایک نے سلطنت پائی دوسرے کے ہاتھ پر چڑیا آئی پھر شہزادی پاکر بھائی سے ملا

جوگی نے کہا ایک شہر میں دو بھائی تھے توام پرورش یافتہ ناز ونعم روزگار پیشہ نیک۔ اندیشہ سوائے رشتہ برادری کے سر رشتہ دوستی باہم مستحکم تھا مگر دونوں کی طبیعت متوجہ سیر وشکار ہمت مصروف سیاحی دیار دیار تھی ایک روز شکار کھیلنے جنگل میں جاتے تھے ہرن سامنے آیا چھوٹے بھائی نے

تیر لگا یا کاری نہ لگا ہرن کنوتیاں اُٹھا بھاگا دونوں نے تعاقب کیا تمام دن رواں دواں افتاں
وخیزاں چلے گئے قریب شام بڑے بھائی نے جو تیر مارا ہرن ڈگمگا کر گرا یہ گھوڑوں سے اُترے ذبح کیا دن بھر کی
دوڑ سے گھوڑے مثل خود بھی مضمحل ہو گئے تھے تمام روز کے بے دانہ و آب بھوک پیاس سے بیتاب تھے
لکڑیاں چُن کر پانی بہم پہونچایا کباب لگائے بخوبی تمام دونوں نے کھائے مگر اُس روز جو کیفیت اور
لذت خشک کباب میں پائی مرغ کی بریانی ترتراتی نے کبھی الیٰغ دکھائی تھی پانی پیتے ہی سُستی معلوم
ہوئی رات بھی ہو گئی تھی لیکن شب ماہ پُر تماشی کا چاند اللہ اللہ جنگل کی فضا سبزہ نورستہ جا بجا انہوں
نے کہا آج کی شب اس صحرا میں سحر کیجئے چاندنی کی بہار صنعت پروردگار دیکھ لیجئے پھر دل میں سوچے کہ تنہائی
کی چاندنی گور کے اندھیرے سے بدتر ہے سچ ہے جب باہر و بر ہیں اور نور نظر ہیں ہوا اندھیرا
اُجالا آنکھ میں برابر ہے شیخ ناسخ ؎

دھوپ بہتر ہے شب فرقت کی بدتر چاندنی	صاعقہ کے طور سے پڑتی ہے مجھ پر چاندنی

خیر یہ دونوں ایک درخت سایہ دار چشمے کے قریب دیکھ شطرنجی چاندنی گو ہمراہ نہ تھی زین پوش
چاندنی کی عوض بچھا چاندنی کی سیر کرنے لگے باگ ڈور سے گھوڑے اٹکا دیئے چھوٹا بھائی بڑا متین
ذی شعور نکتہ سنج دوربین تھا بڑے بھائی نے کہا آج ہم تمہاری عقل کا امتحان کرتے ہیں بتاؤ اس
وقت ہمارے شہر کا ہم سے کتنا فاصلہ ہے اور سمت کون سی ہے دوسرے کباب کی لذت پانی کا مزا
آج بہت ملا اس کا سبب کیا تھا اُس نے جواب دیا یہ باتیں سہل ہیں شہر ہمارا یہاں سے سو کوس ہے اور
دلیل یہ کہ بارہا تجربہ کیا ہے میرا گھوڑا تمام دن میں سو کوس اسی چال سے پہونچتا ہے اور سمت
ستاروں سے ثابت ہے کہ شمال ہے رہا کھانے پانی کا لطف خلاف وقت سے تھا الانیا مقدمہ یہ سُنئے یقین
کامل ہے کہ صبح کو عنایت خالق اور مدد طالع سے وہ سامان مہیا ہو جو کدورت بالکل دور ہو آئندہ آسائش رہے
طبیعت مسرور ہو بڑے بھائی نے اس کی وجہ پوچھی اُس نے کہا آج سو کوس کی مسافت بعد آفت
طے کی بھوکے پیاسے رہے لیکن دل بشاش ہے وہ سُن کے چپ ہو رہا یہ قصہ رفت و گذشت
پھر مشورہ ہوا کہ یہ ایک جنگل سنسان ہُو کا مکان ہے یہاں درندہ گزندہ سانپ بچھو شیر بھیڑیے کے
سوا پرندہ درندہ نظر نہیں آتا جو ہم تم دونوں سو رہے خدا جانے کیا ہو تین پہر رات باقی ہے ڈیڑھ
پہر ہم جاگیں پھر تم ہوشیار رہو یہ صلاح پسند خاطر فریقین ہوئی پہلے بڑے بھائی نے

آرام کیا چھوٹے لے جاگنے کا سرانجام کیا تیر کمان ہاتھ میں اُٹھا ٹہلنے لگا جب زلف لیلائے شب کمر تک آئی اُسی درخت پہ دو جانور آپس میں اپنی اپنی توصیف و تعریف زبان بے زبانی میں کرنے لگے اور یہ شخص بہت جانوروں کی بولی سمجھتا تھا آواز پہ کان لگائے ایک بولا میرے گوشت میں یہ تاثیر ہے جو کھائے ایک لعل تو پہلے دوپہر کے بعد اُگلے پھر ہر مہینے میں منہ سے نکلے دوسرا بولا جو شخص میرا گوشت کھائے اُسی روز بادشاہ ہو جائے وہ یہ باتیں سمجھ دل میں نہایت خوش ہوا تیر و کمان تو موجود تھا الا اللہ کہہ کر تیر بے تامل چلّے سے جوڑ کر کھینچا

تصویر دونوں بھائیوں کی مع گھوڑوں کے اور ہرن کے کباب پکانا اور درخت کے جانوروں پر تیر لگانا



لبِ سوفار کان کے پاس آ، بوعدۂ نشانہ سرگوشی کر کے روانہ ہوا قضا نے ہر چند اُن کے سر پر خبردار پکارا کمان کڑکڑا کر چلائی کہ وہ مارا رات کا تیر سراسری اٹکر لیس مگر مرگ جو در پے ہو گئی جان نہ بچی پیکان سے تا سوفار دوسارا ہوا زمین پر چھد کر وہ دونوں ایک تیر میں گر پڑے اُس نے تکبیر کہہ کر ذبح کیا طائر روح ان کا اُڑ گیا دن کی لکڑیاں بچی سُلگا کباب لگائے جس کے گوشت میں سلطنت کا ذائقہ سمجھا تھا اُسے خود کھایا دُوسرا بھائی کے واسطے اٹھا رکھا اور ایسا خوش ہوا کہ تمام شب آپ پاسبانی کی بڑے بھائی کو تکلیف نہ دی مگر معاملاتِ قضا و قدر سے مجبور بشر ہے

انسان کے قبضۂ قدرت میں نفع ہے نہ ضرر ہے ؏ تقدیر کند بندہ تقدیر زند خندہ ؎

اانچہ نصیب است بہم مے رسد	ورنہ ستانی بستم مے رسد

جسوقت زاغ شب نے بیضہ ہائے انجم آشیانۂ مغرب میں چھپائے اور صیادان سحر خیز دام بردوش
آئے اور سیمرغ زرین جناح طلا بال غیرت لعل قفس مشرق سے جلوہ افروز ہوا یعنی شب گذری روز ہوا
بڑا بھائی اٹھا چھوٹے نے وہ کباب پس ماندہ شب یعنی رات کے بچے ہوئے روبرو رکھے وہ نوش کر گیا
اور کچھ حال نہ کہا دو گھڑی دن چڑھے جب لعل اُگلا تب سمجھا ہم نے بہت تدبیر کی مگر سلطنت
بڑے بھائی کی قسمت میں تھی پھر وہ لعل بطریق نذر روبرو لایا اور رات کا فسانہ مفصل سب کہہ سنایا
کہا اللہ کی عنایت سے جلد آپ کو سلطنت حصول ہو یہ نذر غلام کی قبول ہو اُس کو اُس کی سعادت
مندی سے خورسندی حاصل ہوتی پھر کہا سامنے آبادی معلوم ہوتی ہم جا کر اس لعل کو کسی دلال
کے ہاتھ بیچ آئیں تم گھوڑوں کے پاس رہو اگر اپنے شہر چلکر یہ امر کریں گے حاکم کا خوف مانع کار ہے
وہاں ایسا کہاں اختیار ہے یہ کہہ کر اُدھر چلا جب دم شہر کے دروازے پہ پہونچا خلقت کا انبوہ نظر
پڑا اس ملک کا یہ معمول تھا جب وہاں کا بادشاہ دار السلطنت عدم کا تخت نشین ہوتا وضیع و شریف
شہر کے سوم کی رسم کے بعد وزیر اعظم کے ہمراہ صبحدم تخت لے دروازے پر آتے جو اُس روز پہلے
مسافر باہر سے آتا اُسے بادشاہ بناتے قضارا وہاں کا بادشاہ قضا کر گیا تھا لوگ تخت لئے منتظر
تھے یہ داخل ہوا سب نے تخت پہ بٹھا نذریں دیں نوبت و نشان جلوس کا سب سامان موجود تھا دھوم دھڑ کے
سے دیوان خاص میں داخل کیا منادی ہوئی بقول مشہور انکی رہائی دہائی نزدیک و دور ہوگئی اُس کو
سرور سلطنت اور احکام مملکت کے باعث اُس دن بھائی کا خیال نہ آیا دوسرے روز جب تخت پہ
رونق افروز ہوا بھائی یاد آیا فوراً جاسوس ہرکارے درخت کا پتہ بتا روانہ کئے کہا اس صورت کا جوان
اور گھوڑے وہاں ہیں جلد حضور میں حاضر کرو وہ سب دوپہر تک تمام جنگل کی خاک چھان حیران
و پریشان پھر آئے غرضکہ تمام دشت میں پھر کر پایا نہ گھوڑے نہ آدمی ملا نہ گھوڑے وہ کچھ
رنجیدہ ہو سلطنت کے شغل میں مشغول ہوا بھائی بیچارے کو بھولے سے بھی یاد نہ کیا مگر وہ لعل
جسے بیچنے کو لایا تھا جس کے بہانے یہ تخت و تاج میسر آیا تھا فال مبارک اور بے نشان
بھائی کی نشانی سمجھا اور ہر روز دربار میں لاتا اور ملازموں کو دکھاتا وہ سب بہ خاطر

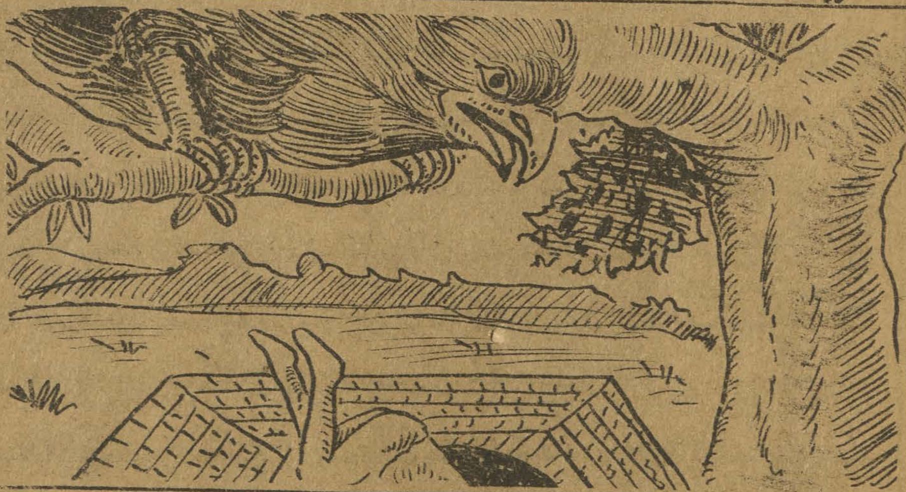
شاہ تعریف کرتے اُس کو خوشی حاصل ہوتی

مذکور اُس گرفتار پنجۂ اجل کا جانور کا اٹھا لیجانا کنوئیں میں گرانا قافلے کا آنا پھر بعلت لعل شہزادی تک پہونچنا اور بہ حیلۂ ایلچی بھائی کی ملاقات

صیادان طائر معانی ذی ہوش و دام داران بلبل خوش بیانی خانہ بدوش نے حال اُس منتظر زیر درخت کا یہ لکھا ہے کہ ہمہ تن چشم محو انتظار برادر فراموش کا تھا ناگہاں ایک جانور مہیب بد شکل عجیب آیا اور پنجہ میں داب کر اُڑا گھوڑوں نے ڈر سے باگ ڈور تڑا کر جنگل کا راستہ لیا کود بھاگے اللہ کی قدرت دیکھئے بڑا بھائی سلطنت کا مالک ہوا چھوٹا بیچارہ موذی کے چنگل میں پھنسا واللہ اعلم بالصواب جانور وہاں سے کتنی دور اڑا آخر کار تھک کر ایک درخت کنوئیں کی جگت پر تھا اُس پر جو بیٹھا یہ چھٹکر کنوئیں میں گرا جامی

فغاں زین چرخ دولابی کہ ہر روز	بچاہے افگند ماہے دل افروز

تصویر جانور مہیب جو چھوٹے بھائی کو اڑا لیگیا اور وہ چھٹ کر چاہ میں گرا



الا رسن حیات مضبوط تھی نہ گزند پنجے کی پہونچی نہ چوٹ چپیٹ گرنیکی لگی میر حسن ~

کنواں وہ جو اندھا تھا روشن ہوا	جوان اُس وہ سانپ کا من ہوا

وہ جانور تو اُڑ گیا یہ بے پر کنوئیں میں پڑا رہا اتفاقاً اُسی روز ایک قافلہ گم گشتہ راہ وہاں پہونچا آدمی پانی بھرنے کنوئیں پر آئے یہ رسّی کے سہارے سے باہر آئے جسنے اس کا جمال دیکھا بالشتی نهٔ غلام

کا شور برپا کیا دُنیا کے عجیب معاملہ ہیں ع

روزے نگر کہ طوطی جانم سوئے لبش	بر بوئے پستہ آمد و بر شکر اوفتاد

جب لوگ حال پوچھنے لگے اُس نے جیسا موقع دیکھا ویسا بیان کیا غرضکہ میر قافلہ کی خدمت میں رہنے لگا چند روز میں قافلہ منزل مقصد پر پہونچا اور مہینہ بھی تمام ہوا جوان نے دوسرا لعل اُگلا میر قافلہ نے جو لعل دیکھا تمام مال بھولا با خود سوچا ایسی گراں بہا شے کا سہل لے لینا مشکل ہے مُبادا فساد اُٹھے تدبیر شرط ہے جوان کو قید کر کے کوتوال پاس بھیجا کہا یہ میرا غلام ہے آج اس نے لعل چرایا کچھ ایسا وسوسہ شیطانی دل میں آیا میں نے آپکی خدمت میں بھیجا ہے اسے سزا ملے تو لوگ ڈریں عبرت سے ایسی حرکت نہ کریں کوتوال نے قاضی سے مسئلہ پوچھا اُسنے ہاتھ کاٹنے کا فتویٰ دیا مگر اس شہر کا یہ دستور تھا جب کسی شخص پر گناہ ثابت ہوتا تو مدعی اور مدعا علیہ بادشاہ کی بیٹی کے روبرو حاضر ہوتے اظہار حال کے بعد مرافعہ ثانی میں جو اس کی رائے معدلت پیرا میں آتا وہ ہوتا اس واسطے کہ بادشاہ مُسن تھا بیٹی کے سوا اور کوئی تخت سلطنت کا وارث نہ تھا اللہ رے اُس کے جمال کا جلوہ اور حُسن کا غوغا پری کو ہزار جان سے اُسکی پروا حور اُسکی شیدا احلی اللہ اس مہ سیما پر نثار آفت روزگار تھی حُسن عالم فریب کے علاوہ طبع حلیم رائے سلیم نکتہ فہم دقیقہ رس اپنے عصر کی حکیم حقیقتاً قابل ریاست صاحب فراست تھی غنچۂ خاطر اُس گل اندام یاسمین پیکر کا رونا دیدۂ صبا دہن صدف مراد تمنائے قطرۂ نیساں میں بند کوچۂ عصمت و عفت میں اُس در ناسفتہ دُرج شہریاری کے وہم و فکر تاجداران دہر کا گذر نہ ہوا تھا اُس دم تک ناکتخدا تھی جسوقت وہ دونوں روبرو ہوئے پہلے شہزادی نے میر قافلہ سے پوچھا اُس نے جو کچھ کوتوال سے کہا تھا وہی بے کم و کاست پھر عرض کیا شہزادی بولی سعدی ع باطل است انچہ مدعی گوید؛ پھر جوان کی طرف مخاطب ہوئی بسکہ جیتے سے تنگ آمادۂ مرگ تھا بے تامل بولا شہزادی آپ روشن ضمیر ہیں ہم مصیبت زدہ کی طرح سلسلۂ بےجرمی میں اسیر ہیں یہ شخص سچا ہے وہ تو عقیلہ بھی زیادہ شک ہوا دل سے کہا آج تک کسی چور نے حاکم کے روبرو بجز انکار دست بُردی دفعتہ اقرار دُزدی کیا نہیں یہ بیگناہ ہے تقریر اس شاہد کی شاہد ہے خدا گواہ ہے کچھ اس میں بھید ہے قافلہ باشی سے فرمایا کل محکمہ میں حاضر ہونا جوان کو ڈیوڑھی پر قید کیا یہ تو حسین بلا کہ مہر طلعت ماہ جبین تھا طالع کا ستارہ جو چمکا شہزادی کا میلان خاطر جوان کی جانب ہوا شب کو تنہا بدلداری و تاسف استفسار حال فرمایا اُسوقت جوان ناکردہ گناہ نے آہ سرد بھر کر شروع از آغاز تا انجام عرض کیا شہزادی کا دل یہ بنا قصہ سُنکر بمرتبہ اتم

مسرور رہا چوری کا شک اس دزد دل کی جانب سے دور ہوا صبح کو بادشاہ کے حضور میں لا خود دست
ادب باندھ کر عرض کی قبلہ عالم و عالمیان کی عمر دراز ہو قیصر و فغفور کی اس در پہ جبیں بہ نیاز ہو شہر کا قاضی
اور کوتوال بے دریافت حقیقت حال حکم سزا بندہ ہائے خدا کو کرتا ہے روز جزا کی جوابدہی سے کوئی نہیں
ڈرتا غضب کی جا ہے عجب ماجرا ہے واجب التعزیر صاحب تقصیر کو لعل ملے بیگناہ کا ہاتھ کٹے بادشاہ نے
پھر دونوں کی زبان سے حال سنا اور بسبب کبر سن کے عقل کو زوال ہوتا ہے یہ وہ دن ہے کہ نسیان
کمال ہوتا ہے ذہن نہ لڑا تامل کیا شاہزادی نے التماس کیا حضور یہ امتحان بہت آسان ہے ایک
مہینہ اور اس جوان کو قید رکھیئے اگر دوسرا لعل اُگلا تو سچا ہے پھر ایسے در یتیم صدف راستی کو کیوں
بے آب و تاب کیجئے آبرو لیجئے وگرنہ بماہ آئندہ یہ بدکردار کا سزاوار ہے ہاتھ کاٹنے سے کیا ہاتھ آئیگا بادشاہ
کو درست جواب باصواب بیٹی کا بہت پسند آیا حاضرین نے تحسین و آفرین کی بادشاہ نے جوان کو اپنی آنکھوں
کے سامنے نظر بند کیا میر قافلہ کو شہزادی نے محبس بھیجا قصہ کوتاہ مہینہ بھی تمام ہوا اور اتنے دنوں میں
شعلۂ محبت مجمر سینے سے بھڑکنے لگا دم شہزادی کا پھڑکنے لگا حال طشت از بام افتادہ ہوا جوان نے عرض
کی کل لعل اُگلوں گا پھر صبح کو سر دربار روبروئے حضار لعل بے بہا درج دہاں سے نکلا سب کو حیرت شہزادی کو
فرحت و مسرت حاصل ہوئی اسی دم مال و اسباب قافلہ باشی کا جوان کو دلا اُسے تشہیر کرکے شہر سے بدر کیا جوان کی
صورت دلپذیر فصاحت تقریر پسند خاطر صغیر و کبیر تھی بایمائے شہزادی سب نے متفق اللفظ بادشاہ
سے عرض کی کہ یہ شخص حضور کی عنایت کے لائق ہے تمنائے ملازمت رکھتا ہے کفش برداری کا
شائق ہے بادشاہ بھی اس کی راستبازی سے خوش تھا راضی ہوا سعدی ~

کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست	راستی موجب رضائے خداست

چند عرصے میں مقرب بارگاہ سلطانی مورد عنایات جہانبانی ہوا ہر مہینے لعل اُگل حضور میں لانے لگا
روز بروز بخششوں میں سرخروئی حاصل کر آبرو پانے لگا آخر کار بمشورۂ ملازمان قدیم و بتحریک حکما و ندیم بادشاہ
نے اس گوہر مسلم سلک تاجداری کو برشتۂ عقد اُس لعل بے بہا سے منعقد کیا یہ دونوں مشتاق بصد اشتیاق باہم
لطف کیسا تھا بے اندیشہ و غم ایام گذاری بڑی دھوم دھام اور تیاری سے کرنے لگے مگر ہر روز بلاناغہ
جوان بادشاہ کے حضور میں حاضر رہتا تھا ایکدن ایلچی اُسکے بھائی کا کسی تقریب میں وارد ہوا اور جواہر کا
ذکر نکلا ایلچی نے عرض کی کہ ہمارے بادشاہ کے پاس ایک لعل اس رنگ ڈھنگ سنگ کا ہے کہ آجتک

جوہری چرخ نے باوجود عینک مہر ماہ و گردشِ شام و پگاہ سال و ماہ میں اُسکے سنگ کا کیا پاسنگ کے برابر بھی نہیں دیکھا ہے یہ کلمہ سنکر بادشاہ نے وہی لعل جو گنجینۂ سینۂ بے کینۂ جوان سے نکلے تھے دس بارہ ایلچی کو دکھائے وہ بھی جواہر شناس تھا سخت حیران تا دیر سر بگریبان رہا پھر عرض کی قبلۂ عالم عجب کی جا ہے کہ رنگ و روپ نقشہ اُن کا اسکا ایک سا ہے اتنا فرق مقرر ہے کہ وہاں ایک ہے یہاں ایک سے ایک بہتر و برتر ہے بادشاہ نے جوان کی طرف اشارہ کیا کہ یہ میرا فرزند ہے ہر مہینے ایک لعل اُگلتا ہے ایلچی نے جو غور سے دیکھا اپنے بادشاہ سے مُشابہ کیا بعینہٖ پایا خیر رخصت ہوا جب اپنے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کا تو معمول تھا جب تخت پر آکر جلوہ گر ہوتا و لعل پیش نظر ہوتا ایلچی کو وہ سانحہ یاد آیا عرض کی قبلۂ عالم اس لعل کو جدا کرتے نہیں ہیں بے اُس کے قدم مُبارک تخت پر دھرتے نہیں ان روزوں خانہ زاد جس بادشاہ کے پاس گیا تھا نیا ماجرا دیکھا معدنِ جواہر اور لعل کی کان کہ وہ امکان نہیں لیکن وہ لعل کا پُتلا زندہ اپنے پاس رکھتا ہے بادشاہ نے اُس کا حال مفصّل پُوچھا اُس نے سب بیان کیا کہ داماد اس شاہ خجستہ نہاد کا ہر مہینے لعل اُگلتا ہے اور کیا گذارش کروں جیسی حضور کی صورت ملتی ہے۔ حقیقی بھائی ایسے دکھائی نہیں دیتے یہ سُنتے ہی یقین ہوا کہ اب پتہ ملا مقرر وہ بھائی میرا ہے، اُسی وقت نامہ شوقیہ اُس کان گہر کے اشتیاق دید میں بادشاہ کو لکھا کہ برائے چندے اگر اُس فرزند ارجمند کو ادھر روانہ کرو محبت دیرینہ سے بعید نہ ہو ہمیں شوق دیدار از حد تحریر و اظہار افزوں ہے اور پوشیدہ خط تمنا بھائی کو رقم کیا کہ آج تک تیری مفارقت سے تخت شاہی بدتر از بوریائے گدائی تھا اب ایلچی سے یہ خبر فرحت اثر سنکر دل کو سرور آنکھوں میں نور آیا لازم کہ بمجرد دردِ در قیمہ دوا دادھر کو روانہ ہوا اور کچھ پتے حسب نسب کے سانحہ شکار تفصیل وار قلمبند کردے ایلچی سے فرمایا کہ نامہ علی رُوس الاشہاد بادشاہ کو اور یہ خط خفیہ اُس غیرت ماہ کو دینا قاصد صبا دم صرصر قدم جلد تر اُس شہر میں وارد ہوا بادشاہ کو نامہ دیا اور خط پوشیدہ جوان کو حوالے کیا وہ مکتوب محبت دیکھکر ایسا گھبرایا یہ لہو نے جوش کھایا کہ اُسی دن رخصت کا ذکر بادشاہ سے لایا آخر وہ عاشق برادر معشوقۂ رُوح پرور کو لے کر جہاز پر چڑھ روانہ ہوا راہ میں ایلچی سے شہر کا نقشہ راہ کا پتہ سب پوچھ لیا فرطِ شوق سے دن رات سرگرم رفتار تھا ساعت بھر کسی منزل کا مقام ناگوار تھا کہ جلد پہونچیں کہیں نہ ٹھہریں نیرنگ زمانہ کج سرشت بوقلموں کو ہر دم و ہر ساعت دگر گوں ہے کیا

کہوں جب دس بارہ کوس وہ شہر رہا جہاز تباہ ہوگیا جس کی قضا تھی وہ تہ آب گرداب ہا جسکی بقا تھی بہہ نکلا یہ قصۂ جانگداز دور دراز پہونچا اُس کے بھائی نے سُنا فوراً ہزار سوار تیز رفتار دوڑائے کہ جس ڈوبتے اُچھلتے کا پتہ پاؤ جلد حضور میں لے آؤ آخر کار بہزار جستجو وتگا پو شہزادی ہاتھ آئی اُنکی خبر نہ پائی اُسے بادشاہ پاس حاضر کیا جوان کے ڈوبنے کا حال کہدیا بادشاہ بحال تباہ گرداب فراق میں پھنسا شہزادی صف نشین ماتم لجۂ لطمۂ اندوہ وغم میں الجھی جوان کا حال یہ ہوا کہ تختے کے سہارے سے بہتا بہتا پیاس کے صدمے بھوک کی موجیں سہتا سہتا کئی دن میں کنارے پر پہونچا فی الجملہ جب تاب طاقت آئی پوچھتا پوچھتا اُس شہر میں داخل ہوا بادشاہ کو خبر پہونچی روبرو بلایا بسبب طول ایام مہاجرت و درازی ناصعوبت نہ پہچانا استاد

انتی مدت میں بلا مجھ سے وہ دھوکا دے کر		یا دہی جب مجھے اُس شوخ کی صورت نہ رہی

ہیئت متبدل خوار و ذلیل تھا اس اختلاف کو دیکھئے یہاں صحرا نوردی بھوک پیاس مصیبت وبال حکمرانی وعیش وآرام وتخت سلطنت ناچار شہزادی کو طلب کیا اسے بھی تامل ہوا وہ شخص بولا پہر بھر کا عرصہ باقی ہے آج لعل اُگلنے کا دن ہے پھر تم سب پہچانوگے بادشاہ کو یقین ہوا کہا اگر یہ جھوٹا ہوتا ایک پہر کا وعدہ نہ کرتا شہزادی نے کہا تیری طبیعت کی جودت مشہور ہے ایک معما پوچھتی ہوں اگر بدیہہ جواب دیا تو بیشک شک رفع ہوا بھلا وہ کیا شے ہے جسے گبر ومسلمان ویہود ونصاریٰ سب انسان کا فرقہ آشکارا کھاتا ہے مگر جب اُس کا سر کاٹ ڈالو تو زہر ہوجائے کوئی نہ کھائے اور جو کھائے تو فوراً مرجائے جوان نے ہنسکر کہا شہزادی قسم ہے یہ کیا معما پوچھا ہے وہ پھڑک گئی دل کی بھڑک گئی وحشت مٹی بیباکانہ چلمن اُٹھا پروانہ کی طرح اُس شمع بزم فرقت کے گرد پھری بادشاہ متعجب ہوا کہ ہم تو کچھ نہ سمجھے شہزادی کیا سمجھ کر سامنے آئی جوان نے عرض کی کہ قبلہ وہ چیز قسم ہے تمام عالم کھاتا ہے سر اس کا قاف ہے اسے کاٹو تو سم صاف ہے سم زہر کو کہتے ہیں کون کھاتا ہے کھایا اور مرجاتا ہے بادشاہ یہ سنکر بغلگیر ہوا اُسنے لعل اگلا تا دیا بچے بچھڑے ملے اسی طرح جامع المتفرقین سب مجھ رونکی دوری کا بکھیڑا مٹائے جو جس کا مشتاق ہو جسکی جدائی جسے شاق ہو وہ اُسے ملجائے جوگی نے یہ قصہ تمام کرکے جانعالم سے کہا بابا

	مشکلے نیست کہ آساں نہ شود		مرد باید کہ ہراساں نہ شود	

جوئیندہ یابندہ ہے یہاں سے منزل دوست قریب ہے سب کچھ معلوم ہے الّا کہنا منع ہے بُرائی دنیا مقام رہنے کا ہے ہاتھ اس جگہ وقفہ کر میری زیست کا ساغر بادۂ اجل سے لبریز ہے سمند جان کو نفس سرد مہمیز ہے مجھے زمین کو سونپ

تشریف لیجانا اور چند وصیتیں کیں جانعالم نے کہا یہ رنج و قلق کس سے دیکھا جائیگا پتھر کا کلیجہ کہاں سے ہاتھ آئیگا کہ دوست غمخوار کو اپنے جیتے جی زیر خاک کیجئے اُس کے ماتم میں گریبان صبر چاک کیجئے یہ کہکر رونے لگا گریبان تا دامان بارش اشک سے بھگونے لگا جوگی اُس کی محبت کا بروگی ہوا کہا افسوس دم واپسیں کا عرصہ بہت کم دم نہیں مار سکتے ہم وگرنہ تیرے ہمراہ شریک درد و غم ہوتا بھلا آخری فقیری کا ایک لٹکا سیکھ لے سائیں چاہے تو کہیں اٹکا نہ رہیگا قبر میں لیجا کر کیا کرونگا پھر چند کلمے وہ بتائے کہ جس صورت کا دھیان لائے فوراً ہو جائے یہ مقدمہ بتا ہر ہر گرو کا نام لیا پھر کلمہ جو پڑھا دنیا سے چل بسا دم نکل گیا جوگی مسافر عدم بیکنٹھ باشی رم گیا جانعالم کا روتے روتے دم گیا بیتابانہ نعرۂ الفراق مارے مرید چیلے جمع ہو کر گرو گرو یا ہادی کہکر بہت پکارے بولتا نکل گیا جوگی نے صدا نہ دی منزل مقصد کی راہ لی شہزادے نے بموجب وصیت غسل دیا کفنایا قبر میں اتارنے کے وقت کچھ نہ پایا برابر کفن پھاڑ دیا آدھا چیلوں نے جلایا نصف مریدوں نے سندھی میں گاڑ دیا ہندوؤں نے راکھ پر چھتری بنائی مسلمانوں نے قبر بنا کے سبز چادر اُڑھائی وہ تنت منتر اسمہ و مصلے خرقہ و جبہ اُسکے منظور نظر کو دے جانشین کیا مرید چیلوں کا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دیا اُسے ایک ولولہ آیا از سر نو اُن سب کو یہ تلقین کیا کہ سنو بچہ گو جوگی ظاہر میں آنکھوں سے نہاں ہے مگر مرشد کامل کا جلوہ سائیں کا ظہور ہر برگ و بار بوٹے پتے گل و خار بلکہ در و مسجد و دیوار کنشت سے دیدۂ دوربیں میں عیاں ہے عارف کا یہ کلام ہے سعدی ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار	ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

دیدۂ بینا گوش شنوا اس رمز کو درکار ہے ہر کوزے میں اُسی کا جھگڑا ہے نمونۂ قدرت نشان وحدت دنیا کا نقش و نگار ہے بلبل کے پردے میں ترانہ سنجی ہوتی ہے قمری کی کو کو چڑیا کی جان کھوتی ہے اُس کے ذکر میں سرگرم ہے جس کی زبان و منقار ہے کسی کو حرم محترم میں نامحرم رکھا بھٹکایا کسی کو بیت الصنم میں ملا کر جلوہ دکھایا کعبے کا دھوکا دیر کا بہانہ ہے دوڑا کر تھکانا ہے وسیعہ من یشا کو رہبر کرکے ڈھونڈھا اُسے گھر بیٹھے پایا ہے امیر خسرو ؎

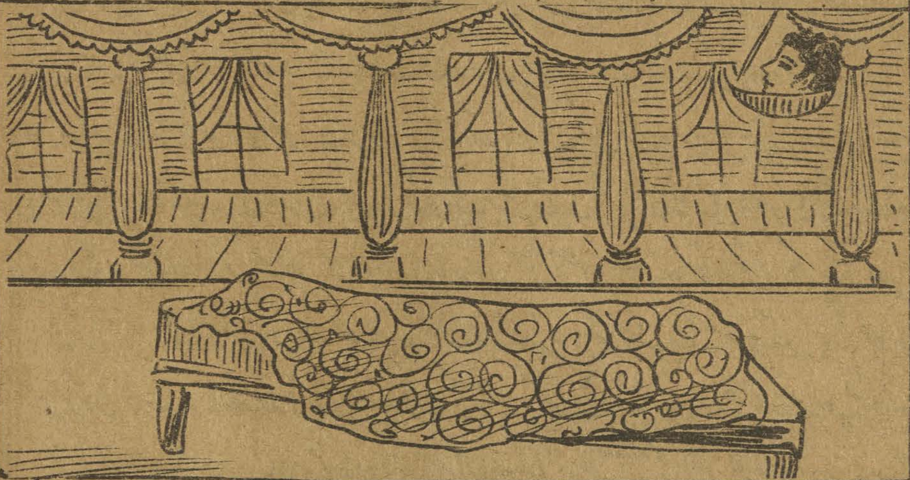
جن ڈھونڈھا تن پائیاں گہرے پانی پیٹھ	میں بوری ڈوبن ڈری رہی کنارے بیٹھ

دنیا کا معاملہ مذہب ملت کا جھگڑا یہ اچھا وہ برا پر زیان بے سود ہے حق بینک دانا ہر آن موجود ہے رنج میں دل کو خوش الم میں طبیعت کو شاد رکھو وحدہٗ لا شریک کے نزدیک خوار ہے شرکت کرنیوالا مشرک حماقت شعار ہے مرسلوں کا رستگار رہا تو مرید یار سمجھ کر مانو مرشد کی ذات گرو کی صفات ہر جلسے میں یاد رکھو بود و نابود کا غم نہ ہو

اور احباب کا دل کہ حباب سے نازک تر ہے خدا کا گھر ہے آشفتہ و برہم نہ ہو اللہ بس باقی ہوس یہ کہہ کر
قصہ مختصر کیا بے خبروں کو باخبر کیا جب اس صحبت سے جانِ عالم کو فرصت ملی چلنے کا سرانجام کیا اُس جانشین
مہنت نے روکا اور وہ چار دن خاطر سے مقام کیا پھر جس طرف جوگی نے بتایا تھا چل نکلا پہاڑ سے جس
دم آگے بڑھا دریا ملا ہر چند ڈھونڈھا ناؤ بیڑے کا نقش بیڑا نہ لگا مگر ایک لعل درخشاں بہ رنگِ آب رواں سامنے
آیا قریب اُس کے دوسرا پڑا اسی طرح تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے بہت لعل بہتے دیکھے تازہ فکر ہوئی
کہ اس حال کو کیونکر دریافت کیجئے کنارے کنارے سیر دیکھتا چلا دو کوس جب راہ طے کی عمارات
عالی شان دیکھی اُس چشمے کو اُس کے اندر سے رواں پایا دروازہ اور در کی بہت تلاش کی تا اندر
جانے کا باب مفتوح ہو نہ ہوا سوائے دیوار و دَر نہ تھا اُسوقت بُلبُل بنکر دیوار پر جا بیٹھا مکان رفیع الشان
باغ بھی بہار کا مگر سنسان انسان نہ حیوان فقط ایک بنگلہ نہایت نقش و نگار کا وہ نہر اُسی بنگلہ کے اندر سے
جاری تھی چمن خالی اور باد بہاری تھی آدمی یا جانور ناطق و مطلق مطلق نہ تھا باغ میں اُتر صورت قدیم
بدل کر بنگلے میں آیا منقش و مطلا سجا سجایا پایا لیکن طرفہ حال یہ دیکھا ایک پلنگ زمرد کے پایوں کا بچھا ہے
اُس پر کوئی دوشالہ تانے سو رہا ہے برابر یاقوت کی تپائی پر پھولوں کا دستہ آدھا سرخ نصف سفید رکھا ہے
جانِ عالم نے قدم بڑھا دوشالہ سرکایا وہ تن پری پیکر بے سر نظر آیا حسرت سے کہا کہ کس ظالم ستم شعار بے رحم
جفا کار نے اس سر دفتر خوبی سراسر دلبری و محبوبی کا سر کاٹا ہے بہ حیرت ہر طرف دیکھتا تھا چھت پر آنکھ پڑی
چھینکا بندھا سر بھی دھرا دیکھا سر کے نیچے نہر جاری ہے جو خون کا قطرہ اُس حلق بریدہ سے پانی میں گرتا ہے
اللہ کی قدرت کاملہ سے وہ لعل ہو کر تیرتا ہے تب اس نے کہا سبحان اللہ مقرر یہ سحر کا کارخانہ ہے قریب جا کر
غور سے دیکھا انجمن آرا کا چہرہ تھا پہچانتے ہی سر و تن کا ہوش نہ رہا چاہا کہ سر سے ٹکرا کر ہمسر ہو کسی کو نہ خبر ہو
لیکن تجربہ کار ہو چکا تھا سوچا مرنا ہر وقت ممکن ہے پہلے حال مفصل معلوم کر لو کہیں جوش کا سا دھوکا
نہ ہو ہر چند غواص عقلِ رسا محیط فکر میں غوطہ زن و آشنا ہوا مگر گوہر مقصد صدفِ مراد سے ہاتھ نہ لگا
معاملہ سے ناآشنا رہا شام نزدیک ہوئی تند ہوا چلی شور و غل مچا یہ سمجھا اب کسی دیو یا ساحر کی آمد ہے
چھپنا چاہیے سر گلدستہ گلبن محبت کے روبرو بھونرا بن کر بیٹھ رہا دفعتہً دیو آ پہونچا قوی ہیکل زبون
شمائل مگر وحشی سا ہر سمت بو سونگھنے لگا پھر اُسی گلدستہ سے سفید پھول توڑا اُس یاسمین پیکر کو سونگھایا
سر اُچھل کر بدن سے ملا انجمن آرا اُٹھ بیٹھی دیو نے میوۂ تر و خشک روبرو رکھا مگر پریشان ہر سو متحیر نگراں

شہزادی نے کہا خیر ہے اُس نے کہا آج غیر انسان کی بُو آتی ہے خوف سے جان جاتی ہے وہ کہنے لگی
ہمیں آج تک جانور کی پرچھائیں نہ نظر آئی تو نے آدمی کی بُو پائی طرفہ خبط ہے یہ جملہ بے ربط ہے
غرضکہ صبح تک مذکور ہر شہر و دیار عجائبات روزگار کا بیان رہا دم سحر اسی دیو نے سُرخ پھول اس
خون آشام نے توڑ کر اُس لالہ فام کو سونگھایا سر تو چھینکے پر سر بلند ہوا تن نے پلنگ پر آرام فرمایا دیو

تصویر ایک مکان نفیس پلنگ پر انجمن آرا دو شالہ اُڑھے بے سر پڑی اور سر چھینکے پر



دو شالہ اوڑھا رہی ہوا جانعالم نے چار گھڑی بجبر صبر کیا پھر اپنی صورت اصلی بنکر وہی سفید پھول توڑ کر
سونگھایا انجمن آرا بدستور اٹھی شہزادہ چیخ مار کر لپٹ گیا دونوں مہجور اس زور شور سے روئے کہ تمام باغ
ہل گیا زمین و آسمان دہل گیا جانعالم اپنے مصائب وہاں تک آنیکا حال فرقت کا رد و ملال نہ پایا کہ انجمن آرا نے کہا لا اعلم

تجھ بن مری اوقات جو اکثر گذری	وہ حالت نزع سے بھی بدتر گذری
تو تو کہے سرگذشت اپنی ظالم	میں کس سے کہوں جو کچھ کہ مجھ پہ گذری

یہ کہہ کر پھر دونوں چلا چلا آہ و بکا سے رونے لگے دنیا کے معاملے میں ہمیشہ سے کسی کی عقل نہیں لڑی
شکست ہوئی ہے ؎ بیک لحظہ بیک ساعت بیکدم ؛ دگرگوں می شود احوال عالم مؤلف ؎

اک وضع پر نہیں ہے زمانے کا طور آہ	معلوم ہو گیا ہمیں لیل و نہار سے

ہر عقدہ مالاینحل ناگزیر کیواسطے ناخن تدبیر خلق ہی خلق کیا ہے اور جہاں میں جہاں تدبیر کا دخل نہو
اُسے تقدیر کے حوالے کر دیا ہے اکثر جن باتوں میں عقل عاجز آتی ہے وہی طرفۃ العین میں ہو جاتی ہے ناگہاں ایک

سفید دیو زبردست زر کے نشہ سے سرشار مست تھا طاقت دار رستم کی یادگار اُدھر سے گذرا نالۂ حزیں
صدائے غمگین کان میں آئی بسکہ باہیں زور طاقت خداداد وہ دیو نیک نہاد رحیم دل غم رسیدوں کے
رنج کا شامل تھا گریہ وزاری سُنکر دل کو بیقراری ہوئی سمجھا کوئی انسان نالاں ہے مگر اس صدائے پرخار
وادی ہمہ تن آزار میں آدمی کا ہونا ہے محال ہے اگر ہے تو حقیقت میں مبتلائے الم اسیر پنجۂ
ستم خراب حال ہے یہ سوچ کر باغ میں آیا یہاں روتے روتے دونوں کو غش آگیا تھا دیو
ڈھونڈھتا ہوا بنگلے میں آیا دیکھا مہر و ماہ گردش سپہر بے مہر سے برج زمردین میں بیہوش
ہیں چہرے کے رنگ اُڑے ہوئے سکتے کی حالت میں ہم آغوش ہیں روئے یار آئینہ دار
درمیان ہے فلک بر سرِ امتحان ہے سمجھا مدّت کے بعد دونوں کا مقابلہ ہوا ہے اس
سے کسوف خسوف کا رنگ ڈھنگ پیدا ہے سر بالین بیمارانِ محبت بیٹھ کر نہر سے
پانی لیا دونوں کے منہ پر چھڑکا آنکھیں کھولیں ہوش وحواس درست ہوئے دیکھا کہ
ایک دیو سرہانے موجود ہے دیو سفید نے اٹھ کر سلام کیا تسلّی کا کلام کیا کہا تشویش نہ فرمایئے بندہ دوستدار جاں
نثار ہے پہلے جانعالم اُٹھ کر بغلگیر ہوا وہ حال پوچھنے لگا بسکہ شہزادہ جانعالم لسّان وخوش بیان تھا اپنی رام کہانی چرب
زبانی سے کہہ سُنائی دیو ماجرائے سرگذشت سنکر بیقرار اشکبار ہوا عرض کی اب بدلجمعی تمام آرام کیجیے اب وہ قرمساق آئے
تو عملِ بد کی سزا پائے جانعالم لذت لگاوٹ نا ز تھا اُس سے بھائی چارہ کیا صیغۂ اخوت پڑھا وہ بیچارا بندۂ بے دام
حلقہ بگوش غلام ہوا وہاں سے اُٹھ کر باغ کی سیر کرتے تھے کہ وہ جفاکار بھی آپہونچا یہاں اور رنگ دیکھا کہ
شہزادی آدمی زاد کے ہمراہ پھرتی ہے سفید دیو کا ہاتھ میں ہاتھ ہے مصاحبت کرتا ساتھ ہے جلکر جانعالم پر جھپٹا دیو سفید نے
بجلدی تمام اُس نطفۂ حرام کا ہاتھ پکڑا وہ کافر اسی رحمدل سے لپٹا باہم کشتی ہونے لگی یہ کشمکش ہوئی کہ زمین جابجا
شق ہوئی الغرض بمدد مددگار قوتِ پروردگار سفید دیو نے زمین سے لنگر اکھاڑ سر سے اونچا کیا زمین پر پٹک
چھاتی پر چڑھ بیٹھا جانعالم قریب آیا زور وطاقت کی تعریف کرنے لگا کہا کیا جناب باری نے تجھ
مددگار بیکساں کی یاری کی جو ایسے مردود پر ایک دم میں تجھے فتح وظفر حاصل ہوئی اگر ناگوار طبع نہ ہو
میں بھی ایک زور کروں وہ بولا بسم اللہ شہزادے نے ایک ہاتھ شانے پر دھر دوسرے
سے گردن اُس سرکش کی مضبوط پکڑ دھڑ سے کھینچ کر زمین پر دھڑ سے پھینک دی دیو
سفید یہ طاقت دیکھ کر سفید ہو گیا شہزادے کا چہرہ سُرخ ہوا وہ زرد رُو بے دین

جانعالم اور دیو کی لڑائی اور دیو سفید کی مدد سے دیو کو پچھاڑنا



اسفل السافلین کو پہونچا اس عرصہ میں سفید دیو کے ملازم حاضر ہوتے دعوت کی تیاری ضیافت کی اضافت لگی ایک ہفتہ اکل وشرب گانا ناچ رہا آٹھویں روز اس ماہ دو ہفتہ یعنی انجمن آرا نے رنج جدائی ملکہ مہر نگار مردمان لشکر کا لب دریا انتظار بیان کرکے کہا بخدا مفارقت ملکہ میں خواب وخور حرام ہے تمہارے بار احسان سے دبکر کبھی ہنسی لب پہ آگئی وگرنہ دور شراب کباب خون دل لخت جگر تھا ہر گلاس برادۂ الماس تھا فقط تمہارا پاس تھا اُسنے عرض کی میرے آدمی جائیں پتہ لگا آئیں انجمن آرا نے کہا اپنے تجسس میں زیادہ مزا ہے اپنا کام آپ خوب ہوتا ہے ناچار رخصت ہو کر چلے اور آنے جانے کے باہم وعدہائے مستحکم ہو گئے ہر دم ملکہ کا خیال ہر گام دلبر فرقت کا ملال تھا کہ خدا جانے ڈوب گئی یا ہماری طرح کسی آفت میں پھنسی کبھی دو کوس کبھی چار کوس بہزار دقت چلتے وہ تن نازنین پاؤں دل سوج گئے چھالے پڑے قدم اٹھانے کے لالے پڑے نہ وہ سفر سخت یہ نازک مسافر کالے کوس تلوے کی طرح کافر انجمن آرا جھلا کر بولی شعر

کب تھا یہ شور نوحہ ترا عشق جب نہ تھا
دل تھا ہمارے آگے تو ماتم سرا نہ تھا

آپکی بدولت یہ ذلت و رسوائی پیادہ پائی صحرا نوردی عزیزوں کی جدائی نظر آئی آفت اٹھائی میر سوز سے

چھڑا اگر مجھ سے میرے خانماں کو
خدا جانے چلا ہے اب کہاں کو

شہزادہ ہنسکر چپ ہو رہا پھر وہ عمل جو جوگی سے سیکھا تھا انجمن آرا کو بتایا دونوں نے طوطے کی ہئیت بنائی اور توکلت علی اللہ کہکر نظر بخدا ایک سمت سرگرم پرواز ہوئے پہر دو پہر اُڑنا پھر کسی درخت پر بسیرا خیمہ نہ ڈیرا اس روپ میں تا صد بسر ہوئے سابق مصاحب انسان تھے اب ہمنشین طیر

ہوئے روز نیا پانی نیا دانہ نت نیا آشیانہ کبھی بستی گاہ ویرانہ کسی کو اگر ہنستے دیکھ لیا تو رو دیا یاد کر کے اپنا زمانہ
اور اکثر یہ شعر پڑھ دینا لاَ اعلم ؎ شب عشرت غنیمت دان و داں خوشدلی بستاں کہ در عالم کسے احوال فردا را نمے داند

مذکور ملکہ مہر نگار کا تختے پر بہتے جانا بادشاہ کا جہاز پر سیر کرتے ہوئے آنا رحم کھا کر جہاز پہ منگانا شہر میں داخل ہو کر مکان دینا پھر طوطے کا اڑ کر پہونچنا اور نامہ لے کر روانہ ہونا

اے جنوں تو دلِ شوریدہ کی امداد کو آ
تا لکھوں حال میں اک اور ستم دیدہ کا

چین دنیا میں نہیں عشق کے بیماروں کو
نت نیا رنج فلک دیتا ہے بیچاروں کو

بار فرقت کبھی معشوق جو دھر جاتے ہیں
جیتے جی دب کے یہ اس بوجھ سے مر جاتے ہیں

زیست بے لطف گذر جاتی ہے بیچاروں کی
کیا کہانی میں کہوں تم سے دلِ افگاروں کی

نگارندۂ حال غریق قلزمِ فرقت و کشتی شکستہ لجۂ محبت بادبان گسستہ صرصر دوری و لنگر بریدہ کار رو ہجوری طوفان رسیدہ کنار کامیابی ندیدہ یعنی ملکہ مہر نگار خامۂ جگر افگار یوں رقم کرتا ہے کہ جب جہاز تباہ ہوا تھا یہ بھی ایک تختے کے ٹکڑے پر دل ٹکڑے ٹکڑے ڈوبتی ترتی چلی جاتی تھی اُدھر سے کوئی بادشاہ عالی جاہ جہاز پر سوار سیر دیکھتا آتا تھا دور سے تختہ بہتا دیکھا جب قریب تر آیا آدمی اس پر نظر آیا خوف خدا سے جلد جشوئی کو دوڑایا جہاز پر منگوایا ملکہ کو تلاطم آب نے بیتاب کیا تھا اور جان عالم و انجمن آرا کے صدمۂ جدائی سے جی ڈوب گیا تھا یعنی غش تھا لیکن صورت رعنا چہرہ زیبا میں فرق نہ ہوا تھا بادشاہ بیک نگاہ والہ و شیدا ہو گیا جلد جلد عطر سنگھایا بازو باندھا اور تدبیریں کیں دو تین گھڑی میں غش سے آنکھ کھلی دیکھا کہ نہنگ اجل کے تو منہ سے بچی آفت لطمۂ و لجۂ سے بر کنارہ جہاز پر سوار ہوں مگر شخص غیر سے دوچار ہوں شرم سے سر جھکا لیا تمام جسم میں پسینہ آیا بادشاہ نے پوچھا اسم شریف گو باعث حجاب بولنا گوارا نہ تھا لیکن بے جواب بے چارہ نہ تھا آہستہ سے کہا محروم و ناکام آفت کی مبتلا ذلیل و خوار فلک در پے آزار پر آلام جگر خون دل شکستہ و محزون کشتی گم کردہ راہ ناخدا گم فتادہ تلاطم اس کی فصاحت بلاغت چہرے کی شان شوکت سے ثابت ہوا کہ یہ شہزادی ہے اور کلام دردناک نے گریبان صبر و طاقت چاک کیا بادشاہ رو دیا پھر خاصہ طلب کیا ملکہ نے انکار کیا اس نے بہت اصرار کیا لجاجت سے کہا آپ کھانا نوش فرمائیں وطن کا پتہ بتائیں جب تاب و توانائی تم میں آئے گی وہاں بھجوا دیں گے ملکہ نے کہا ہم جن کے دامن دولت سے الجھے تھے وہ تو گرد راہ کی صورت خارِ صحرا کی طرح جھاڑ اس دریائے ناپیدا کنار

ہیں ڈوبے خدا جانے کیا ہوئے کدھر گئے جیتے ہیں یا مر گئے اگر سوئے عدم ہمیں روانہ کر دو بکھیڑا چھٹے غم والم سے نجات ملے بڑا احسان ہو اُس نے کہا **مؤلف** ؎

تم سلامت رہو زمانے میں	ایسی باتیں زبان سے نہ کہو

غرضکہ مجبوراً کچھ کھایا دو چار دن میں طاقت گونہ آئی اور جہانہ دارالسلطنت میں پہونچا ملکہ کیواسطے مکان عالیشان خالی ہوا لونڈیاں پیش خدمت آتوں محلدار جوکہ قرینہ شاہ اور شہر یاریوں کا ہوتا ہے اور جس طرح شہزادیاں رہتی ہیں سب سامان مہیا کر دیا ایک روز بادشاہ آیا کہنے لگا تم اپنا حسب و نسب چھپاتی ہو مگر ہمیں معلوم ہوا کہ تم شہزادی ہو ہماری تمہاری ملاقات اس حیلے سے بدی بختی امیدوار ہوں بخوشی مجھے اپنے فرمانبرداروں میں قبول فرماؤ ملکہ نے کہا میں نے تمام عمر سلطنت کا نام نہیں سُنا اِلّا آپ کو خالق نے بادشاہ کیا ہے انصاف شرط فرمانروائی ہے میں ظلم رسیدہ آفت کشیدہ فلک کی ستائی ہوں خدا جانے کون ہوں اور کس طرح یہاں تک آئی ہوں بقول **استاد** ؎

دیکھتے آنکھوں کے کیا کیا لوگ اٹھے پیش چشم	ہوں لب حیرت بدنداں رنگ دنیا دیکھ کر

اگر بیگناہ کا خون گردن پر لینا گوارا ہے تو مختار ہے مجھے کیا چارہ ہے اور جو میری خوشی منظور ہے تو برس روز کی مہلت دے اس عرصے میں اگر کوئی ڈوبا ترا امیر وار ثوں کا پتہ ملا کوئی مر جیتا پھرا تو خیر نہیں میں تیرے قبضۂ اختیار میں ہوں جبر کرنا کیا ضرور ہے عدالت سے دور ہے بادشاہ دل میں سوچا آجتک ایسے غریق اُبھرتے نہیں وہاں کئے گئے پھر ادھر قدم دھرتے نہیں اتنے دنوں کی فرصت دو حکومت نہ کرو آنکھ بند کرنے میں سال تمام ہو جائے گا پھر کون سا حیلہ پیش آئے گا کہا بہت خوب لیکن جو تمہیں ناگوار نہ ہو تو جی چاہتا ہے گاہ گاہ آنیکو تمہارے دیکھ جانیکو ملکہ نے یہ امر مغتنم جانا کہ حاکم و محکوم کا فرق سب کو معلوم ہے اب یہ انداز ٹھہرا پانچویں چھٹے روز پہلے خواجہ سرا اطلاع کرتا پھر بادشاہ قدم دھرتا دو چار گھڑی نشست ہوتی ہر شہر و دیار کا تازہ اخبار بیان کر اُٹھ جاتا یہاں سے دو کلمے یہ سُنئے مُسبب الاسباب کی کارسازی کے سامان دیکھئے وہ محل جو ملکہ کو ملا تھا اس میں مختصر سا پائیں باغ بہت کیفیت کا تھا طرح طرح کے میوہ دار درخت باغ و بہار یک لخت نئے نئے رنگ ڈھنگ کے گل بوٹے جو بادِ خزاں سے جھڑے نہ ٹوٹے پھل قصد سے منہ میں آجائے ہاتھ بڑھانے کی بار نہ آئے روشیں مورت کی صورت کی سالم آب رواں میں پری کا عالم کھدنہ بدقوارے سڈول سانچے کے ڈھلے نازک

اسباب فوارے کیاریاں پچکار اُن میں آبشار پختہ ہر ایک کیاری سراسر گلکاری چمن بندی قطعدار جابجا چبوترے معقول گل پیادہ و سوار پُربہار چوگرد عرض و طول باغبانیاں خوب صورت نوجوان تکلف کے سامان طلائی نقرئی کھُرپیاں مرصع کار بیلچے ہاتھوں میں غمزہ چال میں ادا دیکھ بھال میں لگاوٹ باتوں میں کسی طرف کنوئیں کی جگت پر کیلے والے لال بے رنج و ملال ہو رہا کوئی کچھ اکھاڑتی کوئی توڑتی کوئی گرا ہوا پھول پتی پھل اٹھاتی گھاس کھُرپی سے چھیل ڈالتی کوئی ٹوٹا جھڑا پتا گرا پڑا کانٹا کیاری سے نکالتی سر شاخ ہر گل رعنا بلبلوں کا غنچہ سرو و شمشاد پہ جوبن صدا گئے قمری طوق در گردن ایک طرف طاؤس کا رقص نغمہ ناز ہر ایک خوش آواز باغ کے گرد لب جھیل غنچوں کا چٹکنا کوس رحیل کہیں لالہ پیالہ در دست کسی جگہ نرگس شہلا با چشم مست تاک انگور پہ میخواروں کی تاک عنبر بیز صحن گلشن کی خاک ملکہ گہہ گاہ شام و پگاہ رفع پریشانی و دفع سر گردانی کو وہاں آ نظارۂ صحبت گل و بلبل سے رشک کھا بصد حسرت یہ غزل پڑھتی میر سوز ؎

وہ دن خدا کرے کہ خدا بھی جہاں نہ ہو	میں ہوں صنم ہو اور کوئی درمیاں نہ ہو
گل ہو شگفتہ خاطر و گلزار خندہ رو	بادِ صبا بھی ہووے ولے باغباں نہ ہو
گلشن ہو اور یار دلآرام اور میں	اپنا ہو قصہ غیر کی کچھ داستاں نہ ہو

کبھی پیچ و تاب زلف اور گیسوئے معنبر کی پریشان حالی جعد سنبل کو دکھاتی گاہ سیاہی داغ جگر لالے کی لالی سے لڑاتی غنچۂ افسردہ سے جو کچھ دل گرفتگی کی تسکین ہوتی تو گل کی ہنسی پہ پھوٹ پھوٹکر خوب روتی اور اس غزل سے دل کو سمجھاتی مؤلف ؎

لازم ہے سوز عشق کا شعلہ عیاں نہو

جل بجھئے اسطرح سے کہ مطلق دھواں نہو	اللہ ری بیخودی کہ جو دریا میں غرق ہوں	تالاب کی طرح کبھی پانی رواں نہ ہو
گل خندہ زن ہیں چہچہے کرتی ہیں عندلیب	پھولی ہوئی چمن میں کہیں زعفراں نہ ہو	بھاگو یہاں سے یہ دل نالاں کی ہے صدا
بہکے ہو یار رو یہ جرس کارواں نہ ہو	ہستی سے عدم ہے مری وحشت کی اک شلنگ	اے زلف یار پاؤں کی تو بیڑیاں نہ ہو
لینا بجائے فاتحہ تربت پہ نام یار	مرنے پہ یہ خیال ہے وہ بدگماں نہو	ناقہ چلا ہے نجد میں لیلیٰ کا بے مہار
مجنوں کی جاں پڑیگی اگر ساربان نہ ہو	چالوں سے چرخ کی یہ ہراعزم ہے سرور	اُس سرزمیں پہ جاؤں جہاں آسماں نہ ہو

گاہ لب جو کسی سرو کے پاس یاد قامت جانِ عالم میں مثل فاختہ کوکو کرتی دل بیتاب کو تڑپا کر لہو کرتی غور کریہ دنیا میں کسی چیز کو قرار نہیں اسکا سبب کارخانہ پیدا ہے کہ پائدار نہیں کبھی تو روز روشن ہے گاہ اندھیری رات ہے یہ کائنات کی کائنات بے ثبات ہے گلشن میں اگر بہار ہے تو خزاں در پے آزار ہے بلبل کو

ہزاراں چھپے یاد ہیں پر باغباں آشیاں اُجاڑنیکی فکر میں ہے دام لئے صیّاد ہیں نوحش کیساتھ گزند نیش ہے کوئی دلشاد کسی کا سینہ ریش ہے عاشق ازل سے غم کا مبتلا ہے مثل مشہور ہے کہ معشوق کی ذات بیوفا ہے اور جو کبھی کسی قسمت کے زبردست کو وفادار ہاتھ آتا ہے تو سر دست کسی نہ کسی پیچ سے فلک تفرقہ پسند رشک کھا چھڑاتا ہے اسی سہارے پر لوگ جان دیتے ہیں جی بیچ کر یہ روگ مول لیتے ہیں یہ نہیں معلوم القلیل کالمعدوم یہ جملہ تو معترضہ تھا پھر وہی قصہ شروع ہوا ایک روز فرح اندوز ملکہ بدستور قدیم بے یار وغمخوار باغ میں گئی شاہزادے کی صحبت کا خیال انجمن آرا کی گرمجوشی کا ملال تنہائی میں اپنا خراب حال دیکھ کر یہ شعر مؤلف کا پڑھا مؤلف

اک انقلاب چرخ سے افسوس دیکھنا ۔ وہ صحبتیں رہیں نہ تو وہ ہمنشیں رہے

پھر الیسا روئی کہ ہچکی لگی شام کا وقت تھا جانور درختوں پر بسیرا لیتے تھے جس درخت کے تلے ملکہ کھڑی تھی ایک طوطا اس پہ آبیٹھا گریہ زاری اُس غم کی ماری کی دیکھ کر بیچین ہوا پوچھا شہزادی حال کیا ہے کونسا صدمہ ایسا جانکاہ ہے جو اسطرح لب پر نالہ و آہ ہے ملکہ نے کہا سبحان اللہ قسمت کی گردش سے یہ حال بہم پہونچا کہ جانور مجھ پر رحم کھاتے ہیں احوال پوچھنے کو اڑ کر آتے ہیں زیادہ بیقرار و اشکبار سوگوار ہوئی یہ قاعدۂ کلیہ ہے جب کسی دلشکستہ کی کوئی دلداری کرتا ہے بندھی بات ہے دل امنڈ آتا ہے ملکہ نے بے اختیار ہو کر کہا آصف الدولہ

جو دو شخص خنداں بہم دیکھتے ہیں ۔ فلک کی طرف رو کے ہم دیکھتے ہیں

اے جانور خوش بیان سخن سنج مہربان کیا بتاؤں گھر بار سے جدا بیکسی میں مبتلا ہوں بسان آئینہ حیراں مثل زلف سیہ بخت پریشان نے کی طرح نالاں مورد صدا ندوہ بلا ہوں

بیکسی سوخت کسے می خواہم ۔ نفسے ہم نفسے می خواہم

شام تیرہ بختی کی سیاہی میں بیقرار صبح قیامت کی صورت دامن چاک گریبان تار تار ہے

کس کو اب زیر فلک طاقت رسوائی ہے ۔ کاش شق ہووے زمین اور سما جاؤں میں

دل میں الم سے خار غیر جنسوں کے دام میں گرفتار سخت مجبور ناچار ہوں طائر رنگ پریدہ ہزاروں جور و ستم میں جریدہ رہتے راحت کو ترسے آشیاں نا پدید شب فرقت کے اندھیرے میں سوجھتا نہیں خونبار ہوں ناسخ

صبح سے کرتے ہیں معمار مرے گھر کو سفید ۔ شام سے کرتی ہے فرقت کی شب تار سیاہ

طوطے نے کہا مجھے تم سے بوئے محبت آتی ہے تمہاری باتوں سے چھاتی پھٹی جاتی ہے برائے خدا اپنے راز سربستہ کو

مجھے آگاہ کرو للہ جلد مفصل حال کہو ملکہ نے قصہ عشق جانعالم انجمن آرا کا آنا وزیرزادے کی برائی جادوگرنی کی کج ادائی جہاز کی تباہی اپنا وہاں آنا اور اُنکا پتا نہ پانا جانعالم کا چھٹ جانا سب بیان کرکے کہا وہ شاہ گردوں بارگاہ ہمیں منجدھار میں ڈوبتا چھوڑ اپنا بیڑا پار لگا منہ موڑ خدا جانے کیا ہوا ہم ہیں اور رنج تنہائی ہیں بیتابی انیس ہے پریشانی ہیں ہمدم خانہ ویرانی جلیس ہے جو دم ہے دم شمشیر ہے سانس ناوک کا تیر ہے طوطا یہ باتیں سُنکر زمین گر پڑا پر نوچنے لگا ملکہ مہرنگار گھبرائی کہ یہ کیا ماجرا ہوا افسوس ہے

دیکھ کر مجھ کو وہ حاضر ہوا مرجانیکو	وہی غمخوار جو یاں بیٹھا تھا سمجھانے کو

گھڑی بھر میں جب طوطا سنبھلا بولا کہ اے ملکہ مہرنگار میں وہی طوطا کمبخت بجا شعار ہوں جس نے اُس رشک قمر کو دربدر کیا مجھ سے انجمن آرا کا ذکر سُنکر آوارہ ہوا تھا باقی حال تو آپنے سب سُنا ہوگا پھر تو ملکہ اُسے گود میں اُٹھا یہانتک روئی کہ بیہوش ہو گئی شہزادے کے یہاں کی باغبانیاں دوڑیں خلیں منگذاریں جھپٹیں کہ آج ملکہ پر کیا حادثہ پڑا جب دونوں کے ہوش و حواس درست ہوئے طوطے نے کہا آپ دل کو تسکین دیں خاطر مبارک جمع رکھیں جانعالم اور انجمن آرا دونوں خیریت سے زندہ ہیں میں نے یہ مقدمہ منجموں سے دریافت کیا تھا بالاتفاق سب اس پر ہیں کہ رنج مفارقت کے سوا جان کی خیر ہے سب آملیں گے اب مجھے رخصت کرو صبح کو خدا جانے کسوقت بیدار ہو ملکہ نے کہا واہ بعد مدت کے محرم راز ملا وہ بھی اتنا جلد چلا فلک بر سر کجی ہے بے لطف زندگی ہے دیکھیں یہ بُرے دن کب جاتے ہیں اور اچھے کیونکر آتے ہیں استاد : ایک عالم کو آزما دیکھا ؛ جسکو دیکھا سو بیوفا دیکھا ؛ حال بد کا شریک دُنیا میں ؛ نہ برادر نہ آشنا دیکھا ؛ کیوں دلا ہم نہ تجھ سے کہتے تھے ؛ جی لگانے کا کچھ مزا دیکھا ؛ سچ ہے دُنیا مریض خانہ ہے ؛ رنج میں سب کو مبتلا دیکھا ؛ کیف میں کم بہت نوازش ہے ؛ عشق خوباں میں جو نشہ دیکھا ؛ آخرش رات کی رات طوطا رہا صبح کو رخصت ہوا چلتے وقت ملکہ نے تھوڑا حال اپنا پرچے پر تحریر کر دیا کہا جہاں شہزادے سے ملاقات ہو یہ خط نشانی دیکر جو کچھ دیکھا ہے زبانی بیان کرنا وہ رقیمہ شوق لے کر راہی ہوا شہر بشہر خستہ جگر ڈھونڈتا پھرتا تھا ایکروز قریب شام بادل ناکام تھک کر لب چشمہ کچھ درخت تھے اُن پر بیٹھ کر سیل سرشک چشم پرنم سے بہاتا تھا اسی دن جانعالم اور انجمن آرا طوطے کی صورت بنائے اُسی درخت پر آبیٹھے یہ طوطا ہمجنس سمجھ دیکھنے لگا وہ دونوں مضطرب الحال ایک ٹہنی پہ بیٹھ رہے طوطا سمجھا کہ یہ بیقرار البتہ میری طرح سے دل خستہ ہیں پھڑپھڑانے لگا انجمن آرا نے کہا جانعالم دیکھنا یہ طوطا روتا ہے

شاید ہماری صورت مصیبت دیدہ مصائب کشیدہ ہے طوطا باتیں تو سمجھتا تھا پھر بیٹھا اور بولا خدائے کریم تمہیں وہ بچہ نہ دے عدو بھی تمہارا یہ ستم نہ دیکھے مجھے وہ غم ہے اور دل پر ایسا الم ہے کہ ہر دم یہ دعا ہے دشمن کا دشمن یہ صدمہ جانکاہ اور ایسے رنج نہ سیاہ دیکھے میر سوزِ جو دم لیتا ہوں تو شعلہ جگر کا جی جلاتا ہے ؛ جو چپ رہتا ہوں تو اندر ہی اندر جان کھاتا ہے ؛ جو کچھ احوال کہتا ہوں تو سننے والے روتے ہیں ؛ نہیں کہتا ہوں تو کوہ الم سینہ دباتا ہے ؛ جو جنگل میں نکل جاتا ہوں تو سب دشت پھنکتا ہے ؛ کبھی جو شہر میں آتا ہوں تو گھر بھول جاتا ہے ؛ پہاڑوں میں اگر پھرتا ہوں ٹکڑے ہو کے اڑتے ہیں ؛ جو دریا پہ کبھی جاتا ہوں سر پہ خاک اڑاتا ہے ؛ مجمع رنج و محن غرلق شط غفت ہمہ تن ہوں محسن میرا خانماں آوارہ ہوا یہ ندامت ہے مفارقت اس کی ظلم ہے قیامت ہے اُس کے ورلائے تازہ حال یہ دیکھا ہے کہ ایک عاشق صادق اپنے معشوق سے جُدا غیر جلسوں میں اسیر بلا ہے اُسکے ناوک آہ سے چھاتی سوراخدار ہے سنان نالہ کلیجہ کے پار ہے اگر گریہ و زاری یا تڑپ اور بیقراری اُسکی بیان کروں پتھر پانی ہو کر بہہ جائے سیماب کی چھاتی خجلت سے پارہ پارہ ہو راہ چلتے انجان کو رحم آئے جانِ عالم یہ سنکر پھر بیٹھا کہا وہ کون تھا جو سرگشتہ و آوارہ دشت و بادیہ ہوا اور وہ کون ہے جو نا جلسوں میں گرفتار ہوا طوطے نے اُنکی داستان گذشتہ اور ملکہ کا حال بیان کیا انجمن آرا ملکہ کا نام سنکر شگفتہ خاطر ہوئی دونوں نے صورت بدلی طوطا پہچان کر پاؤں پر گر پڑا شہزادہ گلے سے لگا کر خوب رویا

جانعالم اور انجمن آرا کا زیر درخت صورت اصلی پہ آنا اور طوطے کا پاؤں پر گرنا



کہا اے ہمدم تم سے جو ہم جدا ہوئے کس کس رنج و مصیبت میں مبتلا ہوئے دشت بدشت کوہ بکوہ خراب و خستہ دربدر محتاج پھرے۔ تم اُس دن کے گئے آج پھرے پھر ملکہ کا حال پوچھا اُس نے خط حوالے کیا پہلے انجمن آرا نے آنکھوں سے لگایا دل نے قرار پایا مضمون اضطراب بدحواسی کا مطلب سرنامے سے کھُلا کہ جانعالم کی جگہ ملکہ اور ملکہ مہرنگار کی جا قبیۂ شوق جانعالم لکھ دیا تھا اس انتشار کو سوچ شہزادے کے ہوش گم ہوئے لیکہ نامۂ شوقیہ پیچ و تاب دل اور اشتیاق ملاقات میں تحریر تھا جانعالم جب کھولتا تھا از شوق ہم آغوشی سے ہر بار خط شوقیہ ہاتھ میں لپٹا جاتا تھا مضمون مکرر سو حُسن طلب دکھاتا تھا مؤلف

نامۂ شوقیہ جب میں نے رقم اُس کو کیا   سو جگہ مضمون تب اُس میں مکرر ہو گیا

آنسو دم تحریر یعنی لکھنے کیوقت جو خط پر ٹپکے تھے دھبے اور نشان اسکے دیدۂ منتظر چشم حیرت زدہ کیطرح ہر سطر سے کھلے تھے اور سرخ ہالہ ہر حرف نے نکالا تھا ایک جدول خونی ہویدا تھی لہو رونیکی کیفیت پیدا تھی لکھا تھا حافظ ؎

از خون دل نوشتم نزدیک دوست نامہ   اِنّی رَأیتُ دَہراً مِن ہجرک القیامہ
سوادِ دیدہ حل کردم نوشتم نامہ سوئے تو   کہ تا ہنگام خواندن چشم من افتد بروئے تو

اے یار وفادار صادق الاقرار اللہ تجھے سلامت رکھے شرح اشتیاق داستان فراق قصۂ طول و طویل ہے زندگی کا بکھیڑا قلیل ہے اگر ہماری زیست منظور ہے جلد آؤ صورت دکھاؤ نہیں تو تاسف کرو گے پچھتاؤ گے تم نے آنے میں اگر دیر کی تو ہم نے صدمۂ ہجر سے تڑپ تڑپ کر جان دی مٹی کے ڈھیر پر رو رو کر خاک اُڑاؤ گے مؤلف ؎

شکل اپنی دکھلاؤ ہم کو خدا کیواسطے   جان جاتی ہے اجی آؤ خدا کیواسطے

کوئی دم کا دم سینے میں مہمان ہے نام کو جسم میں جان ہے فلک نے ہماری صحبت کا رشک کھایا بے تفرقہ پردازی ظالم کو چین نہ آیا روز و شب رنج جدائی سے جان کھوتے ہیں اتنا کبھی کاہے کو کسی دن ہنسے تھے جیسا اب بلک بلک کر فرقت کی راتوں میں روتے ہیں میری بیتابی دل کسے سُنائیں :: یہ دیدۂ تر کسے دکھائیں :: تمہاری تقریر ہر دم برزبان ہے بے تصور سے باتیں کئے چین کہاں ہے اشعار ؎

یہ جانتے تو نہ باتوں کی تجھ سے خو کرتے   ترے خیال سے پہروں ہی گفتگو کرتے

ہمارے تڑپنے سے ہمسایہ سخت تنگ ہے دولتسرا زندان سے تیرہ و تنگ ہے تمہارے گر یونہی رہے گی بیقراری :: تو ہو چکی زندگی ہماری :: وحشت پیرامون حال ہے ہر گھڑی فرقت کی مار ہے جو پہر ہے وہ سال ہے میرے دل کو کوئی دم میں خون ہو جائیگا :: آج کل میں جنون ہو جائے گا :: تمہاری صورت ہر پل روبرو ہے جس طرف

دیکھا تو ہی تم ہے چشم فرقت دیدۂ دریا بار ہے آنکھ نہیں چشمۂ آبشار ہے جن کی آنکھوں کو تم پر نم نہ دیکھ سکتے تھے اُنسے خون کے دریا بہہ گئے مؤلف ؎

تم نے نہ ہماری پر خبر لی
چھاتی پتھر کی کیوں جی کر لی

دن رات کی وہ صحبت تمہارے ساتھ کی جب یاد آتی ہے نیند اچٹتی ہے بیچینی کی رات پہاڑ ہو جاتی ہے کاٹے نہیں کٹتی ہے چارپائی تنہائی میں پلنگ بنکر کاٹے کھاتی ہے خواب میں نیند کا خیال کھلا پانی ہجر میں حرام ہے حلال نہیں وہ سر جو اکثر آپکے زانو پر رہا ہے اُسکو سو سو بار بالش و بالین پر پٹکا مؤلف ؎

جس میں باہیں تری حمائل تھیں
طوق حسرت میں اب وہ گردن ہے

میرے جاگنے کے اے پیارے ستارے شاہد ہیں گواہ شرعی زاہد ہیں مرغ سحر کو بیقراری سے چونکاتی ہوں مؤذن کی نیند آہ وزاری سے اُڑاتی ہوں شب وصل یہ ہمیں جگاتے تھے اب ہجر کی رات ہم انہیں سونے نہیں دیتے من مانتے بدلے لیتے ہیں دل ہر ساعت گھڑی سے زیادہ نالاں ہے ہر پہر گجر سے فزوں شور و فغاں ہے چشم پر اختر معائنہ حال زار سے بحیرت وا ہے چرخ گرداں میری گردش دیکھ کر چکر کر رہا ہے استاد ؎

کھا لیجئے تھوڑا زہر منگا ہم اور کہیں تم اور کہیں
کیا لطف ہے ایسے جینے کا ہم اور کہیں تم اور کہیں

افشائے حال باعثِ ندامت موجب دشمنوں کی خوشی کا سبب دوستوں کے ملال کا ہے لا اعلم ع دل من داند و من دانم و داند دل من ؛ اگر جیتے جی مل جائینگے رنج فرقت کے دکھڑے مفصل زبانی کہہ سنائیں گے اور جو ملک کو یہی منظور ہے تو انسان مجبور ہے اس حسرت کو بھی زیر گور لیجائیں گے سعدی ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ؛ بعد نماز پنجگانہ یہ دعا ہے جامع المتفرقین سے یہی التجا ہے کہ تمسے جلد ملاقات ہو جائے جان زار دلِ بیقرار کو چین آئے زیادہ ملاقات کا اشتیاق ہو اشتیاق اور جدائی کا صدمہ جانکاہ سخت شاق ہے شاق خوگر وصل ہجر کے الم کا مبتدی ہے مشتاق

یہ خط کا مضمون جو پڑھا دونوں نے رو دیا اور سرِ نو مع سر نامہ سر بمہر نامہ بھگو دیا اُس رات کو تو چار و ناچار وہاں مقام کیا صبح ہوتے ہی صورت بدلی کوچ کا سر انجام کیا آگے آگے طوطا پیچھے پیچھے وہ دونوں تیز پر

پہونچنا جانعالم اور انجمن آرا کا مع طوطے ملکہ مہر نگار کے پاس پھر ملاقات ہمدگر فوج بھیجنا وہانکے بادشاہ کا لوگوں کا مل جانا بادشاہ کا آنا پھر اسکی گرفتاری او جانعالم کی سیر ختنی

پلا دے تو ساقی مے لالہ فام
کہ ہوتے ہیں معشوق عاشق بہم

ہوا چاہتا ہے یہ قصہ تمام
جدائی کے ایام طے ہو چکے

وہ مے دے کہ ہو دور دل سے الم
شب ہجر میں خوب سا رو چکے

مچاؤں کوئی دم بھلا تپ چھپے — کہ رنج جدائی بہت سے سہے — مثل ہے یہ مشہور اے ذی شعور

کہ ہے رنج کے بعد راحت ضرور

محرران حال طالب و مطلوب حاکیان حکایات خوب لکھتے ہیں کہ وہ پرندۂ ہوائے شوق یعنی جانعالم مع انجمن آرا طوطے کیسا تھ آٹھویں روز ملکہ کے پاس پہونچا یہاں جس دن سے طوطا رخصت ہوا تھا ملکہ مہر نگار دونوں وقت بلاناغہ اُس درخت کے تلے جہاں طوطا ملا تھا آکر یہ کہتی تھی میر سوزؔ مانند جرس پھٹ گئی چھاتی تو فغاں سے ؛ فریاد کو پہونچا نہ کوئی راہ رواں سے ؛ اس طرح ایک روز موافق معمول ؛ دل ملول قریب شام درخت کے نیچے حزیں و زار طوطے کے انتظار میں کھڑی تھی اور آنکھ ٹہنی سے لڑی تھی اور دیدۂ خونبار سے تا دامن یاقوت اور موتیوں کی لڑی تھی جب دل سوختہ گھبراتا تو آہ سوزدروں مثل دخان لب پر آتی جی بہلانیکو یہ غزل پڑھتی مؤلفؔ

آتش فرقت سے سینہ جب سے مجمر ہو گیا
پھنک کے لخت دل مرا ہر ایک اخگر ہو گیا

باعث افتائے ذلت دم نہ مارا میں نے گاہ
ورنہ زیر آسماں کیا کیا نہ مجھ پہ ہو گیا

نزع تک تو آمد جاناں کا کھینچا انتظار
وہ نہ آیا وعدہ اپنا یاں برابر ہو گیا

کیا ڈراتا ہے ہمیں واعظ سنا شور نشور
شام فرقت یاں عذاب روز محشر ہو گیا

اب جو ہنستا ہوں تو ہنستے ہنستے بھی گرتے ہیں اشک
روتے روتے آخرش رونے کا خوگر ہو گیا

فکر پھر کس کو ہے دیوان جمع کرنے کی سرورؔ
اپنا جب مجموعۂ خاطر ہی ابتر ہو گیا

دفعتہً طوطے نے سلام کیا وہ خوش ہو کر بولی اے قاصد نیک صدا ہُد ہُد شہر سبا میرے سلیمان حسن و خوبی کا پتہ پایا اُس بلقیس محبوبی کا سُراغ ہاتھ آیا طوطے نے کہا اے ملکہ عالم قدر دان خبرداروں کو خلعت و انعام دیتے ہیں جب دوست کا پیغام پوچھتے ہیں علی الخصوص یہ خبر فرحت اثر پہلے یہ ارشاد ہو کہ اگر پتہ بتاؤنگا اسکی اجرت کیا پاؤنگا یہ سُنکے ملکہ کی جان رفتہ بدن میں آئی یقین ہوا کہ سچ خبر پائی یہ کہا استادؔ

پیغام دوست جلد تو پیغام بر سُنا
گھبرا کے دم ہی جائے نہ میرا کہیں الٹ

طوطا عرض کرنے لگا حضور کا فرمانا بجا ہے مگر ایسی بات کا جلد کہنا حمق کا مقتضا ہے اُستادؔ

دفعتہً خوگر فرقت کو نہ دے مژدۂ وصل
خبر خوش نہیں اچھی جو یکایک ہووے

طوطا بات کو طول کر دیتا تھا کبھی خوش گاہ ملول کر دیتا تھا ملکہ بے چین ہوئی جاتی تھی ادھر شہزادے یا وہ انجمن آرا گھبراتی تھی غرض نہ رہ سکی صورت بدلی جانعالم مجسم ہو کر سامنے آیا انہیں معشوق وہ عاشق عاشق و معشوق

تصویر انجمن آرا و جانعالم اور ملکہ مہر نگار کی باہم ملاقات ہونا



گلے ملکر روئے غبار کلفت پارینہ داغ مہاجرت دیرینہ دل کھولکر صفحۂ سینہ سے دھوئے رونیکی آواز سے مغلانیاں خواصین جمع ہوئیں جنکی آنکھ ان دونوں پہ پڑی دوڑ کر صدقے ہوئی اور پاؤں پر گر پڑی جل جلالہٗ حُسن خوب سے کوئی چیز زیادہ دلکش اور محبوب نہیں دوست تو دوست ہے دشمن عشق کرجاتا ہے لڑکا ہو یا بوڑھا شیدا نظر آتا ہے مال تو کیا مال ہے سُوت کی آنٹی بھی اگر پاس ہو تو انٹی ماری سے خریدار بن جاتا ہے جان عزیز نہیں حرمت کچھ چیز نہیں غلام کی غلامی پر آقا فخر کرتا ہے جان تازہ پاتا ہے جو کوئی کہتا ہے کہ یہ اس پر مرتا ہے عیاذاً باللہ یہ امر محمود نہیں اسمیں غیر ضرر کچھ سود نہیں غرضکہ خرم و خنداں بارہ دری میں آئے انجمن آرا سے ملکہ نے حال پوچھا اُس نے دیو کا اٹھا لیجانا باغ کی بے سروپائی پھر جانعالم کی رسائی اور سفید دیو کا آنا باہم کی لڑائی آفت سے چھڑانا اپنی پیادہ پائی صحرانوردی ہوا گرم پاؤں کا ورم پھر وہ عمل جوگی کا بتایا ہوا شہزادے کا سکھانا طوطے سے درخت پر جل جانا سُنا دیا پھر اُس نے جانعالم سے سرگذشت پوچھی اپنی صعوبت کہی گذشتہ کا حال بیں ذکر کرکے جو کچھ دھیان بندھا پھر سب رونے لگے طوطا بدمزہ ہوا کہا صاحب یہ قصہ بکھیڑا دور کرو ہنسی خوشی کا مذکور کرو یاد رکھو یہ بات گذشتہ را صلوات۔ مصحفی

جز حسرت و افسوس نہیں ہاتھ کچھ آتا	ایام گذشتہ کو کبھی یاد نہ کیجئے

ملکہ بولی اے شیریں مقال مبارک قدم خجستہ فال شہزادہ سا عقل کا دشمن دیکھا نہ سُنا شعر

معلوم ہم کو دل کے سلوکوں سے یہ ہوا	ناداں ہے جو دوست وہ دشمن ہے جان کا

اُس لیے جتنی محنت و مشقت اٹھائی اپنی بدعقلی کی سزا پائی بھلا عالم تنہائی میں جو کچھ کیا سو کیا دو تین بار اپنے ساتھ ہم دونوں کو خراب آفت کا مبتلا کر چکا ہے آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے یہ کہہ کر روبروئے دشمناں بند دوست با دلِ خورسند باہم بیٹھے اور دورِ ساغر بے دغدغہ فلک تفرقہ پسند و سفلہ پرور شروع ہوا مطرب نے ساز کی ناسازی پر گوشمالی دی صدائے عیش و طرب بلند ہوئی یہ خبر بارہ دری میں مشہور ہوئی اور وہاں کے بادشاہ کو پہونچی کہ ایک مرد صاحب جمال دوسری عورت پری تمثال ملکہ کے پاس تازہ وارد ہوئے کہنے لگا الحمد للہ ایک موجود تھی دو اور آئے پھر دو ہزار سوار جرار اور دو سپہ سالار تجربہ کار نگہبانی کو بھیجے جانعالم نے یہ ماجرا سنا کہا فضل الٰہی چاہیے بعد مدت یہ صحبت ہمدگر میسر ہے صبح سمجھ لیں گے سوار تو باغ گھیرے رہے یہ تمام شب جلسے کئے گئے بوقت خسرو خاور آرام گاہ مشرق سے برآمد ہو کر جلوہ گر تخت زنگاری ہوا اور سپہ سالار انجم مع سواران سیارہ کوہ مغرب کی طرف فراری ہوا جانعالم حمام سے غسل کر کے نکلا اُس لوح سے اسم تسخیر پڑھتا باغ کے دروازے پر آیا جس کی نگاہ پڑی اسم کی برکت سے آداب بجا لایا دست بستہ روبرو آیا وہ دو ہزار سوار مع سپہ سالار فرمانبردار ہوئے پھر تو دروازہ بہ کشادہ پیشانی کھولا یہ خبر وحشت اثر اُس بادشاہ کو پہونچی اور سوار پیادے لڑائی کے آمادے بھیجے وہ بھی جب سامنے آئے حلقۂ غلامی کان میں ڈالا جنگ کا خیال نہ رہا پھر تو مشہور ہوا کہ ساحر ہے المختصر تمام فوج آکر حاضر ہوئی اُس وقت وہاں کا تاجدار طیش کھا کر سوار ہوا کہاں یہ سوار کجا انبوہ بے شمار تلوار چلی دس پانچ زخمی ہوئے کچھ جان سے گئے اور فوج نے زغہ کر جان سے تو نہ مارا کمندوں میں پھنسا لیا اور جانعالم کے حوالے کیا شہزادہ عالی حوصلہ خوف خدا سے اور نحوست طالع نارسا سے مثلِ بید کانپا اور فرمایا اللہ وقت کسی کو نہ دکھائے جو دوست دشمن ہو جائے یہ ارشاد کر اُس سے بغلگیر ہوا برابر بٹھایا قتل سے ہاتھ اُٹھایا وہ بیچارہ نادم و پشیمان سر در گریبان گھٹنے پر گردن جھکا منفعل خاموش بیٹھا شہزادے نے کہا مسافر کشی صفت شاہی سے بعید ہے ہم تمہارے مہمان تھے تم نے دعوت کے بدلے عداوت کی اللہ کو یہ بات پسند نہ ہوئی عبرت کا تماشہ دکھایا یہ سلطنت آپکو مبارک میں غریب دیار کمر باندھے چلنے کو تیار ہوں اس لڑائی کا قصہ فسانہ ہو جائیگا امروز فردا مسافر روانہ ہو جائیگا وہ اُس کی فصاحت و بلاغت اور یہ سیر چشمی دیکھ کر حیران ہوا کہ دشمن کو گرفتار کیا پھر ملک بخش دیا سر جھکا کر بولا خدائے عزوجل لائق حکومت قابل سلطنت آپکی ذات فرخندہ صفات ہے جانعالم نے کہا آپ یہ اپنی تعریف کرتے ہیں

دگرنہ من آنم کہ خوب میدانم القصہ وہ محجوب ہو کر رخصت ہوا فوج کو صلح جو ثابت ہوئی اپنے بادشاہ کے ہمراہ چلی جب یہ جنگ زرگری ہو گئی مکان پر آ کر بہت تیاری سے دعوت کی اور عذر تقصیر کر عفو کا اُمیدوار ہوا شہر میں یہ چرچا ہوا اہلِ شہر مشتاق ہو غول کے غول آنے لگے روز باغ کے رُوبرو میلہ ہوتا تھا کسی وقت شہزادہ نہ اکیلا ہوتا تھا پھر جاسوس شتر سوار ہرکارے فوج کے تجسّس میں روانہ کیے چالیس منزل پر لشکر ملا جانِ عالم کی مفارقت سے کسی میں جان نہ تھی فرمان مہری دیکھ کر جان تازہ پائی پھر آنکھوں سے لگائی رات دن کوچ کرتی بیس پچیس دن میں برسم یلغار فوج داخل ہوئی شاہزادہ لشکر کو ملاحظہ فرما کر مسرور ہوا ملال بھولا ارکانِ سلطنت نے ملازمت حاصل کی سب نے نذر دی موافق قدرت و منزلت خلعت اور انعام خاص و عام کو مرحمت ہوا اور رعایا برایا بازاری اہلِ حرفہ کو بھی کچھ دیا فوج کے سرداروں کو خلعت جواہر نگار سپر و شمشیر مرصّع کار عنایت کیے دو ماہہ تمام فوج کو انعام میں دیا از سرِ نو لشکر چمکا دیا پھر وہاں سے کوچ ہوا وہی راہ میں جلسے اختلاط فسانے حکایات عیش و نشاط طوطا ہنساتا رمز و کنایے کرتا لطیفے سُناتا دل بہلاتا ہر صبح با خاطر شگفتہ مثلِ نکہت گل کوچ ہر شام لبان فصل بہار بہ آسائش مقام روز و شب براحت و آرام رو بہ راہ ہوئے۔

ورودِ لشکر نصرت آمود پُربہار جنگل میں جاڑے کی شدت صحبت شراب کے نشے کی ترنگ میں خیالات فاسد کا آنا کج بحثی باہم کی پھر طوطے کا سمجھانا شہزادے کا پچھتانا

ناگاہ ایک روز گذر موکب حشمت و جلال با فر و شوکت کمال ایک صحرائے باغ و بہار دشت لالہ زار میں ہوا فضائے صحرا قابلِ تحریر کیفیت دشت گلشن آسا لائق تقریر بو باس ہر برگ و گل کی رشک مشک اذفر صفحہ بیابان معنبر و معطر چشموں کا پانی صفا میں آب گہر سے آبدار تر ذائقے میں بہ از شیر و شکر چلّے کے جاڑے کڑاکے کی سردی تھی گویا کہ زمین سے آسمان تک یخ بھر دی تھی پرند اور چرند اپنے اپنے آشیانوں اور کاشانوں میں جمے ہوئے بیٹھے بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھاتے تھے دھوپ کھانے باہر نہ آتے تھے قصد سے تھرتھراتے سردی سے سب کا جی جلتا تھا دم تقریر ہر شخص کے منہ سے دھواں دھار دھواں نکلتا تھا آواز کسی کی کان تک کسی کے کم جاتی تھی منہ سے بات باہر آئی اور جم جاتی تھی مار سیاہ اوس چاٹنے باہر نہ آتا تھا سردی کے باعث دُم دبا کے بانبی میں بھاگ جاتا تھا زمانہ کے کاروبار میں خلل تھا ہر ایک

دست در بغل تھا عاشق و معشوق بھی اگر ساتھ سوتے تھے گھٹتے تھے مگر گھٹنے پیٹ سے جدا نہ
ہوتے تھے اشک شمع انجمن لگن تک گرتے گرتے اولا تھا پروانوں نے گرد پھرتے پھرتے ٹڈا تھا شعلہ
کانپتا تھا فانوس کے لحاف میں منہ ڈھانپتا تھا شمع کا جسم برف تھا پگھلنے کا کیا حرف تھا ہر سنگ
کے سینے میں آگ تھی گواہ شرعی شرر تھا لیکن سردی کو بھی یہ لاگ تھی اور جاڑے کا ایسا اثر تھا
کہ سلیں کی سلیں جمی پڑی تھیں فولاد سے زیادہ کڑی تھیں تنور فلک چہارم کی چھاتی سرد تھی
گلخن میں یہ برودت تھی کہ کشمیر گرد تھی لنجوں نے بٹیر پکڑے لوے لولوں کے ہاتھ آئے لنگڑے
ہرن باندھ لائے سرزمین ہند میں مردے نہ جلتے تھے زندوں کے ہاتھ پاؤں گلتے تھے آتش رخسار
گل شبنم نے بجھائی تھی باغ میں بھی جاڑے کی دہائی تھی اوس برگ و بار کی صنعت پروردگار
کی دکھاتی تھی مرصع کاری یک لخت نظر آتی تھی دانہ ہائے اشک شبنم خواہ بڑے یا رینہ سے تھے ہر
شجر کے پتے اور شاخ میں الماس اور موتیوں کے آویزے تھے عذار لالہ احمر رنگ زعفران تھا طلائی
درختوں کی ٹہنیاں کہربائی پتے بہار میں رنگ خزاں تھا اس سردی کا کہیں ٹھکانا تھا حمام تہ خانے
کا خسخانہ تھا آگ پر لوگ جی نثار کرتے تھے زردشت کا طریق اختیار کرتے تھے اس زمانے میں جاڑے کی
یہ ترقی تھی کہ آج تک بتوں کی سرد مہری نہ گئی آفتاب عازم برج حمل تھا آتش پرستوں کا عمل تھا زلیت سمندر
کے عنوان تھی آگ خلقت کی جان تھی عاشق تو کیا معشوق ٹھنڈی سانس بھرتے تھے گرمی نہ کرتے تھے
دانت سے دانت بجتا تھا ہونٹ نیلم کو شرماتے تھے پان کے لاکھے میں سوسن کی پنکھڑی سی نظر آتی تھی،
عاشق تن پر لیل کو ساتھ سلاتے تھے اس پر بستر کو گرم نہ پاتے تھے جاڑے میں ہر ایک المست تھا
عالم اللہ کا آتش پرست تھا جاڑے سے اس دشت میں ایسا پالا پڑا تھا تمام اہل لشکر کو تپ لرزے کا عالم
تھا بانکے ترچھے اینٹھے جاتے تھے ڈھال تلوار کھڑکھڑانے کے عوض دانت کڑکڑاتے تھے تپنچے چقماق پتھر
کلے ٹھی سے بیکار ہو گئے تھے چاپ کے پتھر آگ نہ دیتے تھے اور توڑے دار کا یہ حال تھا کہ بوجھ کندہ توڑے
دیتا تھا قدم اٹھانا محال تھا توڑا ہر ایک گل تھا طوطے کی جگہ شور بلبل تھا ہوش لوگوں کے کانپتے تھے کیچ پکی
مٹی کو الاؤ سمجھ پھونکتے ہانپتے تھے بلا تم لوگوں کے حواس جم گئے تھے جگنو کو چنگاری کے دھوکے اٹھانے
کو تھم گئے تھے سردی لبسکہ کار فرما تھی ایک کو دوسرے کی تمنا تھی یہاں تک جاڑے کا زور و شور عالم گیر ہوا تھا
کہ کرۂ نار زمہریر ہوا تھا جان عالم نے فرمایا آج خیمہ ہمارا یہیں ہو لعبد و ہ متوجہ سامان عیش و نشاط ہوا اور ملکہ

انجمن آرا سی پری پیکر محبوب طوطا مصاحب بے بدل بدل مرغوب دور شراب کا گردش میں الاکشتی شراب
کی نہ جلتی تھی اور کباب بھوننے کو آگ نہ جلتی تھی گلاس شراب کا برف کی قفلیوں کو شرماتا تھا قطرہ مے
اس میں گرتے ہی جم جاتا تھا مینائے بے زبان کے منہ پر روئی تھی ایسی سردی ہوئی تھی گلا بیٹھا تھا
جب بہت غل کرتی تھی تب قلقل کرتی تھی لب ساغر خشک جسم پر پسینہ تھا پانی کا پیالہ فخر آبگینہ تھا جاڑے کا
لشکر میں ہر طرف شور و غل تھا بازارین روئی کا لین دین بالکل تھا جب دورِ آفتاب ماہ جبینوں میں چمکا
عالم سرور میں جانعالم کو خیال نزدیک و دور آیا دل میں سوچا کہ اتنے عرصہ دراز زمانہ دیر باز تک ملکہ اور
انجمن آرا کو ہم سے فرقت غیر کی قربت رہی رنڈی کا اعتبار کیا ہے یہ قوم قدیم سے بیوفا ہے فردوسی

اگر نیک بودی سر انجام زن	زناں را مزن نام بودے نہ زن

یہ نشیب و فراز جو ذہن میں آیا جلی کٹی ہونے لگی کج بحثی صحبت کا لطف کھونے لگی وہ سبزہ پوش
خانہ بدوش موقع شناس مزاجدان دلسوز ادب آموز بے زبان بلبل ہزار داستان دل کا حال جانتا تھا اڑتی
چڑیا پہچانتا تھا سمجھا جانعالم کی طبیعت کبیدہ ہوئی قریب وقت آیا چاہتا ہے کہ ایسی گفتگو آغاز ہو جسکا انجام یہ
صحبت درہم برہم کرے بات کو کاٹ طبیعت کو اچاٹ کہنے لگا شہزادہ اس کیفیت سے حرام ہے کہ اس
کی ترقی میں عقل کو تنزل ہے خیالات لاطائل آتے ہیں احسان بھول جاتے ہیں فقط گمان بےجا و خیال
رہ بھی نشے کے حال کا اس پر حق خدمت ہو کر نا دیکھی صورت بنانا فوراً بگڑ جانا آدمیت سے بعید ہر ایک
ساعت ادھر مخاطب ہو جئے اس مدت مفارقت میں جو جو سانحے دیکھے افسانے اپنے بیگانے کے یاد کئے ہیں اگر
بگوش ہوش انہیں سنیئے تو یہ تخیلات فاسد دفع ہوں جانعالم نے کہا ایسی بات اس وقت واجب ہی ہے جلد کہہ

طوطے کا بیان کرنا قصہ شاہ قوم بنی اسرائیل کا بھاوج پر فریفتہ ہونا دین و ایمان کھونا پھر سنگسار کرنا عورت کی بادیہ گردی پھر اسی شہر میں آنا

طوطے نے کہا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ تھا
نیک طینت باصفا سخی و شجاع عابد پارسا اسکے عہد دولت میں دو بھائی تھے ایک تو شہر کا قاضی دوسرا مفتی
بظاہر مرد مسلمان صاحب ایمان مفتی کی بیوی نہایت شکیلہ بہت جمیلہ تھی اتفاقاً عند الضرورت مفتی کو
بادشاہ نے کہیں دو چار منزل بھیجا وہ اپنی عورت دم رخصت بھائی کو سونپ گیا قاضی گاہ گاہ خبر کو
اس عورت کے پاس جاتا تھا پر وہ اسی واسطے خوب ہوتا ہے جتنا دنیا کا قصہ بکھیڑا ہے

سب آنکھوں سے دیکھا سنا ہے وہ بدر جبین تھی قاضی کی آنکھ پڑی فریفتہ ہوا چند روز میں ولولۂ طبیعت
حد سے فزوں بلکہ قریب بہ جنوں ہوا مگر وہ عورت جیسی خوب صورت تھی اُس سے زیادہ عصمت و عفت
رکھتی تھی ایسا حُسن حسنِ اتفاق سے ہوتا ہے قاضی نے ایک روز اُس سے سوال وصال کیا اُس
نے اِس امر سے از حد انکار کر خوشامد کا کچھ خیال نہ کیا قاضی سمجھا یہ راضی نہ ہوئی اور نہ
ہوگی خفت میں دُور اندیشے ہوئے ایک تو محرومیِ وصال دوسرے افشائے راز کا خیال گھبرا کر
بادشاہ سے عرض کی کہ دمِ رخصت میرا بھائی اپنی جورو مجھے سونپ گیا تھا اُس فاحشہ نے اُس کی
غیبت میں زنا کیا مجھے ثبوت کامل ہوا بادشاہ نے مردِ متشرع سمجھ صاحبِ زہد و ورع جان کر
اختیار دیا قاضی نے اُس کو تنہا لیجا کر سمجھایا کہ اب تک خیر ہے مجھ سے راضی ہو نہیں بڑا شر ہوگا تیرا ضرر
ہوگا دل پر جبر اختیار کروں گا تجھے سنگسار کرونگا وہ عورت شیر صفت اُس گیدڑ بھبکی سے ڈری مرگ پر
راضی ہوئی اُس کمبخت شہوت پرست نے شہر کے باہر لے جا کر اُس کو سنگسار کیا خلقِ خدا عبرت گیں خائف
دل لرزاں اپنے اپنے گھر پھری وہاں حافظِ حقیقی نے شیشۂ حیات اُس نیک صفات کا سنگِ ستم قاضی
سے بچا لیا ٹھیس نہ لگی خواہش بے جا میں ایسا ہی ہو جاتا ہے عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں شب کو عورت
پتھر سر کا ایک سمت پیادہ پا روانہ ہوئی جنگل میں ایک ویرانی تھی مرد خدا پرست بستی کو چھوڑ اہل
دُنیا سے منہ موڑ دشت بسایا تھا یہ جب وہاں پہونچی اُس حق پرست نے اُس نے غریب الوطنی پر رحم کھایا
لڑکا اُس کا خُرد سال تھا اُس کی خبر گیری کو اپنے پاس رکھا اُس ویرانی کا ایک غلام سخت نُطفۂ
حرام تھا بد ذات گیدی مشہور ہے لاخیر فی عبیدی رنڈی جوان دیکھ کر عاشق ہوا بہت چاپلوسی
کی وہ ڈھب پر نہ چڑھی اُس شقی نے ویرانی کا لڑکا ذبح کر تہمت اُس عورت پر کی اولاد کی محبت
مشہور ہے امیر ہو یا فقیر اس میں مجبور ہے ویرانی کو بشدت رنج ہوا لیکن وہ صابر شاکر تھے عورت
سے کچھ نہ کہا بجز کہ رضینا بالقضا اور بیس دینار زادِ راہ دے کر رخصت کیا وہ بیچاری مصیبت
کی ماری پھر چل نکلی ایک شہر میں وارد ہوئی بازار میں بھیڑ دیکھی شور و غل برپا تھا اور ایک شخص کو زنجیر و
طوق میں پھنسا کشاں کشاں لوگ لئے جاتے تھے عورت نے پوچھا اس سے کون سا جرم قبیح سرزد
ہوا جو ایسی آفت میں مبتلا ہے لوگوں نے کہا یہ بیس دینار کا قرضدار ہے ادا کی طاقت نہیں اس کے
بدلے یہاں کے سردار نے دار کا حکم دیا ہے عورت کو رحم آیا وہی ویرانی کے دینار دے کر قید سے



آنکھوں میں بینائی جسم میں تاب و توانائی آئی بادشاہ جلد سوار ہوا ہودوں سے لشکر میں جا کر دو چار ہوا شہر والوں نے سنا صغیر و کبیر برناؤ پیر دوڑے دونوں لشکر جلو میں ہمراہ آگے آگے جہاں پناہ روپیہ اشرفی دو رویہ تصدق ہوتا محل سرا میں لا کر اُتارا جانعالم کی ماں نے انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کو دیکھا جان و دل دونوں پر نثار کیا بہت سا پیار کیا مبارک سلامت کی صدا در و دیوار سے پیدا ہوئی جس نے دیکھا وہ شیدا ہوئی دوسرے دن ملکہ اور انجمن آرا نے شاہ فیروز بخت سے عرض کی کہ اگر حضور کی اجازت ہو تو شہزادے کے محلسرائے قدیم میں ہم جائیں ماہ طلعت سے ملاقات کرائیں بادشاہ نے فرمایا عورت بدبخت مُنہ پھٹ بڑھ بولی فضول ہے اسے شرمندہ کرنے سے کیا حصول ہے میاں مٹھو بھی حاضر تھے بول اٹھے قبلۂ عالم یگانگت مقتضائے ملاقات ہے خفّت و ذلّت کی کیا بات ہے بادشاہ چپ ہو رہا شہزادیوں نے سواری طلب کی طائرِ پراں نے پیشقدمی کر ماہ طلعت کو سلام کیا اُسنے سر جُھکا لیا یکایک سواریاں آ پہونچیں اسوقت وہ بیچاری خفّت کی ماری اُٹھی استقبال کیا دونوں نے گلے سے لگایا مسند پر جا بیٹھیں ملکہ بڑی متعزز خوش بیان تھی انجمن آرا اتنی طرار کہاں تھی سلسلۂ کلام بہ دلداری تمام کھولا کہ ہماری جانب اور گمان نہ لانا ہم بہرحال شریک بشاشت رفیق ملال ہیں طوطا انجمن آرا کے سامنے آیا ماہ طلعت سے کہا حضرت سلامت اتنا زبان مبارک سے فرماؤ کہ آج سچّا کون ہے جھوٹے کے منہ میں کیا ہے اور تو کیا کہوں آپ کی کج بحثی سے جانعالم کے ہاتھ یہ لوگ مہر جبین ماہ سیما آئے گو اتنا چکر ہوا

میرے سبب سے آپکو ندامت ہوئی جھوٹے کے منہ میں گھی شکر ہوا انجمن آرا تو سیدھی بھولی تھی۔ طوطے سے بدمزہ ہوئی فرمایا دیوانے کیا بیہودہ بکتا ہے پھر ماہ طلعت سے کہا سنو میری جان یہ جانور بے شعور عقل سے دور حیوانیت سے مجبور ہے دنیا کا کارخانہ فسانہ ہے ہاں یہ حسن وخوبی عارض عارضی ہے اس پر کیا اترانا ہے یہ کیفیت یہ جوبن یہ سن دو چار دن کا ہے ناپائدار اس کا کیا اعتبار رنگِ چمن دنیا جاوداں نہیں کونسی بہار ہے جسے خزاں نہیں حسن پر غرور بیجا ہے سرور یہ کہتا ہے ؎

بہتا دریا ہے یہ حسن ہمیں ارے دھو لے ہاتھ	بے خبر اتنا ہے کیوں بر سرِ ساحل بیٹھا

کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام **نظم**

نظر پڑا چمن دہر میں جو ہم کو مکان	ہزار خار ہوئے دیکھی بلبلِ نالاں
ہمارے زعم میں اس سا نہیں کوئی نادان	جو اپنے حسن دوروزہ پہ کچھ ہوا نازاں
شکستہ رنگیِ گلِ شاہد چمن ہے یہاں	کہ اس بہار کا انجام آخرش ہے خزاں
گھمنڈ اس پہ حماقت کی بس نشانی ہے	مقام عبرت وحیرت سرائے فانی ہے

آخر کار دونوں نے ماہ طلعت کو شیریں زبانی اور اپنی خوش بیانی سے شگفتہ خاطر کیا دو چار گھڑی ہنسی خوشی اختلاط رہا مگر طوطا نوک جھونک چھیڑ چھاڑ کیے گیا پھر رخصت ہوئیں اس نے حاضر ہونیکا وعدہ کیا واقعی جنہیں اللہ حسن بے مثال مرتبہ جاہ وجلال دیتا ہے اُن لوگوں کا دل صفا منزل غبار کلفت اور عجب نخوت سے صاف اور مرآت سینہ زنگ حسد وکینہ سے شفاف ہوتا ہے القصہ باہم بے رنج والم رہنے لگے سب شاد ہر روز خنداں وخرم وفرحاں بسر کرنے لگے نئے سر سے وہ اجڑا شہر بسا بنائے ظلم وستم منہدم ہوئی مروج عدل وداد ہوا دونا سابق سے حال میں آباد ہوا خزاں چمن سے دور ہوئی بلبل نالاں مسرور ہوئی ایک روز جانعالم نے تمام خلقت کو در شہر پناہ پر طلب کر کے وہ بکری کا بچہ دکھا نمک حرامیاں اُسکی سنا جلاد سے حکم کیا اسکے اعضا اعضا سے جدا بے دست و پا کر زاغ وزغن کو گوشت کی بوٹیاں اڑا کر کھلا دو شکاری کتوں کو لہو بہا کر چٹا دو پھر دار شاد سر اس بدنہاد کا تیغ جلاد سے جدا ہو گیا خلق خدا یہ حال دیکھ ماجرا اُن کے تھرا گئی سب نے اُس بے دین پر لعنت اور نفرین کی جانعالم نے دولت سرا کی راہ لی اُسی روز فیروز شاہ نے تاج وتخت بیٹے کو حوالہ کیا خود گوشۂ تنہائی لیا بادشاہ شب اپنی عبادت اور بیداری میں سحر کرتا تھا

بڑی فکر رہتی تھی ہر صبح و شام
وہ بچھڑے تو سب ہو گئے ایک جا
نہی شرح جو یہ فلک ناتمام

ہوئی فضل حق سے کہانی تمام
رہے اپنے مطلوب سے ہم جدا
سرور حزیں توسن خامہ تھام

غرضکہ شہزادۂ جانعالم منزل بمنزل مسافت طے کر مع الخیر وطن پہونچا دو کوس شہر سے باہر خیمہ برپا ہوا لشکر ظفر پیکر اُترا یہ خبر فسحت آباد میں گھر گھر مشتہر ہوئی کہ کوئی غنیم فوج عظیم لیکر وارد ہوا شہر کا یہ نقشہ تھا جس روز سے جانعالم مفقود الخبر دربدر ہوا تھا ویران پڑا تھا اور بادشاہ گریبان چاک سر پہ خاک نہ تخت کی خبر نہ سلطنت سے سروکار نہ ملک سے مطلب نہ دربار سے غرض دیوانہ وار بادل بیقرار محل میں پڑا رہتا تھا اور شاہزادے کی ماں بھی غمگین اندوہناک بے چین دن رات غم کی حکایات اندوہ کے بین نصیب کی شکایت لب پر شور و شین خلش نشتر غم سے کوئی ساعت قرار نہ پاتی تھی ہر وقت بلبلاتی تھی یہاں تک دوری دلبند مہجوری فرزند میں دونوں روتے تھے، کہ آنکھیں ان عزیزوں کی یوسف گم گشتہ کے فراق میں دیدۂ اشتیاق میں ہم چشم دیدۂ یعقوب علیہ السلام ہو گئی تھیں بہ حکم آیہ وافی ہدایہ وابیضت عیناہ من الحزن فہو کظیم، سچ ہے فراق نور چشم میں نور چشم کب رہتا ہے رات دن آنکھوں میں یکساں ہر وقت سراسیمہ و پریشان مگر ارکان سلطنت نمک خوار قدیم کوشش عظیم سے دیرپردہ ریاست کا کام سنبھالے تھے جب ورود لشکر پایں کرّوفر سنا وزیر اعظم کو جانعالم کے پاس حال دریافت کرنے کو بھیجا لبسکہ شاہزادہ با امتیاز کی مفارقت کو زمانہ دراز گذرا تھا سو اسامان جاہ و حشم لشکر کا جم و خم فوج ہزار در ہزار انبوہ بیشمار خزانہ لا انتہا دیکھ کر وزیر گھبرایا اپنے شہزادے کا وہم و گمان نہ آیا دست بستہ عرض کی قبلۂ عالم گردش طالع واژوں نیرنگی گردوں سے وارث تخت سلطنت یہاں کا دفعتہً گم ہو گیا بادشاہ آسمان جاہ ہمارا مصیبت کا مارا جگر گوشے کی مفارقت میں دامان صبر و گریبان شکیب پارہ پارہ کر نور نظر بھی اُس اپنے قرۃ العین طاقت بصر کے ہجر میں گریہ کی نذر کر چکا ہے ہنوز اُس عین الکمال کے قدم کی خاک سرمہ چشم مشتاق کحل الجواہر دیدۂ منتظر نہیں ہوئی لہذا سلام حضور کو یہ پیغام دیا ہے کہ اگر خواہش تخت یا تمنائے تاج منظور خاطر ہے بسم اللہ کل نہیں آج حاضر ہے مگر سامان جنگ و جدال گرم بازاری

عرصۂ قتال خونریزی بندگان خدا ناحق ناروا ہے مجھے تخت سلطنت تختۂ تابوت سے بدتر ہے الامعاملۂ قضا و قدر سے مجبور ہر فرد بشر ہے ہرچند جینے سے سخت جی بیزار ہے لیکن مرنے کا کسے اختیار ہے

مرنے کو میں تو راضی ہوں موت کو موت آگئی	زندگی اب گلے پڑی اسکی میں کیا دوا کروں

شرح سخت جانی موجب پریشانی گوش حق نیوش جان کر طول کو مختصر کیا جانعالم یہ سنکر رو دیا وزیر کو گلے سے لگایا خلعتِ فاخرہ عنایت کیا پھر کہا افسوس تم نے گود کے پالے عرصۂ قلیل میں بُھلا ڈالے بعد آداب و کورنش عرض کرنا کہ بدولت الفت پدری و تاثیر دعائے سحری سے خانہ زاد بامراد زندہ و سالم شرف آستان بوس سے مُشرف ہوا اسوقت وزیر نے پہچانا قدموں پہ گرا پھر سر اُٹھا کر بے اجازت بھاگا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا پکارا مبارک ہو استاد

بوئے یوسف سوے بیت کنعان آئی

اے بادشاہ با اقبال و صاحبِ جاہ و جلال بہ عنایت جامع المتفرقین بہ باعث برکت دعائے مہاجرین نیر اوج بختیاری کوکب درخشندہ سپہر شہریاری با فوج و لشکر و مجمع حوران پری پیکر یہاں آیا اور اِس اجڑے نگر کو آباد کیا بسایا مشتاقوں کا دِل الم رسیدہ شاد کیا شکر صد شکر نالۂ شب گیر با تاثیر تھا بادشاہ کو تو مرتبۂ یاس حاصل تھا وزیر سے یہ کلمہ فرمایا میر تقی

وہ اور ہو گی وقتِ سحر ہو جو مستجاب	شرمندۂ اثر تو ہمارا دُعا نہیں

وزیر نے مکرر عرض کی بسر حضور شب دیجور ہماری یمن قدم سے شمع انجمن افروز سلطانی کے روشن ہوئی اس گفتگو میں وزیر تھا کہ جانعالم تنہا داخل ہوا محل میں محشر کا قیام ہوا رونا پیٹنا مچا رنڈیوں کا اژدہام ہوا ماں باپ نے گلے سے لگایا شہزادہ بالراس والعین آداب بجالایا عین عنایت الٰہی دیکھئے اُسی دم دونوں کی

جانعالم کی والدین سے ملاقات اور تخت پہ بیٹھنا اور بعیش و عشرت بسر کرنا

چھوڑ دیا وہ مکار بد باطن عیّار بھا رنڈی جو خوب صورت دیکھی جی بھر بھر آیا کہا تو تو میری محسنہ ہے
میں تیرے ہمراہ رہونگا خدمت گذاری کرونگا اس حیلے سے ساتھ ہوا کچھ دور شہر سے نکلی تھی راہ
میں دریا ملا یہ مدّت سے نہائی نہ تھی کپڑے بھی کثیف ہو گئے تھے ایک طرف لباس دھو کر نہا رہی تھی
ناگہاں ایک سمت سے دو جہاز وہاں آئے اہلِ جہاز نے دیکھا عورت قمر طلعت ہے اُس حرامزادے
سے پوچھا یہ کون ہے اس نے اپنی لونڈی بتایا مول تول درمیان آیا غرضکہ مبلغ کثیر پر بیچکر کسی بہانے سے
جہاز پر چڑھا دیا روپیہ لے کر چل نکلا وہ دو سوداگر تھے دونوں اُس پر مائل ہوئے قصے فساد حائل
ہوئے پھر یہ صلاح ٹھہری کہ بالفعل مال کے جہاز پر یہ رہے جب اسباب بک چکے اُسوقت عورت جسے
قبول کرلے وہ لے جھگڑا اٹھا یا اُسے مال کے جہاز پر بٹھایا ایک روز آندھی چلی طوفان آیا جس جہاز پر سوداگر
تھے وہ تو ڈوب گیا مال کا جہاز اور یہ جانباز سلامت رہی چند عرصہ میں جہاز اُس شہر میں آیا جہاں سے یہ
سنگسار ہو کر نکلی تھی۔ دو کلمہ یہ سنو جس شخص نے اس کو بیچا تھا کسی تقریب سے وہ یہاں کے بادشاہ کا بخشی ہوا
اور ویرانی کا غلام بہ مددِ ایام پایۂ وزارت پا گیا اور مفتی صاحب سفر سے پھر کر مفت جورو کے الم میں مبتلا
تھے جبدن یہ جہاز اس شہر میں پہونچا وہاں کے پیغمبر کو حکم الٰہی آیا کہ ہمارا ایک خاص بندہ جہاز پر آیا ہے
یہاں کا بادشاہ وزیر بخشی و قاضی اور مفتی کو لیکر اُس کے پاس جائے اور اُس سال میں جو جو گناہ اُن سب سے عمداً او
سہواً سرزد ہوئے ہوں اُسکے روبرو بیان کریں جو وہ خطا معاف کرے تو ہم بھی درگزریں وگرنہ بلائے آسمانی
آفتِ ناگہانی اس زمین پر نازل کروں گا، پیغمبر نے بادشاہ سے کہا وہ سب کو ساتھ لے کر جہاز پر آیا

تصویر زن عابدہ کے آنیکی اور بادشاہ مع قاضی و مفتی و بخشی



عورت پردہ چھوڑ کر آبیٹھی تقریر شروع ہوئی پہلے بادشاہ نے کہا میں سیہ کار ازسرتا پا گناہ گار معصیت کا پتلا ہوں مگر یہ خدشہ تازہ ہوا ہے کہ قاضی کے کہنے سے مفتی کی جورو کو بے تحقیقات جرم سنگسار کا حکم دیا ہے عورت بولی غفر اللہ لک یعنی بخشے خدا تجھے پھر مفتی نے کہا مجھے جورو کی طرف سے گمان بد ہے اس نے کہا تو ابھی چپ رہ بیٹھ پھر قاضی نے بیان کیا مجھ سے بدولت نفس امارہ یہ حرکت ناکارہ ہوئی کہ بیجرم و خطا ایک بیگناہ کو سنگسار کیا اس نے کہا اللہ تیری مغفرت کرے بعد اسکے وزیرہ ویرانی کا غلام آیا ندامت سے سر جھکایا پھر کہا بندہ سے بہ تحریک شیطان اور جوش شہوت جرم قبیح ہوا کہ آقا کا لڑکا مار کر صاحب عصمت کا قصور ٹھہرایا وہ بولی غفور رحیم تجھ پر رحم کرے جب بخشی آیا وہ بیچنے کا ماجرا زبان پر لایا عورت نے کہا تو محسن کش ہے خدا تجھے نہ بخشے گا الغرض بخشی کی جان بخشی نہ ہوئی پھر وہ پردہ اٹھا باہر آئی مفتی سے کہا تو نے مجھے پہچانا یہ سب قصہ میری عفت کا فسانہ ہے آج تک خدا کی حفظ و عنایت سے عزت و آبرو بچی اب خلع کی امیدوار ہوں یہ مال و متاع تو اپنے صرف میں لا میں تنہا گوشہ عزلت میں بیٹھ کر عبادت کروں اسی شغل میں مروں یہ ماجرہ دیکھ کر حاضرین صحبت ناظرین جلسہ تھرا آئے بادشاہ سلامت منفعل گھر آئے وہ عورت تو حجرہ بنا طاعت یزدان میں مشغول ہوئی دولت کونین حصول ہوئی طوطا یہ قصہ تمام کر کے بولا جانعالم جو ثابت قدم ہیں انکا ہر وقت اللہ یار ہے ہر بحر بے کنار سے انکا بیڑا پار ہے فرد ؎

	نہ ہر زن زنست و نہ ہر مرد مرد		خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد	

یہ نقل سنکر شہزادے کا نشہ ہرن ہوا دونوں کی مشقت اور ایذا اٹھانی خانہ ویرانی بادیہ پیمائی یاد آئی خوف خدا سے مثل بید کانپا ندامت سے عذر کیا کہ حالت نشہ میں جھک مارا قصور ہوا پھر ہنسی خوشی وہاں سے کوچ ہوا

یہ خاتمہ داستان ہے اور وطن پہونچنا شہزادہ جانعالم کا زیارت والدین اور نوک جھونک ماہ طلعت کی طوطے سے ملکہ اور انجمن آرا کا دل بہلانا پھر وزیر زادے کا قتل سلطنت ترک کرنا فیروز بخت کا

	چل اے توسن خامہ منزل رساں		کہ اب گھر پہونچتا ہے یہ کارواں	
	پھرا گھر کو شہزادہ خوش سیر		جھمکڑے کا عالم بہت کروفر	
	وہ اس طرح پہونچا وطن کی طرف		بہار آئے جیسے چمن کی طرف	

وہ صائم النہار قائم اللیل مشہور ہوا جانعالم ہر روز تخت پر جلوہ افروز ہوا عدل کی داد دے کے شب کو پری پیکروں میں بسر کرتا تھا یہ عادل و سخی و رحیم و شجاع یکتائے روزگار مشہور ہوا ذکر دونوں کا تاقیام قیامت صفحۂ روزگار و ورق لیل و نہار پر اور برزبان یگانہ و بیگانہ رہا بات باقی رہ گئی نہیں تو دور دوراں میں کس کا دور رہا کس کا زمانہ رہا۔ جس طرح جانعالم کے مطلب ملے اسی طرح کل عالم کی مراد اور تمنائے دلی اللہ دے علی الخصوص سامعین ناظرین راقم و مؤلف کی خواہش و آرزو بہ تصدق رسول عربی برآئے بحرمتہ النبی و آلہ الامجاد بالنون والصاد و باسباب ظاہر یہ فسانہ نادر زمانہ مضمون چکیدۂ دل و تحریر خامہ ہے اگر دیدۂ غور و نظر تامل سے ملاحظہ کرو تو حقیقت میں کارنامہ ہے فقط بعدم نظر فیض اثر سے جناب قبلہ و کعبہ مخدوم و مکرم آغا صاحب قبلہ آغا نوازش حسین خاں صاحب عرف مرزا خانی صاحب کے یہ گذرا لبعد اصلاح شاگرد نوازی فرما کر قطعۂ تاریخ سے زینت بخشی قطعۂ استاد

برائے خاطر یاران و احباب ۔۔۔ سرور ایں قصہ را چوں کرد ایجاد
بجستم سال تاریخش نوازش ۔۔۔ فلک ایں گلستان بخزاں داد ۱۲۳۱

ایک دوست بندے کے زمانے کے تعلق سے مثل سرو آزاد لالہ درگاہ پرشاد تھے ہنر میں عیب پوش تخلص مدہوش خم محبت سے مے الفت جوش میں آئی تاریخ مستانہ زیب فسانہ فرمائی

مدہوش

کہا فسانہ جو یہ عجائب سرور دل خستہ و حزیں نے ۔۔۔ کہ جسکی تاثیر سے بیاں کیسے ہر ایک دل بیقرار دیکھا
جہاں پہ کچھ گل کی گفتگو ہے وہاں پہ کچھ اور رنگ و بو ہے ۔۔۔ جہاں خزاں کی خلش ہے آمیں وہاں پہ کیا کیا نہ خار دیکھا
جہاں کیا غم نے ہے جگر خوں نظر پڑا واں شفق کا عالم ۔۔۔ کہیں جو ہے داغ دل کا پھولا تو اسجگہ لالہ زار دیکھا
کہیں جو چشمہ کا ماجرا ہے دکھائی وہ آب و تاب آ سنے ۔۔۔ کہ چشمہ چشم سے ہر اک کے رواں ہوا چشمہ ساز دیکھا
کہیں جو دریا کا ذکر آیا تو کشتی دل ہے نذر طوفاں ۔۔۔ جو کوہ نے سر کہیں اُٹھایا تو جان کو سنگسار دیکھا
ہوا ہے جس جس جگہ پہ اسمیں بیان سحر و طلسم و جادو ۔۔۔ تو قدرت حق سے اُس مکاں پر نئی طرح کا حصار دیکھا
جو قید میں دیو کی پھنسا ہے کسی جگہ پر کوئی پری رو ۔۔۔ تو کیا نہ سانا چھوٹنے کا وہاں پہ بر روئے کار دیکھا
کسی جگہ پر جو جوگ آسن کا جوگیو نکے بیاں ہے اسمیں ۔۔۔ تو خوب چھایا ہے اسجگہ کچھ نہ غیر مشت غبار دیکھا

کہیں جو آمد کی یار کے کچھ خبر کا چرچا کیا ہے اُسنے
تو دیدہ ہر اہل دید کا وا نہ وقف صد انتظار دیکھا

جو وصل کی شب کا کچھ بیاں ہے تو جمع ہے خاطر پریشاں
جو روز ہجراں کا غم لکھا ہے تو دلکو کیا انتشار دیکھا

جو بزم کا کچھ بیاں کیا ہے تو کوئی محفل نہ دیکھی ایسی
جہاں پہ کچھ رزم کا بیاں ہے ہر اک کو اسفندیار دیکھا

کہیں کھنچی ہے جو تیغ ابرو تو ہو گئے دل کے ٹکڑے ٹکڑے
کہیں جو تیر نگاہ چھوٹا تو صاف سینہ کے پار دیکھا

خرابی حال عاشق ایسی کہ جسپہ رونا فلک کو آئے
کہیں پہ معشوق کی ہے خوبی کہ ملک تک زیر نگار دیکھا

نہ پوچھو حال اس فسانہ کا تم کہ ڈھنگ کیا کیا بھرے ہیں اسمیں
جو حسن دیکھا تو زور دیکھا جو عشق دیکھا تو زار دیکھا

ہوئی جو مدہوش کو یہ خواہش کہ سال تاریخ اسکا لکھے
تو کھینچکر آہ دلسے نکلا خزاں سے رنگ بہار دیکھ
۱۲۴۸ھ

تاریخ از مصنف

جس نے کہ سُنا اسکو جی میں یہ لگا کہنے
یارب یہ فسانہ ہے یا سحر ہے بابل کا

تاریخ سرور اس کی منظور ہوئی جسدم
بے ساختہ جی بولا نشتر ہے رگ دل کا
۱۲۴۰ھ

تقریظ

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی
کس بیکمال ہیچ نیرزد عزیز من

دنیا میں کمال ایک ایسا جوہر نفیس ہے کہ جسکے سبب سے انسان ہر دلعزیز ہوتا ہے اپنا بیگانہ ہر یک دل میں اُس کا تخم محبت بوتا ہے حاضر و غیب لوگ اُسکے ثنا خواں رہتے ہیں دُور دُور اسکے کمال کے بیان رہتے ہیں آدمیت عقل و فہم ادراک سے عبارت ہے اسپر اگر کسی طرح کا کمال بھی حاصل ہے تو یہ جوہر تیغ تیز آفت ہے بیکمال کی نفس الامر میں کچھ حقیقت نہیں گو صاحب دولت ہو مگر عزت نہیں کامل کے خواہشمند ہزار ہیں یہی لوگ دنیائے ناپائدار میں یادگار ہیں فی زمانہ ذی کمالوں میں بلبل خوش الحان حدیقۂ معانی طوطی شکرین مقال بوستان سخندانی مہر سپہر سخنوری گوہر بحر معنی گستری مضمون آفرین سعدیل شاعر نامی و جلیل دبیر سحر تحریر منشی عطارد نظیر النثار پرداز ہیں معروف نزدیک و دُور یادش بخیر مرزا رجب علی بیگ تخلص سرور مرحوم و مغفور جنکے اشعار خوب و نثر ہائے مرغوب اطراف جہاں و اکناف عالم میں مشہور ہیں

تاریخات طبع سابق از عدیم المثال مورخ کامل منشی بھگوان دیال صاحب عاقل ہیڈ ماسٹر باشی

چو شد مطبوع ایں نادر فسانہ
پے تاریخ ہجری گفت عاقل

زتصنیف سرور خوش بیانی
سرور آئین چہ نادر داستانی
۱۳۲۶ھ

ایضاً

طبع شد ایں فسانہ نادر
گفت تاریخ ہجریش عاقل

بہ خدا ہست خوشنما قصہ
فرحت انگیز دل کشا قصہ
۱۳۲۶ھ

ولہٗ

یہ وہ قصہ ہے جاں فزا بہ خدا
سال ہجری ہیں تو بھی اے عاقل

جس سے دل کو سرور وافر ہے
کہہ یہ زیبا سرور خاطر ہے
۱۳۲۶

خاتمۃ الطبع

للہ الحمد والمنۃ کہ یہ قصہ نادر و غرائب اسم بامسمےٰ فسانہ عجائب معروف و مشہور نزدیک و دُور مِن تصنیف انیف ماہر نکات سخنوری واقف رموز شاعری ذی شعور مخبر الشعراء مرزا رجب علی بیگ سرورؔ مرحوم و مغفور تلمیذ ارشد کلیم سخندانی موجد شعر خوانی آغا نوازش علی خاں معروف بہ مرزا خوانی بہ مطبع سپر آرٹ انگریور پریس کراچی بحُسن باہتمام شفیق الرحمٰن بہ تصحیح تمام و تنقیح مالاکلام بماہ جنوری ۱۹۶۳ء بہ حُسن و خوبی طبع ہوا ——

آرائش محفل

یعنی

قصّہ حاتم طائی

— جس طرح حاتم کی سخاوت دنیا میں مشہور ہے اسی طرح اس کے یہ قصّے بھی مشہور ہیں دوسروں کو مصیبتوں سے نجات دلانے کیلئے حاتم نے کیسے کیسے خطرناک سفر اختیار کئے اور اسے کس قدر عجیب و غریب اور ہوش اڑا دینے والے حالات کا سامنا کرنا پڑا یہ سب کچھ اس کتاب میں درج ہیں یہ حقیقت ہے کہ "قصہ حاتم طائی" اسقدر دلچسپ ہے کہ یہ بھوک و پیاس اڑا دیتا ہے

قیمت دو روپے محصول ۶۹ پیسے

باغ و بہار

یعنی قصہ چہار درویش (باتصویر)

— یہ کتاب اُردو زبان کی اوّلین کتابوں میں سے ایک ہے اور اگرچہ یہ آج سے ایک سو سال پہلے لکھی گئی تھی لیکن اپنی دلچسپی اور دلکشی کے باعث یہ آج تک پسند کی جاتی ہے۔

آپ اسے ایک بار شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب خوبصورت رنگا سرورق

قیمت فی کاپی ایک روپیہ ۵۰ پیسے محصول ڈاک ۵۹ پیسے

ملنے کا پتہ

رحمن برادرس تاجران کتب فریئر روڈ کراچی نمبر ۱

(سپیر آرٹ پریس کراچی)

وہ جُدا ہو گئے فرقت کا نہ تھا جس کے گمان		فلک تفرقہ انداز کی کج بازی سے

المختصر فسانۂ عجائب جو تحریر فرمایا ہے زور طبیعت دکھایا ہے فی الحقیقت یہ فسانہ یادگار ہے شاہد بے مثالی مرزا صاحب ذی وقار ہے جب پڑھیئے وہی لطف قبول خاطر پیدا ہو سبحان اللہ کیا کہنا عہد شباب کا لکھا ہے ہر چند اور لوگوں نے متبع کیا قدم بقدم چلے مگر توجہ کیجیے کیا ہوتا ہے نہ بھولے نہ پھیلے

	تا نہ بخشد خدائے بخشندہ		ایں سعادت بزور بازو نیست	

الحق فسانۂ عجائب عجیب رنگین و دلفریب قصہ ہے مرزا صاحب ممدوح کا حصہ ہے زبان کوثر کی دھوئی شستہ و رفتہ سب کو مرغوب روزمرہ محاورے بہت اچھے نہایت خوب الحق معلیٰ سراسر تجلی فقرے چست لفظیں درست عبارت سلیس فصاحت آمیز معانی لطیف بلاغت انگیز سرور افزائے دل انجمن آرائے جہان جانِ عالم ہے جتنی کہانی لاثانی دل دہی کی نشانی ہے جتنی اس کی تعریف لکھیے کم ہے جہاں وصل کا بیان ہے عجیب لطف نہایت مزے کی داستان ہے جہاں ہجر کا ذکر ہے وہاں مرجانے کی فکر ہے جہاں معرکہ نبرد ہے وہاں شاہنامہ فردوسی طاق گرد ہے جہاں سحر کا بیان طلسم کی تقریر ہے وہاں اور بھی نیرنگی تحریر ہے جہاں جس چیز کا بیان ہے وہاں ویسا ہی سامان ہے جہاں لکھنؤ کا حال لکھا ہے وہاں اس شعر کا مصداق پیدا ہے

	ہمیں ست و ہمیں ست و ہمیں ست		اگر فردوس بروئے زمین ست	

مرزا صاحب موصوف کے اوصاف جمیلہ محامد جلیلہ کالشمس فی نصف النہار ہیں کمالات صوری و معنوی ہیں یادگار دیار و امصار ہیں خداوند عالم ان کی مغفرت فرماوے اور اس فسانہ کی یوماً فیوماً زیادہ تر شہرت فرماوے - ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

فدا علی عیش

تاریخ طبع سابق از افضل الامثال و الاقران مولنا محمد علیخاں صاحب حامد شاہ آبادی محافظ عملہ تصحیح

سرورِ نکتہ داں مرحوم و مغفور
مقرر بزدی سخن اس باَت کا ہے
کچھ ایسا اسنے لکھا یہ فسانہ
نہ ایسا گوش سامع نے سنا ہے
فسانے سب ہیں اسکے سامنے ہیچ
سراپا خوبیوں سے یہ بھرا ہے
زباں کی کیفیت اسمیں الگ ہے
مقلد وہ اسی مرحوم کا ہے
جناب حضرت آغا نوازش
یہ بلبل بھی اسی گلزار کا ہے
یہ مطبع بھی اسی مطبع کی ہے شاخ
کہ جس پر بخششوں کا خاتمہ ہے
نمک خوار و نمیں اسکے جو ہوا وہ
کہ خاصیت میں مثلِ کیمیا ہے
جہاں میں کون ایسا ہے کہ اسکا
شجاعت میں وہ رستم سا ہوا ہے
مگر الحبث مطبع بھی ہے وہ شخص
بڑا لائق بڑا ذی مرتبہ ہے
کہوں جو کچھ ہیں ان دونکو حق ہے
مری اب آخری یہ التجا ہے

عجب ذی مرتبہ شاعر ہوا ہے
وہ اس فن میں ہوا نقاش اول
کہ جسکو دیکھئے اس پر فدا ہے
فسانہ اس طرح یہ اسنے لکھا
کوئی قصہ نہیں اس لطف کا ہے
یہ افسانہ ہوا مشہور عالم
عبارت کا مزہ اسمیں جدا ہے
ہے اس استاد نامی کا جو استاد
غزل خوانی میں جو یکتا ہوا ہے
اودھ اخبار مطبع ہے جو نامی
یہاں بھی بارہا چھاپا گیا ہے
پراگ اول میں نارائن ہو آخر
امیرانہ بسر فرما رہا ہے
مطابع اسنے وہ جاری کئے ہیں
دل و جاں سے نہیں ملتا سرا ہے
بہر صورت وہ ہی ممدوح کونین
نہیں مانند اسکے دوسرا ہے
دیانت قابلیت میں ہے یکتا
لکھوں جو کچھ انہیں ہیں وہ بجا ہے
غرض تاریخ کی مجھ کو ہوئی فکر

کلام اس کا ہے مقبول خلائق
اسی سے اسکی گویا ابتدا ہے
نہ ایسا چشم مینا نے ہے دیکھا
کوئی لکھے جواب مقدور کیا ہے
ہے خوبی دیکھنے پر اسکے موقوف
اس افسانے کی شہرت جابجا ہے
لکھا بعد اسکے جس نے جو فسانہ
اسے بھی ایک عالم جانتا ہے
غزل گوئی میں بھی وہ فرد گذرا
اسی میں بارہا یہ چھپ چکا ہے
مگر مطبع کا مالک بھی ہے وہ شخص
کہ یہ نام مبارک کا پتا ہے
در دولت پہ اس کے کیوں نہ ہو فیض
کہ جن سے دین و دنیا کا بھلا ہے
سخاوت میں ہے حاتم سے زیادہ
خدا نے نام نیک اسکو دیا ہے
دیا ل آخر میں ہے اول میں بھگوان
یہ منشی جی کو قسمت سے ملا ہے
رہیں یہ سب کے سب دلشاد و خرم
کہا ہاتف نے کیوں تو سوچتا ہے

اگر تاریخ کی ہے فکر حامد | لکھا اچھی داستان فرحت فزا ہے
۱۳۲۶ھ